حافظ ملت

افکار و کارنامے

مبارک حسین مصباحی

ادارۂ تحقیقات حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ

مبارکپور۔ اعظم گڈھ۔ یوپی۔ انڈیا

Rs. 17/-

حافظ ملت

افکار اور کارنامے

اس مجموعہ میں ادارۂ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام منعقدہ "حافظ ملت سیمینار" بتاریخ ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء میں پیش ہونے والے مقالات جمع کئے گئے ہیں جن سے حیات حافظ ملت کے بہت سے ایسے گوشے سامنے آتے ہیں جو ابھی تشنۂ تحریر تھے۔

مرتب

مبارک حسین مصباحی رامپوری

ناشر

ادارۂ تحقیقات حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

اعظم گڈھ - یوپی - انڈیا

(نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ، فیض آباد)

نام کتاب ——— حافظ ملت افکار اور کارنامے

مرتب ——— مبارک حسین مصباحی

تعداد صفحات ——— ١٣٦

بار اول ——— ایک ہزار

سال اشاعت ——— ١٤١١ھ ١٩٩٠ء

قیمت ———

بتعاون ——— عزیزی عرس کمیٹی مبارک پور

ناشر ——— ادارہ تحقیقات حافظ ملت

ملنے کے پتے

١- ادارہ تحقیقات حافظ ملت جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ یوپی

٢- المجمع الاسلامی فیض العلوم محمد آباد مئو یوپی

٣- مولانا زاہد علی سلامی ـ سلامی اکیڈمی دار العلوم فیض عام جامع مسجد اناؤ ـ یوپی

٤- حق اکیڈمی ـ مبارک پور اعظم گڈھ یوپی

٥- قادری اکیڈمی ـ متصل مسجد پان دریبہ رامپور ٢٤٤٩٠١

٦- رضوی کتاب گھر غیبی پیر روڈ بھیونڈی ٤٢١٣٠٢

٧- مکتبہ نعیمیہ دیوان بازار جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی

٨- اعجاز بکڈپو ناخدا مسجد گیٹ ٢ ذکریا اسٹریٹ کلکتہ ٧٣

فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات :- فرزندان اشرفیہ کی سوانح اور ان کے کارناموں کی ترتیب کا باضابطہ آغاز کر دیا گیا ہے۔ تمام فرزندان اشرفیہ سے گذارش ہے کہ وہ بذات خود یا ان کے تلامذہ واہل تعلق درج ذیل معلومات فراہم کریں
تاریخ ولادت۔ مولد ومسکن اور نسب۔ تعلیمی زندگی۔ درسگاہیں۔ اساتذہ۔
تدریسی، تربیتی، تعمیری، تبلیغی، اصلاحی میدانوں کی قابلِ ذکر خدمات اور جہاں خدمات انجام دیں انکی تفصیل۔
قابلِ ذکر تلامذہ۔ دوسرے اہم کارنامے۔ سبق آموز حالات

رابطہ کا پتہ :- ادارہ تحقیقات حافظ ملت۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ اعظم گڈھ۔ یوپی

کاروان فکر و قلم

	صفحہ نمبر
علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی	۱۰ تا ۱۳
ڈاکٹر فضل الرحمان شرر مصباحی	۱۰۵ تا ۱۰۶
مولانا رضوان احمد شریفی مصباحی	۸۸ تا ۹۰
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	۷۲ تا ۸۰
مولانا شمس الہدیٰ مصباحی	۵۴ تا ۵۷
مولانا قمر الحسن بستوی مصباحی	۹۹ تا ۱۰۴
عبد النعیم عزیزی ایم اے	۲۵ تا ۳۱
مولانا محمد علی فاروقی مصباحی	۱۸ تا ۲۰
مولانا محمد علی قاضی مصباحی	۴۰ تا ۴۲
مولانا عبد المنان کلیمی مصباحی	۱۰۸ تا ۱۱۰
ــــ مبارک حسین مصباحی	۳۲ تا ۳۵ ۱۱۲ تا ۱۲۱
مولانا ایاز احمد مصباحی	۵۸ تا ۶۱
سید ولی الدین رضوی	۹۵ تا ۹۶
نعیم الدین عزیزی	۱۳۶

	صفحہ نمبر
مولانا عبد اللہ خاں عزیزی مصباحی	۳۶ تا ۳۹
مولانا اسلم بستوی مصباحی	۲۱ تا ۲۴
مولانا سید شاہد علی رضوی	۱۲۶ تا ۱۳۵
مولانا احمد القادری مصباحی	۸۱ تا ۸۷
مولانا معراج القادری مصباحی	۴۳ تا ۴۶
مولانا مختار احمد قادری ایم اے	۶۶ تا ۷۱
مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی	۱۴ تا ۱۷
ماسٹر آفتاب احمد خاں عزیزی	۵۲ تا ۵۳
مولانا غلام محمد بھیروی مصباحی	۹۷ تا ۹۸
قاری عبد الحکیم عزیزی مصباحی	۹۲ تا ۹۴
مولانا رضاء الحق مصباحی	۶۲ تا ۶۵
حکیم محمد یوسف عزیزی	۴۷ تا ۵۱
الحاج محمد حسین عزیزی	۱۰۷ ۰۰
محترمہ ارم عزیزی	۱۲۲ تا ۱۲۳

نقوشِ فکر و قلم

صفحہ نمبر

سخنہائے گفتنی ____ ۵ تا ۶
پیغامات ____ ۷ تا ۸
حافظ ملت ایک نظر میں ____ ۱۳۶ ۰ ۰
(۹ تا ۹۰)

افکار و خدمات

حیات حافظ ملت کا درخشاں باب ____ ۱۰ تا ۱۳
حافظ ملت اور خدمت دین ____ ۱۴ تا ۱۷
حافظ ملت ایک آفاقی شخصیت ____ ۱۸ تا ۲۰
حافظ ملت اور دار العلوم اشرفیہ و الجامعۃ الاشرفیہ ____ ۲۱ تا ۲۴
حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ تحریک ____ ۲۵ تا ۳۱
مفتی اعظم ہند اور حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ ____ ۳۲ تا ۳۵
حافظ ملت اور نظریہ تعلیم ____ ۳۶ تا ۵۷
حافظ ملت اور تعلیمی نظم و نسق ____ ۵۸ تا ۶۱
حافظ ملت اور شعور قلم ____ ۶۲ تا ۶۵
حافظ ملت ایک انقلاب آفریں مجاہد ____ ۶۶ تا ۷۱
حافظ ملت سیاسی شعور و آگہی ____ ۷۲ تا ۸۰
حافظ ملت اور ان کی سیاسی بصیرت ____ ۸۱ تا ۸۷
حافظ ملت اور تعمیر انسانیت ____ ۸۸ تا ۹۰

اخلاق و صفات

(۹۱ تا ۱۱۰)
حافظ ملت کے اخلاق عالیہ ____ ۹۲ تا ۹۴
حافظ ملت اور ان کے اخلاق ____ ۹۵ تا ۹۶
حافظ ملت کا تقویٰ ____ ۹۷ تا ۹۸
حافظ ملت ایک درویش کامل ____ ۹۹ تا ۱۰۴
حافظ ملت اور مبارک پور ____ ۱۰۵ تا ۱۰۶
حافظ ملت کی چند عبرت آموز یادیں ____ ۱۰۷ ۰۰
حافظ ملت بارگاہ رسالت میں مقبول ہیں ____ ۱۰۸ تا ۱۱۰
(۱۱۱ تا ۱۲۳)

خیالات و تاثرات

حافظ ملت اور جہان اہل خرد ____ ۱۱۲ تا ۱۲۱
حافظ ملت کی بارگاہ میں عقیدتوں کے پھول ____ ۱۲۲ تا ۱۲۳
(۱۲۵ تا ۱۳۵)

تعلیمات و ارشادات

تعلیمات حافظ ملت ____ ۱۲۶ تا ۱۳۵

سخنہائے گفتنی

ہر عہد میں کچھ مقتدر، قدآور اور باوقار شخصیتیں انسانی عظمت کے افق پر ابھرتی ہیں۔ جو اپنے پرعزم حرکت وعمل اور آفاقی فکر وخیال سے قافلہ انسانی کی صلاح وفلاح، دین ودانش کے فروغ وبقا اور قوم ووطن کی تعمیر وترقی کے لئے میدان عمل میں اترتی ہیں۔ جن کے حسن کارکردگی اور پرسوز خدمت سے پژمردہ انسانیت لہلہانے لگتی ہے۔ نئی نسلیں سنورنے لگتی ہیں۔ اور گمگشتگان راہ سمت منزل پلٹنے لگتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ رہنما عظمت وسربلندی کی اس پرشوق منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ کہ ہر طبقہ انسانی کے لئے انکے نقش قدم نشان منزل، انکے فکریں نصب العین اور کردار وعمل نمونہ تقلید بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں دور اندیش اور زندہ قومیں اپنے بزرگوں، دینی پیشواؤں اور قومی رہبروں کی ہر حرکت وعمل اور فکر وخیال کو آئینہ خانہ تاریخ میں سجا کر رکھتی ہیں۔ کیونکہ انکی حیات اور مراحل حیات جہاں اپنے عہد کے لئے رہبر ورہنما ہوتے ہیں وہیں کاروان مستقبل اور نئی نسلوں کے لئے بھی مینارہ نور ثابت ہوتے ہیں۔

انھیں جامع صفت بزرگوں اور چودھویں صدی ہجری کی عہد آفریں اور تاریخ ساز شخصیتوں میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بھی بڑی صدرشک زمانہ عظمتوں اور گراں قدر اہمیتوں کے حامل ہیں۔ آپ نے ایک عظیم قافلہ کی علمی وفکری قیادت کی اور تعمیری واصلاحی خدمت انجام دی ہے۔ کیونکہ آپ بذات خود کردار وعمل کے پیکر، دین ودانش کے مرقع، تقویٰ وپرہیزگاری کے خوگر اور تعمیری واصلاحی ذہن وفکر کے مالک تھے آپ نے اپنی ان تمام تر صلاحیتوں اور جسم وجان کے ایک ایک قطرے کو دینی پرری علمی فروغ، وطن نوازی، اصلاح امت اور شخصیت سازی کی راہ میں نچوڑ دیا۔ چودھویں صدی ہجری کے اہم میں آپکے مراحل حیات اور افکار وکارنامے اتنے دلگیر، ہمہ گیر اور تابندہ ہیں کہ ان کو نظر انداز کر کے اس عہد کی دینی وملی علمی وثقافتی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

الجامعۃ الاشرفیہ اور عالمی پیمانے پر آپکے ہدایت یافتہ قافلوں اور فیض یافتہ شاگردوں کے گروہ آپکے افکار اور کارناموں کی زندہ مثالیں اور ناقابل فراموش شواہد ہیں۔ آج فکر وفن کے دانش کدے ہوں یا رشد وہدایت کی خانقاہیں، شہرستان تدریس ہو یا اقلیم خطابت تصنیف وتالیف کے شعبے ہوں یا میدان سیاست وصحافت اکثر جگہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کے تلامذہ جلوہ بار اور معروف عمل نظر آتے ہیں۔

اب اس عظیم معمار اور محسن کے حقوق کی ادائیگی اور ہمہ جہت شخصیت کے علمی وعالمی تعارف کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہ ذمہ داری گردش ایام کے اس اندیشہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ کہیں موصوف کے مراحل حیات اور کارنامے سہو ونسیان کی زد میں آجائیں یا سینوں ہی میں چلے جائیں تو اہل عصر اور کاروان مستقبل تشنہ دید ہی رہ جائیں گے۔

بس یہی احساس ذمہ داری ۱۲ر نومبر ۱۹۹۹ء کو قائم شدہ ادارہ تحقیقات حافظ ملت کا بنیادی پس منظر ہے۔

ادارہ نے اپنے مقصد کی جانب پہلی پیش قدمی ۲۸، دسمبر ۱۹۸۹ء میں منعقدہ حافظ ملت سیمینار کی شکل میں کی تھی۔ بلکہ سطح پر سیمینار کی کامیابی بطور شہادت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے سیمینار میں ملک کے نامور اہل قلم، اہل دین و دانش نے شرکت فرمائی اور اپنی فکر انگیز نگارشات ارسال فرمائیں۔ اور بہت سے بزرگوں نے حوصلہ افزا خطوط اور دعاؤں سے نوازا۔

ہم اس امید کے ساتھ اپنے تمام بزرگوں، قلم کاروں اور معاون رفیقوں کے شکر گزار ہیں۔ کہ مستقبل میں بھی ادارہ کے دیگر عزائم کی تکمیل کے لئے اپنی گرانقدر دعاؤں، مفید مشوروں اور فکر و قلم کی معاونت سے سرفراز فرمائیں گے ۔ اور ان بارگاہوں میں خصوصی طور پر ہدیۂ تشکر پیش ہے۔ عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی ۔ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری شیخ الجامعہ ۔ جنہوں نے مشفقانہ دعاؤں اور مفید مشوروں سے نوازا۔ رہبر فکر و قلم علامہ محمد احمد صاحب مصباحی شیخ الادب جنہوں نے تمام مضامین پر نظر ثانی اور ہر محاذ پر رہنمائی فرمائی۔ اور معتمدان عزیزی عرس کمیٹی علامہ نصیر الدین صاحب مصباحی اور علامہ اعجاز صاحب مصباحی ذمہ دار اراکین جنہوں نے عرس کمیٹی سے تمام اخراجات منظور فرمائے۔ اور رفیقان فکر و عمل محب گرامی مولانا زاہد علی مصباحی سلامی سنبھلی اور برادر صغیر نبیرہ حافظ ملت نعیم الدین عزیزی ۔ جنہوں نے قدم قدم پر میرا تعاون کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں نذرانۂ خلوص و عقیدت پیش کرنے کی توفیق بخشی۔ ہم اس معمولی مجموعہ عقیدت کے ذریعہ اس عظیم الشان اور جامع الصفات شخصیت کی شہرت و تعارف میں کسی اضافے کے ہرگز دعویدار نہیں ___ بلکہ ہم حافظ دین و ملت کی بارگاہ میں اس خراج عقیدت کے ذریعہ اپنی دنیا و آخرت کی درستگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔

اللہ میرے حسن عقیدت کی خیر ہو۔ کہتا رہونگا ذکر اگر زندگی رہی۔

اسیر حافظ ملت

مبارک حسین مصباحی

ادارہ تحقیقات حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

پیغامات

شاعر اسلام حضرت بیکل اتساہی صاحب عزیزی ایم پی راجیہ سبھا

بیکل نواز۔ سلام و نیاز

حکم نامہ بلرام پور سے ہوتا ہوا آج یہاں پہونچا۔ حضرت سیدی مرشدی پر ادارہ تحقیق مبارکپور نے کام شروع کر دیا یہ معلوم کر کے روحانی مسرت ہوئی اور قلبی تسکین بھی۔ سفر حرمین میں کفش برداری کا شرف حاصل کر چکا ہوں جسے اشرفیہ حافظ ملت نمبر میں مولانا اسلم بستوی نے پیش کر دیا ہے۔ میں حضرت کی خدمت اقدس میں اکثر رہا ہوں۔ بہت سی باتیں حضرت نے لکھنے اور کہنے سے روکا تھا اب اگر ہمارے علماء و رفقاء اجازت دیں تو کاغذ پر لایا جائے۔ میں اکثر مصروف رہتا ہوں جلد کسی قلمکار کو بٹھا کر ساری باتیں نوٹ کرا کے ایک الگ سے موضوع قائم کیا جا سکتا ہے عرس اقدس تک تکمیل مشکل ہے پھر بھی میری کوشش ہوگی۔ مخصوص وقتوں میں میرے لئے دعائیں فرماتے رہیں۔

آپکا بیکل آتساہی عزیزی غفرلہ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی استاد شعبہ دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ۔

عزیزی گرامی منزلت مولوی مبارک حسین صاحب مصباحی — سلام و رحمۃ!

"ادارۂ تحقیقات حافظ ملت" کے قیام پر پہلے تو مبارکباد قبول فرمائیں۔ خدا تعالیٰ سے استدعا ہے کہ آپ اور آپکے جملہ رفقائے کار کے ارادوں میں استحکام و استقلال پیدا کرے۔ سیمینار کا سلسلہ خوب ہی نہیں بلکہ خوب تر ہے میں کل پندرہ یوم کے بعد گھر سے واپس آیا تعطیلات سرما میں گھر گیا تھا، کام کے اژدھام کے سبب سے کسی حکم کی تعمیل بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے خدا کرے کوئی مناسب شکل نظر آجائے کہ مقالہ بھی سپرد قلم کر سکوں اور حاضری بھی اسی بہانے ہو جائے ویسے جو میری کتاب "میری دنیا میرے لوگ" کے عنوان سے زیر ترتیب ہے اس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ ہے خدا کرے آپ اور آپ کے جملہ احباب بعافیت ہوں۔ اساتذہ دار العلوم کی جناب میں مخلصانہ سلام عرض ہے۔

والسلام۔ غلام یحییٰ انجم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ادیب شہیر حضرت علامہ بدر القادری مصباحی دی ہیگ ہالینڈ

عزیزان گرامی، مولانا مبارک حسین و زاہد سلامی — السّلام علیکم و رحمۃ و برکاتہ، — مزاج شریف

آپ لوگوں کی کرم فرمائی کا شکریہ کہ گرامی ناموں کے ذریعہ یاد تازہ رکھتے ہیں" ادارہ تحقیقات حافظ ملت" کے قیام پر دلی مسرت ہے اس موقع پر تو میں کچھ نہ کر سکا۔ مگر حضرت پر مجھے بہت کچھ لکھنا ہے توجہ کریں تو عرض کروں

۱۔ تعلیمی کانفرنس اور تعمیری چندے کی تمام نظمیں۔ اور اس دوران کے ایمان افروز واقعات

۲۔ تمام انجمنوں کی تاریخ از تاسیس تا حال ارکان کے اسماء کے ساتھ

۳۔ وہ تمام خطوط جو حاجی محمد حسین وغیرہ کے پاس ہیں۔ یا ان کی نقول

۴۔ حافظ ملت سے متعلق ہر واقعہ جو اہل مبارکپور سے ملے۔

۵۔ اہل حاجت کی حاجت روائی کے واقعات

۶۔ مجلس عاملہ و منتظمہ کی تمام میٹنگوں کی رپورٹیں دیکھ کر ہر اہم فیصلہ

۷۔ حضرت کے ہمنشین اہل مبارکپور میں سے جو حیات ہیں ان میں سے ہر ایک کا انٹرویو نیز ملک بھر سے ان کے معاصرین علماء کے تاثرات و واقعات

۸۔ جس رسالہ اخبار یا کتاب میں حضرت کے بارے میں ایک سطر بھی چھپی ہو

۹۔ حضرت کی تمام تحریرات وکتب مطبوعہ وغیر مطبوعہ کی فراہمی ۱۰۔ خطوط یا ان کی نقول کی فراہمی

۱۱۔ حضرت کے پاسپورٹ اور سفر حج کے سرکاری کاغذات وغیرہ

جب آپ لوگوں نے یہ کام شروع ہی کیا ہے تو اس کام کیلئے کمرہ خاص کیجئے۔ اور تمام عنوانات کے لئے الگ الگ فائلیں ترتیب دیجئے۔ اس کام کے لئے لوگوں سے ذاتی طور پر اور بذریعہ خطوط رابطہ قائم کیجئے۔ اور اپنے آفس میں اتنا مواد فراہم کر لیجئے تاکہ ہر قلمکار اس کی جانب توجہ پر مجبور ہو۔ بارگاہ عزیز ملت میں سلام پہونچائیں۔ والسلام

بدر القادری ہالینڈ

حضرت مولانا شاہد علی رضوی مہتمم و شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

محب محترم ذی المجد والکرم مولانا محمد مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدکم طلعکم

طالب خیر بخیر! فرید الدہر، وحید العصر، معمار سنیت، جلالۃ العلم، استاذ العلماء، حافظ ملت حضرت علامہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قادری امجدی محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ والرضوان کی تعلیمات و ہدایات سے کچھ جواہر عالیہ بعنوان "تعلیمات حافظ ملت" الموسوم باسم تاریخی "چراغ راہ" ارسال خدمت ہیں۔ اگر مفید سمجھیں تو شریک اشاعت کر لیں، اپنے اسلاف اور بزرگوں کی تعلیمات و خدمات سے موجودہ نسل کو روشناس کرانا یہ اہل علم کی ذمہ داری ہے، آپ نے "ادارہ تحقیقات حافظ ملت" قائم کر کے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ رب کریم بطفیل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بفیض غوثنا الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ادارہ تحقیقات حافظ ملت" کو روز افزوں ترقی اور فروغ و استحکام عطا فرمائے آمین۔ جملہ اساتذہ اشرفیہ کو سلام

فقیر نوری سید شاہد علی رضوی غفرلہ خادم الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

سیاح ایشیا سید مظہر ربانی مہتمم دار العلوم ربانیہ باندا یوپی

محب مکرم جناب مبارک حسین مصباحی صاحب زید فضلہ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

آپ کے دونوں مراسلے باندا پہنچے۔ جہانتک حضور حافظ ملت کی سراپا فیض شخصیت پر اظہار خیال کا تعلق ہے تو فقیر کی نظر میں انکے تلامذہ و عقیدت مندوں کا گروہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کی دنیائے سنیت میں مرکزیت و افادیت بذات خود انکا مکمل تعارف ہے کیونکہ ہر درخت کے برگ و بار سے درخت کی اصلیت و حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر شاید جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار

آج حافظ ملت کے ہزاروں شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہند و بیرون ہند میں درس و تدریس تصنیف و تالیف افتا و قضاء ہدایت وارشاد خطابت و قیادت کے منصب پر فائز ہو کر ہر طرف علم و حکمت کی جو روشنی پھیلا رہے ہیں یہ حافظ ملت کے علمی و روحانی فیضان کا ناقابل تردید شاہکار ہے۔ فقیر نے ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی حافظ ملت کی خاموش علمی و روحانی اعلیٰ تربیت کے جابجا نمونے دیکھے ہیں۔

نیاز کیش سید مظہر ربانی غفرلہ باندا

خطیب اسلام مولانا اسلم بستوی مصباحی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور گونڈہ

گرامی قدر مولینا مبارک حسین مصباحی رام پوری زید مجدکم سلام و رحمت!

ادارۂ تحقیقات حافظ ملت کی جانب سے آپکا مرسلہ دعوت نامہ ابھی دس دن پہلے موصول ہوا تھا۔ اسکے بعد آج ہی آپکا ریمانڈر بھی پہنچا جیسے تیسے کرکے آپ کی فرمائش کی تکمیل چند اوراق میں قلم برداشتہ کر ڈالی۔ جو ارسال ہے۔ شامل سیمینار و سوینیر فرمائیں۔ مذکورہ ادارے کے نام ہی سے مسرت ہوئی۔ پھر آپ جیسے فعال نوجوان کی ادارے سے وابستگی خوش آئند ثابت ہوگی۔ ہماری تمام تر دعائیں (اگر مستجاب ہوں) اور نیک خواہشات آپ کے اور ادارے کے ساتھ ہیں۔ کم از کم آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے اس سلسلے کا جمود تو ٹوٹا۔ خدا آپ کو نیک مقاصد میں کامیاب بنائے آمین۔ اعزہ ملت کی بارگاہ میں سلام پیش کر دیں۔

اسلم بستوی غفرلہ

جس نے پیدا کئے کتنے لعل و گہر
حافظِ دین و ملت پہ لاکھوں سلام

افکار و خدمات

حیات حافظ ملت کا درخشاں باب

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ

لیس علی اللہ بمستنکر
اللہ عزوجل کیلئے کچھ بڑی بات نہیں
ان یجمع العالم فی واحد
کہ پورا عالم ایک شخص میں جمع فرمادے

استاذ العلماء جلالۃ العلم حافظ ملت قدس سرہ العزیز ماضی قریب کے ان علماء امت میں تھے جو حقیقی معنی میں نائب رسول بقیۃ السلف حجۃ الخلف تھے۔ گوناگوں بے پناہ فضائل و کمال کے جامع کامل تھے۔ ایسی ہستیاں امت کے افراد میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ علم و حکمت کے بحر بے کراں، عمل و کردار کے سیل رواں، زہد و اتقاء کے پیکر جمیل، خوش اخلاقی کی مجسم تصویر، سب کے دکھ درد میں کام آنے والے، سب کا غم بٹانے والے، اور بے کس و بیکس کے مرتع جمیل، سادگی فروتنی عادت ثانیہ، اس کے باوجود خودداری اور وضع داری سے مزین، ایک انسان کامل جن جن اوصاف اور خوبیوں کا حامل ہو سکتا ہے ان سب کے عطر مجموعہ، دور اندیش، صائب الرائے، باغیرت، ملت کے درد سے دردمند، دین کے فروغ کے لئے بیتاب، دوستی دشمنی، جینا مرنا، سب کچھ دین کے لئے، اپنے اوقات کے پابند، کسی حال میں اپنے وقت کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دینا، خود فرمایا کرتے ــــــ زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام ــــــ اعداء اور حاسدین شرپسند عناصر کے سخت سے سخت زہر میں بجھے ہوئے جملے سنکر بھی خاموش اور صرف اس پر اکتفا کرنا ــــــ کہ ان سب کا جواب کام ہے۔

ایسے جامع صفات دینی رہنما کے بارے میں اگر کما حقہ لکھا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی۔ یہی وجہ ہے ماہنامہ اشرفیہ کے ۳۰ × ۲۰ سائز کے ۵۸۶ صفحات پر حاوی حافظ ملت نمبر کے باوجود آج تک مسلسل حافظ ملت کے بارے میں لکھا جارہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن مجھے اس کی امید نہیں کہ کما حقہ حافظ ملت کا تعارف ہو سکے گا۔ امسال عزیزی مولانا مبارک حسین سلمہ اور عزیزی مولانا زاہد سلامی سلمہ، حافظ ملت کے عرس مبارک کے موقعہ پر ایک سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ حالانکہ مجھ پر از خود لازم تھا کہ خود ہی کچھ لکھتا۔ لیکن جو لوگ میرے حالات جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ میں اب عمر کی اس منزل میں ہوں کہ دارالافتاء اور شرح بخاری کے کام ہی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ پھر فتاوی لکھوانے کی عادت کیوجہ سے کوئی ایسا مضمون لکھنا بہت مشکل ہو گیا ہے جسمیں آجکل کے طرز کے مطابق کوئی بات کہی جائے۔ دارالافتاء کا رنگ الگ ہے اور مضمون نویسی کا الگ۔ لیکن ان اعزہ کے اصرار کیوجہ سے چند سطور قلمبند کرا رہا ہوں۔

حافظ ملت قدس سرہ العزیز ایک تاریخی ہی نہیں تاریخ ساز انقلاب آفریں شخصیت کے مالک تھے۔ جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دنیائے سنیت میں نئی روح پھونک کر انقلاب عظیم برپا فرما دیا ہے۔ اور اہلسنت کے مردہ جسم میں نئی جان ڈالدی ہے۔

اس کی مختصر تشریح یہ ہے ــــ انگریزوں کی شہ اور ان کے تعاون سے ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد پڑی۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے منصفانہ جائزہ کا مطالعہ کیجیے۔

وہابیت کے ساسٹر بائیوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ کسی نئی تحریک کو پروان چڑھانے کیلئے تحریک چلانے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب لوگ نہ پڑھے ہوئے ہیں کہ کتابیں پڑھ کر کسی کسی چیز کو سمجھیں اور نہ پڑھا لکھا آدمی ہر قسم کی کتابیں پڑھتا ہے جلسوں سے صرف جلسے کے سامعین متاثر ہوسکتے ہیں — مشائخ صرف اپنے نیازمند مریدین میں تبلیغ وارشاد کے عادی ہوچکے ہیں۔ لیکن اگر کسی تحریک کیلئے کچھ افراد ہوں تو وہ افراد تحریک کو گھر گھر پہنچا سکتے ہیں۔ اس نکتے کو وہابیوں نے خوب اچھی طرح سمجھا۔ انھوں نے تصنیف وتالیف اور جلسہ وجلوس پر توجہ کم دی اور اپنی ساری صلاحیت مدارس قائم کرنے پر صرف کردی۔ جسکے نتیجے میں وہابیوں کے مدارس کا جال بچھ گیا۔ عوام بیچارے جو وہابیت سے واقف نہیں تھے اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے وہابیوں کے مدارس میں بھیجنے لگے جس کے نتیجے میں سنیوں کے بچے وہابی مدارس میں جاکر وہابی ہوگئے۔ اور انھوں نے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے خاندان اور دوسرے رشتہ داروں اور اپنی آبادی کے لوگوں کو وہابی بنادیا جس کی نظیر ایک دو نہیں سیکڑوں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں چند اشارات سنتے چلئے۔

ایک وقت وہ تھا کہ جب کسی کو تعلیم کا شوق ہوتا تو وہ تن بتقدیر دہلی چلا جاتا۔ ابتداءً کسی سرائے میں ٹھہرتا پھر دہلی کے مشہور علماء کے گھروں پہ جاتا۔ ان کے درس میں شریک ہوتا۔ ہفتہ دو ہفتہ کے بعد وہ ایک یا چند علماء کو منتخب کرلیتا اگر ان عالم صاحب کی نگاہ عنایت ہوگئی تو کہیں اس غریب کا کھانا مقرر ہوگیا۔ اس میں مزید دشواری یہ تھی کہ صرف ونحو کا مدرس کہیں اور ہوتا، منطق وفلسفہ کا کسی اور محلہ میں فقہ کا کہیں اور، تفسیر وحدیث کا کہیں اور۔ اس کے برخلاف جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو وہاں ایک ہی جگہ ہر فن کے مدرس مل جاتے اور آسانی سے قیام وطعام کا انتظام ہوجاتا جس کے نتیجے میں طلبہ کا عام رجحان دارالعلوم دیوبند کی طرف ہوگیا۔ اس کے برخلاف جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا دہلی اجڑ چکی تھی۔ خال خال کہیں کہیں نوابوں کے کچھ مدرسے تھے۔ مگر منتظمین کی بدولت وہ بھی چراغ سحری ہو رہے تھے — بات بہت لمبی ہوجانے گی اسکو یہیں ختم کرکے میں اس دور کی بات کروں جس دور میں حافظ ملت مبارکپور تشریف لائے تھے۔ حافظ ملت ۱۳۵۲ھ کے ذوقعدہ میں مبارکپور تشریف لائے ہیں۔ اس وقت پورے ضلع اعظم گڈھ میں اہلسنت کا کوئی مدرسہ نہیں تھا — مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور میں تھا۔ مگر اس کی حیثیت ایک معمولی مکتب کی تھی۔ اس کے برخلاف وہابیوں کے اس ضلع میں آٹھ دس ایسے مدرسے تھے جن کی حیثیت دارالعلوم کی تھی۔ کئی میں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی تھی اور شرح جامی تک تو ہر مدرسے میں۔ ضلع سے ہٹ کر صوبے میں نظر ڈالئے تو بھی بہت دل شکن حالات تھے۔ بریلی شریف میں منظر اسلام اور مرادآباد میں جامعہ نعیمہ کانپور میں احسن المدارس قدیم اور جدید مدرسہ حنفیہ امروہہ یہ پانچ مدرسے تھے۔ مدرسہ حنفیہ جونپور آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ مدرسہ عالیہ رام پور ایک رسمی درسگاہ رہ گئی تھی۔ لے دے کر منظر اسلام بریلی شریف اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد اہلسنت کے طلبہ کے لئے ملجا وماوی تھے۔ ان دونوں مدارس کا نظام یہ تھا کہ طلبہ مسجدوں میں رہتے اور مدرسہ کے وقت میں آکر پڑھتے اب اگر کوئی طالب علم مسجد نہ پاسکا تو وہ محروم رہ جاتا — اب آپ اس ماحول میں سوچئے کہ کسی کو علم دین کا شوق ہوا لیکن اسے بریلی شریف اور مرادآباد جانے کی وسعت نہیں تو وہ علم سے محروم رہ جاتا یا اگر کوئی وہاں پہنچا اور اسے مسجد نہیں ملی تو وہ کہیں کا بھی نہیں ہوتا۔ اسی میں کتنے سادہ لوح سنیوں کے بچے وہابیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔

اس نظام میں ایک خرابی یہ بھی تھی کہ معززین اور شرفاء کے بچے ان مدارس میں نہیں جاسکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں کتنے ایسے افراد ہیں جو سنی خانوادے کے تھے مگر تعلیم انھوں نے وہابی مدارس میں حاصل کی۔

میں خود اپنی بات بتا رہا ہوں کہ اگر حافظ ملت مبارکپور نہ آئے ہوتے تو میں علم دین حاصل نہیں کر پاتا۔

اس اہم نکتے کو حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کما حقہ محسوس فرمایا کہ جب تک اہلسنت کے مدارس نہیں ہونگے اور ان مدارس میں طلبہ کے لئے باعزت اور سہولت کے ساتھ تعلیم کا انتظام نہیں ہوگا۔ وہابیت کی یلغار کو ہم روک نہیں سکتے۔ ایک اپنی نجی مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے وہابیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بہت اہم اور مفید دلائل و براہین سے مضبوط کتابیں تصنیف کیں اور وہابیوں نے کثرت سے مولوی پیدا کئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے میگزین تیار کی سپاہی نہیں پیدا کئے اور وہابیوں نے زیادہ سے زیادہ سپاہی پیدا کئے"

یعنی اہلسنت کے پاس عمدہ عمدہ ہتھیار تھے مگر ان کو استعمال کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق سپاہی یعنی علماء نہیں تھے اور وہابیوں کے پاس سپاہیوں کی وافر مقدار تھی ——

حافظ ملت جب مبارکپور تشریف لائے تھے۔ اس وقت کا حال آپ سن چکے۔ اور جب وصال فرمایا اس وقت کی پوزیشن یہ تھی کہ خود ضلع اعظم گڑھ میں اہل سنت کے سات دارالعلوم قائم ہو چکے تھے۔ اور صوبہ کا عالم یہ تھا کہ اگر سروے کیا جائے تو کم از کم پچیس دارالعلوم موجود تھے۔ جن میں بہت سے اعلیٰ اور معیاری تھے۔ آپ خیال کیجئے خود ضلع بستی میں تین تین عظیم الشان دارالعلوم موجود ہیں۔ بصدق و انصاف اگر ان اداروں کی تاسیس پر نظر کیجائے تو سوائے دو چار کے سب کے سب حافظ ملت کے رہین منت ہیں۔

ایک مزاج یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی بڑا دارالعلوم چلاتا ہے تو وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ قریب پاس میں کوئی مدرسہ قائم ہو۔ مگر حافظ ملت کا ظرف اس سے بہت بالاتر تھا۔ اس لئے ہمیشہ ہر جگہ جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں کو مدرسہ قائم کرنے کی ترغیب دی انھیں اس پر آمادہ کیا اور بھرپور تعاون فرمایا بلکہ اگر کوئی کہیں کا اپنے مدرسہ کے چندے کے لئے مبارکپور آ گیا تو خود حافظ ملت نے ان کو گھر گھر جاکر چندہ کرایا۔

اس دور میں مدارس کا قائم کرنا کتنا مشکل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک طویل مدت تک اشرفیہ مالی بحران کا شکار رہا۔ عموماً چار چار پانچ پانچ مہینے تک مدرسین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری خود حافظ ملت کو ہوتی تھی۔ حضرت بال بچوں کے ساتھ یہاں رہتے تھے۔ ساتھ میں حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حکیم عبدالغفور صاحب بھی بال بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اب آپ سوچئے کہ جب پانچ پانچ چھ چھ مہینے تک تنخواہیں نہیں ملتی تھیں تو کیا حال ہوتا ہوگا۔ یہ حافظ ملت کا استقلال، صبر و تحمل، رضا بالقضا اور توکل کی بہترین مثال ہے۔ اسی سب کا نتیجہ ہے کہ آج علم و فضل کا پورا شہر جامعہ اشرفیہ کی شکل میں موجود ہے۔

اس عہد میں مدرسہ کی آمدنی کا سب سے بڑا اور مضبوط ذریعہ چرم قربانی تھا۔ یا ماہانہ چندہ۔ حیلہ شرعیہ کرکے زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم مدرسہ میں صرف کرنے کو کوئی جانتا بھی نہ تھا —— اس زمانے میں زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم پیشہ ور بھیک منگے بیجا یا کرتے تھے۔ جو رمضان المبارک میں غول بیابانی کی طرح سے فوج در فوج مسلم آبادیوں میں پھیل جایا کرتے تھے۔ نیا نیا روپ، چونکا دینے والے عجیب عجیب نام، بھانت بھانت کی صدائیں۔ کوئی طوطا شاہ بنا ہوا ہے کوئی مینا شاہ، کوئی انوکھا شاہ ہے کوئی نرالا شاہ، کوئی ملنگ بابا ہے کوئی پلنگ وغیرہ وغیرہ —— اور زکوٰۃ دینے والوں کا یہ اعتقاد کہ اگر ان فقیروں کو نہ دیں گے تو زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوگی۔ یا یہ بابا لوگ ہمارے کاروبار کو تہس نہس کر دیں گے۔ عجیب حال تھا کہ لوگ بھیک منگوں کی گالیاں سنتے اور گالیوں کی مقدار سے زکوٰۃ دیتے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبارکپور آکر پہلے

اپنے علم وفضل، زہد و ورع، خوش اخلاقی، نیک کرداری سے اہل مبارک پور کے دلوں میں گھر کیا۔ کوئی ملنے کے لئے کسی وقت بھی آیا۔ خندہ پیشانی سے ملے۔ اس کی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کیا۔ اس نے اگر کوئی روداد غم سنائی تو بہت توجہ سے سنی۔ اسے تسلی وتشفی دی۔ دعائیں کیں۔ اگر اس نے تعویذ طلب کیا تو بلاچون وچرا تعویذ عطا فرمایا۔ کسی کو سنا کہ بیمار ہے تو بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ کسی پر کوئی افتاد پڑی تو تسلی وتشفی کے لئے اس کے گھر پہونچ گئے۔ نماز جنازہ میں بالالتزام شرکت فرماتے۔ دفن کے بعد تعزیت کرکے واپس ہوتے۔ امیر ہو یا غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ۔ سب کے ساتھ اسطرح پیش کرتے کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ مجھکو سب سے زیادہ مانتے ہیں۔ اگر کوئی کسی دعوت میں مدعو کرتا تو بلاتامل شریک ہوتے۔ اس زمانے میں یہاں رکشے رائج نہیں تھے۔ حافظ ملت پرانی بستی محمد انور صاحب بھٹے والے (موجودہ چیرمین مختار احمد صاحب کے والد صاحب) کے مکان میں رہتے تھے۔ جو پرانے مدرسے کافی فاصلے پر پورب ہے۔ وہاں سے پیدل تکھٹی نوادہ بلاتکلف جایا کرتے تھے۔ دن ہو یا رات، گرمی ہو یا برسات، چلچلاتی دھوپ ہو یا بارش ذرا بھی تامل نہ فرماتے کتنی بار بعد عشا نماز جنازہ پڑھانے کے لئے نوادہ اور تکھٹی تشریف لے گئے۔ جس کا فاصلہ قیام گاہ سے دو کلومیٹر سے کسی طرح کم نہیں۔ ان خدمات کا یہ اثر ہوا کہ مبارک پور کے ہر اہلسنت کے دل میں حافظ ملت کی محبت عظمت اور وقار بیٹھ گیا۔ اس کے نتیجے میں اہلسنت کا ہر ہر فرد حافظ ملت کا دیوانہ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی بار دارالعلوم اشرفیہ کی عمارت کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی تو باوجود افلاس وتنگ دستی کے لوگوں نے بہت انبساط وولولے کے ساتھ لبیک کیا۔ اور جب چندہ شروع ہوا تو مفلوک الحال تہی دست اہلسنت نے اپنی حیثیت سے کئی گنا زیادہ دیا۔ جس کے نتیجے میں

دوسری طرف مدرسے میں طلبہ کے قیام کا انتظام رکھا اور طعام کے لئے جاگیریں لگائیں۔ اہل مبارک پور نے جس محبت اور شفقت کے ساتھ طلبہ کو کھلایا، پلایا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ جس طالب علم کی جہاں جاگیر ہوئی وہ اس گھر کا ایک فرد ہو گیا۔ اور ایسا مضبوط رشتہ قائم ہو گیا کہ زندگی بھر نہیں ٹوٹا۔ اس کے نتیجے میں طلبہ کا رجحان عام اشرفیہ کی طرف بڑھا۔ اور ہر طبقے کے طلبہ اشرفیہ آگئے۔ دوسری طرف حافظ ملت نے بہت عرق ریزی کے ساتھ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی۔ ابتدا میں حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنہا تیرہ تیرہ کتابیں پڑھاتے تھے۔ جن میں تقریبًا کل متوسط یا منتہی کتابیں تھیں جس کے نتیجے میں اشرفیہ سے ذی استعداد اور سلیقہ شعار کام کے دھنی طلبہ فارغ ہونے لگے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ آج ملک اور بیرون ملک علماء اہلسنت کی صف اول میں ممتاز اشرفیہ کے فارغ علماء ہیں۔

قصبہ والوں کے علاوہ حافظ ملت نے قصبے کے اطراف وجوانب پر بھی توجہ دی۔ جہاں بھی ضرورت ہوئی تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں سے اور ربط پیدا کئے اور ان سب کے سامنے یہی تحریک رکھی کہ مدرسہ قائم کیجئے اس کا اثر یہ ہوا کہ چند دنوں میں جین پور میں انوار العلوم، خیرآباد میں ضیاء العلوم گھوسی میں شمس العلوم، مئو میں بحر العلوم، ادری میں ضیاء العلوم قائم ہو گئے۔ اور پھر جیسے جیسے حافظ ملت کے تعلقات، اثرات بڑھتے گئے مدارس قائم ہوتے گئے۔ جس کے نتیجے میں آج اہلسنت کی ہر بڑی بستی میں کوئی نہ کوئی مدرسہ ضرور ہے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں بھی بیشمار مکاتیب قائم ہیں۔ چونکہ دین وعلم کی بقا تعلیم دین سے وابستہ ہے اور اسی سے مسلمانوں کا دینی وملی تشخص بھی متعلق ہے اس لئے مدارس کیلئے حافظ ملت نے حیلہ شرعی کو رواج دیا کہ زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم حیلہ شرعیہ کرکے مدارس پر صرف کیجائے۔ ابتدا میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن حافظ ملت کی فہم وتفہیم اور ترغیب کی بدولت آج ہر صاحب نصاب اپنی زکوٰۃ اور فطرہ کا

بقیہ ص[illegible] پر

حافظِ ملت اور خدمتِ دین

عبد الغفار مصباحی اعظمی ضیاء العلوم۔ خیرآباد مئو

طالب علمی کا زمانہ ہے ـــــ ایام گذر رہے ہیں ـــــ زمانہ کروٹیں بدل رہا ہے ـــــ دادا مرحوم و مغفور کی زبان ہی سے نہیں بلکہ دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کہ۔ میرا بچہ عالم دین ہوگا۔۔ رفتہ رفتہ مستقبل سے حال کی طرف بڑھ رہے ہیں رات اور دن دونوں حسب معمول ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں۔ زمانہ گذر رہا ہے ـــــ اور کلمات جدِ امجد کے ظہور کی ساعتیں نزدیک سے نزدیک تر آتی جا رہی ہیں ـــــ دن گذرتے دیر نہیں لگتی ہفتے گذرتے رہے ـــــ مہینے بیتے رہے ـــــ سال پر سال تمام ہوتے رہے ـــــ اور وہ بچہ جواب جوان تھا جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے بعد جامعہ معینیہ اجمیر مقدس میں اپنے شفیق اور باپ سے زیادہ مہربان استاذ خاتم الفقہاء، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جوتیاں سیدھی کرتے ہوئے، علم دین حاصل کرتا رہا ـــــ ادب سیکھتا رہا ـــــ اور استاذ کی ایک ایک ادا کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بناتا رہا ـــــ آخر کار وہ دن آہی گیا جو کلمات جد امجد کی تکمیل کا دن تھا ـــــ یعنی سنہ ۱۳۵۱ھ میں ان کے اس بچے کے سر پر دستار فضیلت پیٹ دی گئی اور وہ بچہ عالم دین ہوگیا ـــــ جسے آگے چل کر قوم نے نہ صرف عالم دین بلکہ۔ استاذ العلماء، جلالۃ العلم اور حافظ ملت جیسے اعلیٰ خطابات سے نوازا۔

عالم دین سے خادم دین

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جب ہر طرح سے حافظِ ملت کو علم و عمل کی دولت لازوال سے آراستہ فرمالیا۔ تو ارشاد فرمایا:

"میں باہر رہا اور میرا ضلع (اعظم گڈھ) خراب ہو رہا ہے میں آپ کو خدمت دین کے لئے مبارکپور بھیج رہا ہوں۔۔

حافظ نے عرض کیا۔ "حضور میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔۔

حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا۔ "میں نے آپ سے ملازمت کیلئے کب کہا؟ میں نے تو خدمتِ دین کی بات کہی ہے۔۔

استاذ کا حکم تھا ـــــ ٹالا نہیں جا سکتا ـــــ حافظ ملت نے بسر و چشم قبول کر لیا ـــــ اور ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ میں خادم دین کی حیثیت سے سرزمین مبارکپور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔

غور و فکر

حافظ ملت کام سے پہلے اس کے ہر پہلو پر سوچنے کے عادی تھے ـــــ آپ نے سوچا۔ ـــــ اور بہت سوچا ـــــ استاذ نے مجھے خدمت دین کے لئے بھیجا ہے ـــــ استاذ نے خدمت کے لئے کوئی راہ عمل متعین نہیں کی ہے ـــــ کیا یہاں بھی میرا امتحان مقصود ہے؟ ـــــ یقیناً ـــــ امتحان ہی ہے اور سب سے بڑا امتحان۔

حضرت صدر الشریعہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جس کو میں نے نو سال تک خون جگر پلایا ہے ـــــ جس نے علم کے ہر میدان میں کامیابی حاصل کی ہے ـــــ جس کا امتحان امور عامہ کے محشی حضرت مولانا فضل حق رامپوری نے لیا تو یہ کہہ کر کتاب بند کر دی کہ:

"اب ہم ان کی کسی کتاب کا امتحان نہیں لیں گے۔ ان کی قابلیت درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی ہے۔۔

جس کا نمونہ ہے ۔

"میں نے حضرت صدر الشریعہ سے علم پڑھا تو عمل بھی پڑھا چلنا بھی پڑھا، دیکھنا بھی پڑھا، کھانا اور پہننا بھی پڑھا۔ غرضیکہ انکی ہر ادا کو پڑھا نہ صرف پڑھا بلکہ اپنایا"۔

اب عمل کی دنیا میں بھیج کر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنی محنتوں اور تلمیذ عزیز کی مخفی صلاحیتوں کا ثمرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اکھاڑہ میں تو بھیج دیا اور داؤ بتانے کی کوئی ضرورت بھی نہ سمجھی۔

لہذا حافظ ملت نے اپنی راہ پر خود غور کیا —— سوچا پھر ارشاد فرمایا:

"مسجد بنانا ثواب، سرائے بنانا ثواب، یتیم خانہ بنانا ثواب ہے، مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ علماء نہ پیدا ہوں گے تو ان کو کون آباد کرے گا۔ میں نے مدرسہ کو بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا"۔

خدمت دین اور مدرسہ

اگر حافظ ملت خدمتِ دین کو اپنی زندگی تک محدود رکھنا چاہتے اور اس فریضہ سے محض سبکدوش ہونا چاہتے تو وہ خدمت کی کوئی اور راہ بھی متعین کر سکتے تھے —— اللہ نے ان کو ہر کمال عطا فرمایا تھا —— وہ کیا نہیں تھے؟ سب کچھ تھے —— باکمال مقرر —— بے مثال مصنف۔ —— بے مثل مدرس —— بے نظیر مفتی —— مفکر —— مفسر —— فقہی بصیرت میں درجہ کمال تک رسائی۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں اور واقعات درج کرتا ہوں —— تاکہ —— دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے۔

باکمال مقرر

حافظ ملت کا قول ہے:

"تقریر سب سے آسان ہے۔ اس سے مشکل تدریس۔ اور سب سے مشکل تصنیف ہے"۔

ان کا یہ قول اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کو تقریر کے لئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی —— جہاں جاتے فی البدیہہ بولتے —— مجمع کی قلت و کثرت سے بالکل متاثر نہیں ہوتے —— جسم نحیف و لاغر —— مگر شیر جیسی گرجدار آواز —— تقریر فرماتے تو مجمع پر چھا جاتے —— سناٹے کا سماں ہوتا —— خود بولتے اور سب سنتے —— قرآن حکیم کے ارشاد "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" پر عامل تھے۔

ایک مرتبہ لکھنؤ میں شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا۔ جسمیں حافظ ملت نے بھی شرکت کی۔ اگرچہ علالت کی وجہ سے تقریر کرنے کے لائق نہ تھے۔ مگر حضرت شیر بیشۂ اہلسنت نے حافظ ملت کی تقریر کا اعلان فرما دیا۔ اور "تکفیر وہابیہ اور اعلیٰحضرت کے فضائل ومناقب" کا عنوان بھی دے ڈالا —— حافظ ملت نے اپنی تقریر کا آغاز ان لفظوں سے کیا۔

"اعلیٰحضرت ایک طبیب روحانی ہیں۔ جس طرح کسی جسمانی طبیب کے روبرو اگر کوئی دق کا مریض پہنچ جائے۔ اور وہ طبیب اس کے مرض کی تعیین کے بعد نسخہ بھی تجویز کر دے اور بتا دے کہ میاں تمہارا مرض بہت مہلک ہے۔ ابھی چونکہ ابتدائی منزل ہے اگر تم نے یہ نسخہ استعمال کر لیا تو مرض کے دور رس نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ گے ورنہ یہ مرض تمہاری زندگی کا دشمن ثابت ہوگا۔ مخلص طبیب کا مشورہ سن کر ہوشمند مریض نسخہ کا استعمال شروع کر دیگا۔ اور نہایت نادان ہے وہ شخص جو الٹا طبیب کا دشمن ہو جائے۔ بجنسہٖ یہی مثال اعلیٰحضرت کی ہے جنہوں نے روحانی مریضوں کو توبہ کا نسخہ بتا دیا۔ مگر نہایت نادان تھے وہ مریض جو اپنے سچے مخلص کے نسخہ پر عمل کرنے کے بجائے اس کے مخالف بن گئے"۔

تقریر کا یہ انداز ہر سنجیدہ ذہن نے قبول کیا اور حضرت کی دور اندیشی اور حکیمانہ ذہنیت کے قائل ہو گئے۔

(حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ ۱۹۷۸ء ص ۲۱)

بے مثال مدرس

آپ کی تدریس کا انداز بھی کچھ ایسا نرالا تھا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ——— اشرفیہ میں تشریف آوری کے بعد مبارکپور مرجع طلبہ بن گیا۔ دور دور سے شائقین علم کھنچ کھنچ کر یہاں آنے لگے۔

مدرسہ فیض عام مئو سے ایک مولوی صاحب جائزہ لینے کی نیت سے آئے۔ تین روز حضرت کے درس میں شرکت کی۔ تیسرے روز جاتے ہوئے طلبہ سے کہا: میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ طلبہ مبارکپور کیوں کھنچے چلے آرہے ہیں۔ یقیناً آنا ہی چاہیے۔ پیاس تو یہیں بجھتی ہے۔

معقولات و منقولات میں آپ کو نہ صرف دستگاہ کامل حاصل تھی بلکہ دقیق سے دقیق مسئلہ طلبہ کے ذہنوں میں اتار دیتے تھے۔ اسی لئے حضرت کے تلامذہ میں ان کی علمی جلالت آج بھی نظر آتی ہے ——— چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں علامہ قاضی شمس الدین صاحب جونپوری علیہ الرحمہ دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ امتحان میں ممتحن کی حیثیت سے تشریف لائے۔ انھوں نے قاضی مبارک کا امتحان لیا اور رزلٹ بک پر یہ تحریر لکھی کہ "ایسے طالب علم مجھے پچیس سال بعد ملے"۔ حضور حافظ ملت نے تحریر دیکھی تو قاضی صاحب سے فرمایا "حضرت میں نے پچیس ہی سال بعد قاضی پڑھائی بھی ہے۔"

(حافظ ملت نمبر ص ۳۰)

بے مثال مصنف

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کو قلم کی قوت بھی حاصل تھی ——— تصنیف کی زبردست صلاحیت کے مالک تھے ——— ارشاد القرآن، معارف حدیث اور العذاب الشدید وغیرہ اس کے بین ثبوت ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ حضرت نے اپنی تصنیفی یادگاریں کیوں نہیں چھوڑیں؟ تو اس کا جواب خود حضرت کی زبانی سنئے ——— فرماتے ہیں:

"بفضلہ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

کیا کہوں بہرحال مجھے لکھنے پر قدرت تھی جس کا نمونہ "العذاب الشدید" ہے۔ اسے "مقامع الحدید" کے جواب میں چند ایام کی مختصر مدت میں تیار کیا۔ مگر چونکہ عجلت میں لکھا تھا اسلئے خاطر خواہ نہ ہوئی۔

کتاب اپنے تلمیذ عزیز مولانا محبوب احمد صاحب کے نام سے منسوب کردی۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کتاب دیکھ کر فرمایا، کتاب بڑی معرکۃ الآرا اور جلیل القدر ہے حافظ صاحب کو اسے اپنے نام سے شائع کرنا چاہیے تھا"۔

ارشد (رئیس التحریر مولانا ارشد القادری صاحب) کا کہنا ہے "اس کتاب نے مجھے مناظرہ سکھایا"۔ قوت تصنیف کے باوجود ہمیشہ عوائق و موانع درپیش رہے اور مصروفیات نے گھیرے رکھا جس کے باعث میں کچھ نہ لکھ سکا"۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۴۶)

کیا یہ حضرت حافظ ملت کے بہترین قلمکار ہونے کا ثبوت نہیں ہے ——— ہے ——— اور ——— یقیناً ہے۔

بے نظیر مفتی

آپ بڑے ہی غور و فکر سے فتویٰ نویسی فرماتے۔ تدبر و سیاسی بصیرت سے کام لیتے ——— عقل پر جذبات کو غالب نہ ہونے دیتے ——— بلکہ جذبات ہمیشہ عقل کے تابع رہتے ——— یہی وجہ ہے آپ نے کبھی ٹھوکر نہیں کھائی، یہاں تک کہ مکر و فریب کے لبادہ میں آنے والوں کو بھی اپنی فراست ایمانی سے بے نقاب دیکھ لیا کرتے۔

ایک مرتبہ محمد آباد گوہنہ کے چند شرپسندوں نے استفتاء کیا کہ "رافضی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟"

حافظ ملت نے جواب دیا۔ "رافضی، وہابی، دیوبندی، اور قادیانی وغیرہ تمام بدمذہبوں کی نماز جنازہ پڑھنا حرام سخت حرام ہے۔" ایک شخص نے پوچھا، حضرت وہابی کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا اسے لکھنے کی کیا ضرورت تھی"۔ حضرت نے فرمایا: "اپنی تحریر سے بدمذہب کو کبھی فائدہ نہیں پہونچنے دونگا۔"

بعد میں معلوم ہوا کہ وہ استفتاء دیوبندیوں نے کیا تھا۔ اور اس سے ان کا مقصد سنی شیعہ فساد و اختلاف برپا کرنا تھا ——— مگر اس جواب نے انکی اسکیم پر پانی پھیر دیا ——— اور وہ خائب

وغا سر ہوئے ۔ (حافظ ملت نمبر ص۱۸۱)

حافظ ملت کی فقہی بصیرت

آپ کو فقہ میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی ـــــ کلیات و جزئیات پر عمیق نظر رکھتے ـــــ ایک بار حضرت نے دوران تدریس فرمایا :

" کچھ لوگ بنارس سے آئے ۔ انھوں نے کہا ۔
"امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل شہر سے فرمایا ۔ جب بین یدی الخطیب اذان ہو تو اس وقت نہ چلو بلکہ جب پہلی اذان ہو اسی وقت چلو ۔ اس میں بین یدی الخطیب کا لفظ ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں اذان ثانی خطیب کے قریب ہوا کرتی تھی "

میں نے کہا ! اس سے اذان ثانی کا بیرون مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ کیونکہ جیسے شہر کے لوگ اذان ثانی سن کر اپنے گھروں سے مسجد چلتے ۔ یہ لوگ اذان ثانی اسی وقت سن سکتے تھے جب بیرون مسجد ہوتی ہی ہو ۔ اندرون مسجد کی اذان بھلا اس وسیع شہر میں لوگوں کے گھروں کے اندر تک کب پہونچی کہ وہ سن کر آتے ۔ " (حافظ ملت نمبر ص۱۸۱)

کیا جواب حضرت کی فقہی بصیرت کا حال معلوم کرنے کیلئے کافی نہیں ہے ؟ ۔ یہی حال تقریباً آپ کی تمام صلاحیتوں کا تھا ۔

اگر حافظ ملت خدمتِ دین کو اپنی زندگی تک ہی محدود رکھنا چاہتے اور اس فریضے سے محض سبکدوش ہونا چاہتے تو وہ خدمتِ دین کی مختلف راہوں میں سے کسی ایک کو بھی متعین کر کے سبکدوشی حاصل کر لیتے ـــــ لیکن حافظ ملت نے ایسا نہیں کیا ـــــ انھیں اپنے استاذ حضرت صدر الشریعہ کے حکم (میں آپ کو خدمتِ دین کے لئے مبارک پور بھیج رہا ہوں) پر محض عمل نہیں بلکہ کامل و اکمل طور پر عمل کرنا تھا ـــــ اور اس امتحان میں کامیابی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کرنی تھی ۔

اس لئے حافظ ملت نے غور و خوض کیا ـــــ سوچا ـــــ اور پھر خدمت دین کی خاطر وہ راستہ اختیار کیا جسے دیکھ کر ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۔ حافظ ملت اس طور پر خدمت دین کے قائل تھے کہ جب تک زندہ رہو خود دین کی خدمت کرتے رہو اور دنیا سے جاؤ تو اپنے پیچھے دین کے خادموں کا ایک مسلح لشکر چھوڑ جاؤ ۔

ظاہر ہے اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شب و روز محنت و جانفشانی کی ضرورت تھی ـــــ محنت و مشقت حافظ ملت کا طرۂ امتیاز تھا ـــــ وہ خود کام کے عادی تھے ـــــ اور دوسروں کے لئے کام کے ہادی بھی ۔

کام کے سلسلے میں حضرت کے اقوال زریں یہ ہیں :

- ـــــ زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام ۔
- ـــــ کام کے آدمی بنو کام ہی انسان کو معزز بناتا ہے ۔
- ـــــ زندگی نام ہے کام کا ۔
- ـــــ کام زندگی اور بیکاری موت ہے ۔
- ـــــ میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے ۔
- ـــــ کام کرو ۔ نام کی پرواہ نہ کرو ۔ نام خود ہی ہو جائیگا ۔

حافظ ملت یقین رکھتے تھے ۔ "السعی منی والاتمام من اللہ" پر ـــــ شاید کسی کہنے والے نے ان ہی جیسے لوگوں کے لئے کہا تھا ۔

ع مرد آں باشد کہ ہراساں نہ شود

حافظ ملت دین متین کی سچی خدمت اور کامیاب تبلیغ کے لئے ہر محاذ اور ہر میدان میں مخلص خادموں کی فوج دیکھنا چاہتے تھے ـــــ ان کی خواہش تھی کہ تقریر و تحریر، تدریس و تصنیف، تبلیغ و ارشاد، امامت و خطابت ہر جہت سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام پائے ـــــ لہٰذا ہر محاذ پر انھیں تربیت یافتہ سپاہیوں کی ضرورت تھی ـــــ انھیں ضرورت تھی فصیح و بلیغ مقرر کی ، باصلاحیت مدرس کی ، بہترین مصنف کی ، بااخلاص مبلغ و مرشد کی ، مخلص امام و خطیب کی ، نکتہ داں مفتی کی اور دور اندیش مفکر و مدبر کی ـــــ چنانچہ دین و ملت کی یہ تمام ضرورتیں پوری کرنے کے لئے انھوں نے سرزمین مبارکپور میں

بقیہ صـ۱۰۶ پر

حافظِ ملت ـــ ایک آفاقی شخصیت

محمد علی فاروقی مصباحی سابق لکچرار آر ایس یونیورسٹی رائے پور

دنیائے انسانیت کو جن عظیم وجلیل شخصیتوں پر ناز رہے گا، جن کے طلعت جمال سے کاروانِ فکروفن کی راہوں میں اجالا بکھرتا رہے گا۔ دنیائے تحریک کے بڑے بڑے کشورکشا جن کی بارگاہ میں دن کے اجالے میں بھی عقیدت ومحبت کے موتی نچھاور کرنے میں فخر محسوس کریں گے انھیں جلالۃ العلم، استاذ العلماء، سند الفضلاء، رئیس الخطباء، مرشد اعلیٰ، شیخ طریقت، بدر شریعت، سیدی، مرشدی، آقائی، حضور حافظ ملت شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی آسمان کی بلندیوں پر جگمگاتا رہے گا اور اس کی کرنیں دھرتی کی وسعتوں پر ہمیشہ انقلاب انگیز تاریخ کو جنم دیتی رہینگی۔

مؤید ملت طاہرہ، مجدد ملت ماضیہ، العلماء ورثۃ الانبیاء کا آئینہ دار ملت عشق ووفا کا تاجدار، رہروانِ فکروفن کا قافلہ سالار سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم وفن کے جن نقوش کو کتابوں میں بکھیرا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے انھیں سینوں میں محفوظ کروا کر ایشیا، ویورپ کے دانشکدوں تک پہونچایا۔ امام احمد رضا نے اسلامی عشق وعقیدت کے جن موتیوں کو سطروں پر رودیا حافظ ملت نے انھیں قلوب میں بسایا۔ امام احمد رضا نے اسلامی فکر کو نقوش کا پیکر عطا فرمایا۔ حافظ ملت نے انھیں بولنے کی زبان دے کر برّ اعظم ایشیا ویورپ میں ان کا ایسا غلغلہ بلند کروایا کہ دہریت ولادینیت زدوں کو بھی اسلامی عظمت ووقار کا پاسبان بنایا۔

ہمالیہ کی برف پوش چٹانیں ہوں یا افریقہ کا گھنا جنگل ایشیاء کا سرسبز وشاداب نخلستان ہو یا یورپ کا دانشکدہ، امریکہ کی علمی وادبی لائبریری ہو یا چین وجاپان کا ٹیکنالوجی ماحول۔ ہر جگہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کے علوم ومعارف اور فکروفن کے امین حافظ ملت کے فیضانِ کرم کا آئینہ دار بنے نظر آئیں گے اور الجامعۃ الاشرفیہ کا دریائے فیض لہریں مارتا دکھائی دے گا۔

جن میں یونانی مکر وفریب کے جال کو توڑنے والے فکری صلاحیتوں کے تاجدار بھی ہیں اور مغربی دہریت سے مقابلہ کرنے والے جانباز بھی —— یہودیت ونصرانیت کے طوفانوں کا رخ موڑنے والے قافلہ سالار بھی ہیں سعودیت وقادیانیت کو للکارنے والی شخصیتیں بھی۔ شیعیت اور وہابیت سے بیزار کرنے والی ہستیاں بھی ہیں شریعت وطریقت کی نہروں کا سنگم بنانے والے مشائخ بھی۔ غوث وخواجہ کی تجلیات سے منور ہونے والے شیخ طریقت بھی ہیں اور فکر رازی وتصوف غزالی کے پیکر میں ڈھلے ہوئے بدر شریعت بھی۔ ڈارون اور نیوٹن کی تھیوریوں پر رقص کرنے والوں کو شعور بندگی دینے والے مست قلندر بھی ہیں اور رشدی جیسے ابن الوقتوں کو للکارنے والے مجاہدین بھی۔ جن کے مجاہدانہ کارناموں اور مدبرانہ فکروں سے ایک طرف دلوں کے آفاق بھی روشن ہیں اور شبستان عشق ومحبت بھی جگمگا رہے ہیں دوسری طرف کاروان مجاہدین کی راہوں پر بھی اجالا بکھیر رہا ہے اور خانقاہوں کے صوفیوں کے خلوت کدوں میں بھی کہکشاں کا جمال مسکرا رہا ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ایسے وقت شعور سنبھالا

جب کہ پوری ملت اسلامیہ ایسے دور سے گذر رہی تھی جس میں شاہانہ جلال رخصت ہو رہا تھا، تلوار و سناں کی جوہر داریاں زنگ آلود ہو رہی تھیں خطۂ ارضی کا جغرافیہ تبدیل کرنے والے گھوڑوں اور اونٹوں کو رخصتی سلامی دیا جا رہا تھا، شاہانہ کروفر اور جاگیر دارانہ رعب و داب جوانی کی دہلیز پار کر کے بوڑھاپے کی دنیا میں قدم رکھ چکا تھا۔

دوسری طرف ایسا وقت آنے والا تھا جس میں توپوں کی گھن گرج اور گھوڑوں کی ٹاپوں کے بجائے قلموں کی روشنائی سے ملکوں کا جغرافیہ تبدیل کیا جائے گا۔ شمشیر و سناں کی جوہر داریوں کی بجائے پریس اور مشین کی گڑگڑاہٹ سے دلوں میں انقلاب برپا کیا جائے گا۔ ڈاروِن اور نیوٹن کے تھیوریوں پر فکری محل تعمیر ہوں گے دہریت کی فسوں کاری سے انسانیت کی مانگیں سجائی جائیں گی۔ واشنگٹن اور برلن کی ٹیبلوں پر بیٹھ کر ملت اسلامیہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ماڈرن ہیلوم کی رصدگاہوں سے دھرتی پر بسنے والوں کا مزاج بنایا جائے گا۔

آپ نے جلد ہی محسوس فرمایا کہ آنے والا وقت انھیں کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرے گا۔ جن کا ایوانِ فکر و فن وقت کے جملہ علوم و فنون سے منور ہوگا، جو رات کے عابد شب زندہ دار اور میدانِ علم و عمل کے شہسوار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ڈاروِن، نیوٹن کے افکار و خیالات کو بھی چیلنج کر سکیں۔ جن کی فکر دنیا میں امام رازی کا جلال اور امام غزالی کا جمال کے ساتھ کیپٹلزم، سوشلزم، ڈارونزم جیسے تحریکوں کے علمبرداروں کے افکار و خیالات پر بھی حاوی ہو۔ جن کے قلوب غوث و خواجہ کے الطاف و عنایات کا خزینہ اور ذہن و فکر ان کی تجلیات سے معمور ہو کر ویڈیو، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ ذہن و فکر کو غلام بنانے والی سازشوں کو بے نقاب کرنے کا حوصلہ اور ملت اسلامیہ کو کفر و شرک کے دلدل سے بچانے کا عزم بھی رکھتے ہوں۔

حالات کے مدو جزر نے آپ کے حوصلوں کو توانائی بخشی، فیضان صدر الشریعہ نے علمی جلا عطا کی اور آپ نے ماحول پر نظر ڈالا، آفاق و انفس کا جائزہ لیا، مستقبل کے اٹھنے والے فتنوں پر نظر ڈالی اور ایک عظیم الشان، باوقار، رشک ثریا یونیورسٹی کا پلان مرتب کیا جس نے نہ صرف شمالی ہند کو بلکہ ہمالیہ کی برف پوش چٹانوں سے عہد و پیما باندھنے والوں کو بھی متوجہ کیا۔ افریقہ کے گھنے جنگلوں میں زندگی گذارنے والوں کو بھی دعوت فکر دی۔ ایشیا کے سرسبز و شاداب چمنستان میں گلگشت کرنے والوں کو بھی متوجہ کیا اور یورپ کے دانشکدوں میں بھی انقلاب برپا کیا۔ آج جس کی چمک سے جہاں اہل ایمان کے نشیمن منور و مجلا ہیں وہیں باطل پرستوں کی نگاہیں خیرہ ہیں۔ کل تک فکر امام احمد رضا کتابوں میں محفوظ تھا مگر آپ جیسوں کی انتھک کوششوں نے انھیں پیکر محسوس میں ڈھال کر دھرتی کے سینے میں اس طرح پھیلا دیا کہ آج ان کی رفتار قدم سے دھرتی کا کلیجہ کانپ رہا ہے اور انکی للکار سے ایوان باطل لرز رہا ہے۔

علم کی عظمت و برتری ہر دور میں محسوس کی گئی خالق کائنات نے حضرت آدم کو فرشتوں پر علم کی بنیاد ہی پر فضیلت کا تاج زریں عطا فرمایا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن عظیم میں لفظ علم اور اس کے مستقات تقریباً ۷۵۸ بار استعمال کئے گئے ہیں اسی طرح عقل ۵۰ بار فکر اور فقہ (سمجھ بوجھ) ۲۱ بار استعمال کر کے قرآن نے جو علمی ذوق و شوق پیدا کیا وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس نے سائنس دور کو جنم دیا تاریخ شاہد ہے کہ اسلام سے پہلے جو بھی علمی سرمایہ تھا وہ صرف نظری (THEORETICAL) تھا مگر اسلام نے عملی سائنس (PRACTICALSEIENCE) کی بنیاد ڈال کر اپنی عظمت و برتری کا ناقابل تردید ثبوت پیش کر کے دانشوران عالم کو ششدر کر دیا۔

مصر، سسلی، دمشق، قرطبہ، اور بغداد وغیرہ میں بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور عظیم الشان کتب خانے،

بے مثال لائبریریاں، تاریخ ساز رسدگاہیں اور لیباٹریز وغیرہ تاریخ کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں جہاں سے جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، محمد بن زکریا رازی، ابن سینا، ابوریحان بیرونی، ابوالقاسم زہراوی جیسے نامور مدبرین و مفکرین، موجدین اور سائنس داں پیدا ہوئے جن کی عظمتوں کے سامنے آج بھی اہل یورپ کی گردنیں خم ہیں اور جن کے نگارشات و تحقیقات سے آج بھی فکر و فن کی راہیں منور و معطر ہیں۔

مگر اس دور میں اسلامی سلطنتیں عروج پر تھیں بحر و بر کی وسعتوں پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور ذہن و فکر میں اسلامی رعب و دبدبہ چھایا ہوا تھا۔ یونیورسٹیوں اور لائبریریوں کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سیم و زر کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ لیکن حضور حافظ ملت نے ایسے وقت یہ قدم اٹھایا جب کہ شاہی تخت اجڑ چکا تھا، باطل پرستوں کے نظریات زبردستی مسلط کیے جا رہے تھے۔ اقتدار وقت اسلامی نظریات کو ہمیشہ کے لیے شہر خموشاں میں سلا دینے کا لائحہ عمل بنا چکا تھا۔ مگر وقت کا مرد مجاہد مادی ساز و سامان سے دور خدائی تائید و نصرت کے سہارے "باغ فردوس" کی نگہبانی کرتا رہا اور عربی یونیورسٹی کا جذبہ سینے سے لگائے اپنی منزل کی طرف شب و روز بڑھتا رہا بالآخر دنیا نے وہ دن بھی دیکھا جب کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا عظیم الشان سنگ بنیاد رکھا گیا۔

سنہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے جب کہ جد گرامی محسن ملت حضرت علامہ الحاج شاہ محمد حامد علی صاحب فاروقی علیہ الرحمہ حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ حسن اتفاق حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی اسی جہاز میں سوار تھے۔ اسی موقع پر حافظ ملت نے آپ کو اور آپ نے حضور حافظ ملت کو بہت قریب سے دیکھا۔ حج و زیارت سے واپسی پر ایک دن اچانک حضور حافظ ملت کے تذکرہ جمیل سے محفل معطر ہو گئی آپ نے فرمایا کاش حافظ ملت جیسی شخصیت پہلے مل جاتی تو آج دیوبند ہم سے بہت پیچھے ہوتا۔

یقیناً حافظ ملت نے یونیورسٹی کا ذہن دے کر پژمردہ قلوب میں نئی زندگی پیدا کی سنہ ۱۹۷۲ء میں جب آپ رائے پور عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس موقع پر تشریف لائے تھے تو آپ کو دیکھنے کے لیے ایک جم غفیر امنڈ پڑا تھا جس میں مسجد و مدرسہ کے بوریہ نشین ہی نہیں بلکہ کالج اور یونیورسٹی کے دانشوروں کا بھی ایک جھنڈ تھا۔ پہلی تقریر راقم الحروف کی ہوئی۔ "مذہب کی ضرورت" کے عنوان سے میں نے آدھ گھنٹہ تقریر کی اور پھر میرے بعد آپ کرسی خطابت پر رونق افروز ہوئے۔ سامنے حد نگاہ تک آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ حضور حافظ ملت کے یونیورسٹی کے پروگرام کا ہر جگہ شہرہ تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ بھی آپ کے خیالات سننے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے آزاد و دہریت زدہ فضاؤں میں پروان چڑھے تھے۔

آپ نے ایک نئے انداز سے قوم کو خطاب فرمایا جس میں اسلام کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ کفر و شرک اور دہریت کے نقصانات اور ان کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے عربی یونیورسٹی کا پلان رکھا۔

آپ کی اس بصیرت افروز تقریر کو سن کر جہاں عاشقان مصطفیٰ کے چہرے کھلے ہوئے گلاب کی طرح مسکرانے لگے وہیں ان کے قلوب بھی جگمگا اٹھے جو دین سے دور اور دہریت کی مسموم فضا میں زندگی گذارنے کے عادی ہو چکے تھے۔ تقریر کے بعد مدھیہ پردیش کے عظیم الشان درسگاہ مدرسہ اصلاح المسلمین میں ان لوگوں نے خصوصی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور دوسرے دن گفتگو کیلئے وقت مانگا۔

دوسرے روز وقت مقررہ پر کالج کے پندرہ بیس طلبا اور کچھ وکلا آئے۔ اسلام کے نظام حیات پر تقریباً دو گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ آپ نے اسلامی عظمت اور اس کے نظام زندگی پر اس حسن و خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی کہ دلوں کے بند دروازے کھلنے لگے، عشق رسول کی باد بہاری

بقیہ صہ ۹۳ پر

حافظ ملت اور دار العلوم اشرفیہ و الجامعۃ الاشرفیہ

اسلم بستوی مصباحی شیخ الحدیث انوار القرآن بلرام پور

استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ الحاج الشاہ عبد العزیز صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ والرضوان کی عبقری شخصیت آج ایک مصلح اور معمار قوم کی حیثیت سے بھی متعارف ہے، ان کی پاکیزہ حیات سے اگرچہ بے شمار کارنامے متعلق ہیں، لیکن الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) مبارکپور ان کا ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کو ہندوستانی مسلمان رہتی دنیا تک فراموش نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ آج کا ہندوستانی مسلمان جس بحرانی مسائل سے دوچار ہے ان میں تعلیمی و اقتصادی مسئلوں کی نمایاں حیثیت ہے۔

آج مسلمانوں کی نئی نسل یا تو تعلیم سے یکسر کنارہ کش ہوتی جارہی ہے یا تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بے کاری و بے روزگاری کے دلدل میں پھنستی جارہی ہے جس کی وجہ سے اس کا مستقبل انتہائی تاریک ہوتا جارہا ہے، اور مستقبل کی طرف سے مایوسی ہی شاید ہماری نئی نسل کو ذہنی اعتبار سے یاس و قنوطیت کی طرف چلنے پر مجبور کر رہی ہے جو وقت کا ایک زبردست المیہ ہے۔

ایسے حوصلہ شکن اور مایوس کن ماحول کے سیاہ اُفق پر حضور حافظ ملت کی تحریک حوصلہ افزا اُجالے کا ایک حسین پیکر بن کر ابھرتی ہے، انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی (جو ایک تحریک ہے) قائم کر کے نئی نسل کے تابناک مستقبل کی بنا رکھی ہے۔ اس لئے کہ اس یونیورسٹی کا فارغ التحصیل اب بے کار و بے روزگار نہیں رہے گا بلکہ علوم اسلامیہ، فنون جدیدہ اور کلاسیکی زبانوں سے بہرہ مند ہو کر دین اور دنیا ـــــ دونوں ہی دروازوں پر بیک وقت اعزازی جگہ پا سکے گا۔ اور اس کا طبعی رجحان اس بارے میں قطعاً آزاد ہوگا کہ وہ اپنے عمل کا میدان دین کو بناتا ہے یا دنیا کو۔ یا دین، دنیا دونوں کو ایک ساتھ۔

اگر خالص دینی رجحان کے زیر اثر اس کا مطمح نظر دین ہی ہے تو دنیا کی پوری انسانی آبادی اس کا دائرہ عمل بن سکتی ہے اور اگر صرف دنیا کو میدان عمل بنانا چاہتا ہے تو بھی وہ محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کی بیشتر آبادی بالخصوص اسلامی بلاک اسکو خوش آمدید کہنے کے لئے ہمیشہ تیار ملیں گے۔ اور اگر دنیا و دین دونوں کو چاہتا ہے تو پورا کرۂ ارض اس کے دائرہ عمل میں سمٹ سکتا ہے۔

اس طرح حضور حافظ ملت نے اپنی تحریک (عربی یونیورسٹی) کے ذریعہ دینی تعلیم کو دنیاوی تعلیم سے مربوط کر کے اور ان تعلیمات کو اقتصادیات سے ہم آہنگ کر کے یہ ثابت کر دینے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے کہ اسلام ایک مذہب ہی نہیں بلکہ بلاشبہہ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات بھی ہے۔

موصوف کی تحریک کے اس اجمالی خاکے سے کیا یہ بات کھل کر سامنے نہیں آجاتی کہ وہ بے نفس بوڑھا مجاہد قوم و ملت کا سچا درد مند ہی نہیں بلکہ چارہ ساز بھی تھا، وہ ایک فردی حیثیت سے تنہا زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا بلکہ پوری قوم و ملت کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے یقیناً وہ اپنی اس تحریک کے ذریعہ زندگی طلب کرنے والی قوم میں ہمیشہ زندہ رہے گا اگرچہ وہ آج ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔

مدرسہ سے جامعہ تک تعمیری خدمات

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم سے آپ ۲۹ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ مطابق

۱۷ جنوری ۱۹۴۲ء کو مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں صدر مدرس ہو کر تشریف لائے۔ لیکن مبارک پور، تب کا اسم بامسمیٰ مبارک پور نہ تھا بلکہ اس وقت وہاں کا مزاج اور ماحول ہی کچھ اور تھا اس پر طرہ یہ کہ دشمنانِ دین آپ کے دینی کاموں میں مسلسل روڑے بھی اٹکاتے رہے۔ یہ اور بات ہے کہ دشمنانِ دین کے سارے منصوبے آپ کے مثبت تعمیری جذبے کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

آپ کے قدم میمنت لزوم کی برکت سے اس قصبے کا کا نام (مبارکپور) اب اپنی عملی تاثیر کا آغاز کر رہا تھا (الاسماء تنزل من السماء) اور اس کو وہ سنگلاخ سرزمین جو وقت دور کی گھنگھور گھٹا علم وعرفان کی موسلا دھار بارش کرنے کے لئے بیتاب تھی جو قال اللہ وقال الرسول کے ترشح قطرات سے اپنی تشنہ بانہ وری تھی کہ اس بادل کی گھن گرج سے پورا ملک گونج اٹھا جس کو سن کر تشنگانِ علوم وطالبانِ شوق ملک کے دور دراز مختلف صوبہ جات سے سمٹ کر قافلہ در قافلہ مبارکپور آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ کی فیر آباد اور قدیم عمارت شمع علم کے پروانوں سے بھر گئی ____ حتیٰ کہ طالبانِ علوم نبوت کی بہ کثرت (ان کی رہائش اور خورد و نوش کے سلسلے میں) اہالیان مبارکپور اور خود حضور حافظ ملت کے لئے ایک مسئلہ بن گئی۔ دراں حالیکہ ابھی یہاں کے باشندگان میں مہمان رسول کی ضیافت کا جذبہ اور دین کا تعمیری شعور کما حقہ بیدار بھی نہیں ہوا تھا لیکن ذہن و مزاج کا ڈھالنے والا کارفرما جب مبارکپور ہی میں موجود تھا تو پریشانی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا ___ حضور حافظ ملت نے تاثنا مبارکپوری مسلمانوں کے دل و دماغ میں دینی تعمیری شعور کو اس طرح بیدار کر دیا جو بلاشبہ کسی عظیم ملی تعمیری کام کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ یعنی فی الفور مہمانانِ رسول کی خاطر مدارات کا انتظام اور دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی پرشکوہ عمارت کی تاسیس اور اس کی تعمیر کا کام حضور حافظ ملت کی ایک آواز پر اس برق رفتاری اور جذبے کے ساتھ مبارکپوری مسلمانوں نے انجام دیا جس کا صحیح تعبیر و ترجمانی اسی موقع پر کہے گئے مقامی شعراء کے شعر جدید جذباتی شعر سے ہی ہو سکتی ہے ۔۔۔

ہم اپنا حال وطن خدمت کر کے چھوڑیں گے
تمام اغیار کو تو تماشا کر کے چھوڑیں گے
جہاں میں حسن عالمگیر پیدا کر کے چھوڑیں گے
تہیہ ہم نے کیا ہے کہ اسے شیدا کر کے چھوڑیں گے
ہم اپنے مدرسہ کو رشک عقبیٰ کر کے چھوڑیں گے

اب رفعت باب گردوں کو نظروں میں نہ لایا جائے گا
ایوان جہاں کے پہلو میں اک قصر بنایا جائے گا
فیضان کرم کی بارش میں ذروں کو نہلایا جائے گا
سدرہ سے بلندی رفعت کو جہاں میں لایا جائے گا
طیبہ کے چمکتے گنبد پر ایمان لٹایا جائے گا

دار العلوم اشرفیہ کی جدید تعمیر کا کام مکمل کرنے کے بعد حضور حافظ ملت نے اس دینی درسگاہ دانش گاہ کے تقاضے کو یوں پورا فرمایا کہ یہاں سے وقت کے جلیل القدر علماء، فضلاء، محققین، مفسرین، محدثین، مفکرین، مدبرین اور باشعور فوج در فوج نکل کر پورے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے آفاق پر چھا گئے بقول استاذ محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی:

حضور حافظ ملت کے فیضان و اخلاص کی برکتوں سے دار العلوم اشرفیہ کا آفتاب ابھرا تو ابھرتا ہی گیا اس کا فیضان علم آسمان کے بادل کی طرح برسا تو سیل علم بکھر کر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند کو بھی سیراب کر گیا اور چمنستان علم میں وہ پھول کھلائے کہ جن کی خوشبو سے آج انگلستان تک کی خشک فضا بھی باغ و بہار بن گئی یعنی فرزندانِ اشرفیہ انگلستان اور دیگر دوسرے اطراف و جوانب میں اپنی تبلیغ وقیادت سے دین حنیف کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضور حافظ ملت کی لا محدود نگاہ جنھوں نے دین کی صحیح قدروں کو

اُجاگر کرنے کے لئے ایشیا، یورپ، افریقہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ تو پوری دنیا کو دیکھ رہی تھیں ؎

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت آگے حد پرواز سے

دار العلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کی شکل میں تبدیل کرنے کا ایک ہمہ گیر تصور حضور حافظ ملت کے دل و دماغ میں بہت پہلے سے رچا بسا تھا، وہ مذہبی قائد تھے انکا اُٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، سوچنا اور کرنا سب کچھ مذہب ہی کے لئے تھا اس لئے انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ (اسکے وسیع تر مفہوم کے ساتھ) کے ذریعہ ایک ایسا عالمگیر مذہبی انقلاب برپا کرنے کا تصور سامنے رکھا کہ جو دینی تعلیم کو آج کی دنیاوی ضروریات سے بھی ہم آہنگ کر دے تاکہ ہندوستان کی آنے والی نسل دینی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی اقتصادی ضروریات بھی پوری کر سکے۔ یعنی حافظ ملت ہندوستانی مسلم نوجوانوں کو ایک طرف تو عالم دین اور مکمل مسلمان بنانا چاہتے تھے تو دوسری طرف آزاد ہندوستان کی تمناؤں کو پورا کرنے والا ایک اچھا طبیب، ایک اچھا صنعت کار و دستکار اور ایک اچھا شہری بنانا چاہتے تھے یقیناً یہ ان کے ذہن میں ایک نئی اور اچھی اسکیم تھی جسے بروئے کار لانے کے لئے تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن ایک اچھے موجد اور معالج کی طرح اس کے مثبت و منفی اثرات کو پہلے جاننا ضروری سمجھا اس لئے انھوں نے اس نئے نظریئے کا تجربہ اپنے صاحبزادے عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ (موجودہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ) پر اس طرح کیا کہ انھیں عالم دین بنانے کے ساتھ ساتھ گریجویشن کی ڈگری بھی دلائی اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں داخل کر کے انجینئرنگ کا پانچ سالہ کورس بھی مکمل کرایا۔ اس کے بعد دیکھا کہ حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب ایک طرف تو ایک اچھے انجینئر اور سائنس کے گریجویٹ ہیں تو دوسری طرف فاضل درس نظامیہ ہو کر ایک متبحر عالم اور ان کے صحیح جانشین ثابت ہو رہے ہیں

اس تجربہ کے کامیاب ہونے کے بعد ہی انھوں نے دار العلوم کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) بنائے جانے کا نعرہ دیا جس کے لئے ایک کل ہند تعلیمی کانفرنس ۵؍ ۶؍ مئی ۱۹۷۲ء کو سرزمین مبارکپور پر منعقد کی اس کانفرنس کے وسیع و عریض اسٹیج پر پورے ملک کا صالح دل و دماغ اکٹھا ہو گیا اور آسمانی خیمے کے نیچے تقریباً دو لاکھ مسلمان ملک کے گوشے گوشے سے آکر ایک عظیم منصوبہ بند اعلان سننے کیلئے جمع ہو گئے۔ حضور حافظ ملت نے اس مجمع عام میں الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی کی ضرورت اور اس کے مفہوم کو واضح کیا تو فضائے بسیط تکبیر و رسالت کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ اور ۶؍ مئی ۱۹۷۲ء کو ملک کے مشاہیر علماء و مشائخ اور قائدین کی موجودگی میں قطب عالم شیخ المشائخ، شہزادۂ اعلیٰحضرت حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خانصاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس ہاتھوں سے اس مجوزہ عربی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور یہ سنگ بنیاد رکھا تو جا رہا تھا قصبہ مبارکپور کی مختصر زمین پر لیکن پڑ رہا تھا ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں کی زمین پر۔ یہی وجہ تھی کہ یونیورسٹی کی تعمیر کے لئے ملک کے ہر گوشے سے مسلمانوں نے لاکھوں روپئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قدموں پر نچھاور کرنا باعث فخر و سعادت سمجھا۔ اس خصوص میں ایک بار پھر مبارکپوری مسلمانوں کا ذکر نہ کرنا نا انصافی ہو گی اسلئے کہ حضور حافظ ملت کی اس تحریک پر جہاں ہندوستان بھر کے خوش عقیدہ مسلمانوں نے لبیک کہا اور یونیورسٹی کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیا وہاں مبارکپور کے مسلمانوں کا پیچھے رہنے کا تو سوال ہی نہیں تھا بلکہ آگے رہنے کی مثال قائم کر دی جس آواز کی بازگشت ملک بھر میں سنی گئی اس کی تاثیر خود مبارکپور کے لئے کیا ہو سکتی تھی۔ ؟ اس کا صحیح اندازہ کچھ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ آواز دینے والی ذات خود مبارکپور میں موجود تھی جس نے وہاں کے مسلمانوں کے مزاج کو سلف صالحین کے کردار میں ڈھال رکھا تھا اور اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں کہ جب حضور حافظ ملت نے مبارکپوریوں کو الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کیلئے

پکار کر فرمایا۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً تو وہ اس شمع علم و عرفان پر پروانہ وار قربان ہوگئے مانگنے سے زیادہ دیا بلکہ عینی مشاہدین کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے پیروی سنت فاروقی کی روشن مثال قائم کردی تو کچھ دیوانے ایسے بھی نکل آئے جنھوں نے اسوۂ صدیقی کا نمونہ بن کر گھر کا پورا اثاثہ حضور حافظ ملت کے قدموں پر قربان کرنے کی پیشکش کر ڈالی۔ اس لئے مبارکپوری مسلمانوں کی مثال آج ہندوستان تو کیا پوری دنیا میں شاید ہی مل سکے۔ بلاشبہ یہ فیضان تھا اس مجاہد کا کہ جس کی ردائے ہمہ گیری میں تقریباً پورا ملک سمٹ آیا تھا۔ جس سے متاثر ہوکر ملک کا ایک عظیم شاعر ڈاکٹر اختر بستوی (ریڈر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی) اپنی بے نیازانہ طبیعت کے باوجود پکار اٹھا ؎

ویسے تو نہیں کوئی بشر نطق سے محروم
پائی ہے مگر حافظ ملت نے زباں اور
ہم ہوگئے بیدار پکارا جو انھوں نے!
یہ سچ ہے کہ ہوتی ہے مجاہد کی اذاں اور

اور اس مجاہد کی اذان ایسی زود اثر ثابت ہوئی کہ تین سال کی قلیل مدت میں ۳۲ ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی مبارکپور کی مضافاتی سرزمین پر تقریباً پچیس لاکھ کی لاگت سے علم و دانش کا ایک شہرستان الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی کی شکل میں آباد ہوگیا جو آج بھی اپنے قافلہ سالار جانشین حضور حافظ ملت شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ (سربراہ اعلیٰ جامعہ) کی سرکردگی میں اپنے مختلف شعبہ جات کی تعمیری تکمیل کے لئے قوم پرور، دین پرست، علم دوست اور احساس مند مسلمانوں کو آواز دے رہا ہے۔

یہ ہے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کا ملک و ملت کے تئیں وہ عظیم کارنامہ جس نے ان کو رہتی دنیا تک کے لئے ناقابل فراموش اور زندہ جاوید بنا دیا ہے۔"

۷۸۶
۹۲

تبسم عزیزی مبارکپوری

منقبت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان

خواب میں دکھلا دیں صورت حضرتِ عبدالعزیز
دل میں ہے شوقِ زیارت حضرتِ عبدالعزیز
ماہرِ علمِ تصوف، ناشرِ دینِ خدا
واقفِ سرِّ ولایت حضرتِ عبدالعزیز
اک نظر جس نے بھی دیکھا آپکا شیدا ہوا
آپکی تھی یہ کرامت حضرتِ عبدالعزیز
نورِ چشمِ حضرتِ صدرالشریعہ آپ تھے
جانشینِ اعلیٰ حضرت حضرتِ عبدالعزیز
آپ کے ایثار و تقویٰ اور عمل کو دیکھ کر
ہے زمانہ محوِ حیرت حضرتِ عبدالعزیز
سامنے جب آپکا دشمن بھی آجاتا کبھی
اس پہ فرماتے تھے شفقت حضرتِ عبدالعزیز
اہلِ ایماں کے سروں پر آپ کا فیضان ہے
پیشوائے اہلسنت حضرتِ عبدالعزیز
دُھن کے پکے اور ارادے کے بہت مضبوط تھے
تاجدارِ علم و حکمت حضرتِ عبدالعزیز
تشنہ لب پیتے ہیں آکر آپ کے دربار میں
ساغرِ دیں جامِ وحدت حضرتِ عبدالعزیز
عام ہے سب کیلئے ارضِ مبارکپور پر
آپکا بابِ عنایت حضرتِ عبدالعزیز
ہوگئیں آنکھیں تبسم کی وہاں پر اشکبار
جب بھی پہنچا پیشِ تربت حضرتِ عبدالعزیز

حافظِ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ تحریک

عبد النعیم عزیزی مدیر سنی دنیا بریلی شریف

تقسیمِ ہند کے بعد۔

- ★ ملک میں اہلسنت وجماعت کے اندر تاریخ و ادب کا مذاق اور علمی و دینی تعلیم و تحقیق کی ایک نئی روایت کس نے قائم کی؟
- ★ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مسلک حق۔ مسلک اہل سنت کی نشر و اشاعت میں تیزی اور سرگرمی کس نے پیدا کی؟ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت نیز انھیں ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر لانے کا کام کس نے انجام دیا؟
- ★ چودھویں صدی ہجری کے مجدد۔ فاضل بریلی امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی، تبلیغی اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے۔ اعلیٰحضرت اور ان کے علمی کارناموں پر تصنیفی، تحقیقی اور اشاعتی کام کرنے کی پہل کس نے کی۔
- ★ دینی تعلیم کو فروغ کس نے دیا اور طلبائے اسلام و علمائے دین کو جدید تعلیم یافتہ پروفیسروں اور دانشوروں کے سامنے ایک نئی جرأت و احساس اور وقار و حقانیت کے ساتھ کس نے لاکر کھڑا کر دیا۔
- ★ مغربیت کے سامنے مشرقیت کو سرخرو کس نے کیا۔ قدیم و جدید کو (اسلامی دائرہ کار میں) شیر و شکر کس نے کیا؟
- ★ مسلمانوں کے جمود میں رخنے کس نے پیدا کئے اور انھیں جہد و عمل کی راہ کس نے دکھائی؟

الجامعۃ الاشرفیہ نے ۔۔۔ جو حضور حافظ ملت کے خوابوں کا حسین تاج محل اور پر عظمت منارہ ہے

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمان صرف میدانِ جنگ ہی نہیں ہارے تھے، علم و حکمت کا میدان بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ اس یوم شکست اور غلامیٔ فرنگ کا طوق گلے میں آنے سے یکسر غلامی سے رہائی کا اور تقسیم ملک کے بعد ایک نئے ہندوستان کے وجود میں آنے تک کی نوّے سالہ مدت کی داستان۔ زوالِ مسلم کی الم داستان ہے۔ ایک عظیم ٹریجڈی (A GREAT TRAGEDY) اور ایک دہائی کم پوری ایک صدی کی یہ تاریخ۔ تاریخ مسلم کا ایک نہایت ہی دلخراش باب ہے۔ جو عبرت انگیز بھی ہے اور حیرتناک بھی اور اس عبرتناکی اور حیرت انگیزی میں غیروں سے زیادہ اپنوں کی شرانگیزی اور فتنہ پردازی کا دخل ہے۔

اس طویل مدت میں ہندوستان مختلف مذہبی عقائد و خیالات سیاسی، اقتصادی، سماجی، اور تعلیمی تحریکات و نظریات بھانت بھانت کے آدرشوں، فلسفوں، سائنسی اصولوں، فرنگی زبان و تعلیم اور فیشن و تہذیب کی ایک آماجگاہ بن گیا تھا۔ ہر عقیدہ و خیال۔ ہر تحریک و نظریہ، ہر فلسفہ و آدرش، ہر اصول تحریری ہر رسم و رواج اسلامی نظریات سے متصادم، اسلام اور مسلمانوں کے درپے آزار اور ستم تامل۔

مگر ان سب کے مدمقابل ایک اور تحریک نے انگڑائی لی۔ ایک خالص اسلامی تحریک سینہ و دل میں خوفِ الٰہی اور حب

رسالت پناہی کی جوت جگانے والی تحریک ۔ مسلمانوں کو قرآن وسنت سے جوڑنے والی تحریک جس کے سالار کارواں تھے ۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد ۔ مجدد دین وملت ۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز ۔ جنھوں نے ہر غیر اسلامی عقیدہ وتحریک کا دم توڑ کر حق وصداقت کا پرچم لہرادیا ۔ دین کی تجدید کی ۔ سنت کا احیاء کیا اور جو خود ناموس رسالت کی تحریک بن گئے اور تقدیس انبیاء کا وہ چراغ روشن کیا کہ گھر گھر سے لیکر قلب وجگر اور فکر ونظر تک منور وتاباں ہو گئے ۔

امام احمد رضا نے پچاس سے زائد علوم وفنون (عقلی ونقلی ۔ قدیم وجدید) پر ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل لکھ کر ہر باطل کا بھرپور رد کیا اور اسلام کی حقانیت واضح کردی ۔ انھوں نے کفار ومشرکین اور ملحدین ومرتدین ہی کو نہیں غیر اسلامی علوم وفنون کو بھی مسلمان بنانے کی مہم چھیڑ دی ۔ فاضل بریلوی نے اسلام کے مسخ کردہ چہرے کو تازگی وسرخی بخشی اور مسلمانوں کے عقائد وایمان کی حفاظت کی ۔

اعلیحضرت نے باطل کی سرکوبی کے لئے اپنے شہزادگان خلفاء وتلامذہ اور دیگر علماء ومشائخ پر مشتمل ایک ٹیم TEAM بھی تیار کی اور بریلی سے لیکر مارہرہ وکچھوچھہ ۔ پیلی بھیت وگھوسی ۔ پٹنہ وجبلپور ۔ مرادآباد ومیرٹھ ، لاہور وہزارہ غرضیکہ ہند کے طول وعرض میں دین خدا اور عشقِ مصطفےٰ کی شمعیں جل اٹھیں اور کفر وضلالت وبدعت وجہالت کی تاریکیاں کافور ہونے لگیں ۔

آج مخالفین ومعاندین اور حاسدین ۔ امام احمد رضا کی اس تحریک اور ان کے پاکیزہ مسلک حق کو بریلوی تحریک اور بریلوی مسلک کہہ کر مطعون کرتے ہیں اور اس مسلک کے ماننے والوں ۔ صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو بریلوی کہہ کر اپنی دانست میں انھیں غیر مسلم گردانتے ہیں ۔

بہر حال حق یہی ہے کہ بریلوی مسلک کوئی نیا یا غیر اسلامی مسلک ومذہب نہیں ہے بلکہ مذہب حق ۔ مذہب اہلسنت ۔ مذہب اسلام ہی ہے لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بریلوی تحریک نے ۔ تحریک اقامت دین سے لیکر تحریک ندوہ ۔ تحریک قادیان وعلی گڈھ حتیٰ کہ ہر باطل تحریک کو جامد وساکت کرکے رکھدیا ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) کے بعد جنم لینے والی جو دوسری اسلام اور مسلم دشمن مذہبی ، سیاسی ، سماجی اقتصادی اور تعلیمی تحریکیں یا عقائد وخیالات اور نظریات پروان چڑھے ان سب کا اعلیٰ حضرت کی تیار کردہ ٹیم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو ان کے دام فریب سے پھنس کر ہلاکت وضلالت کے غار میں گرنے سے بچائے رکھا ۔

اس میں شک نہیں کہ دفاعی جنگیں لڑی جارہی تھیں ، حملے رد کئے اور مورچے توڑے جا رہے تھے لیکن ضرورت اس بات کی بھی تھی کہ بڑھ کر وار بھی کیا جائے اور اسلام کا ایسا نظم اور مسلمانوں کا ایسا دبدبہ ظاہر ہو کہ باطل قوتیں حملہ تو حملہ تخریب اور گھس بیٹھ کی جرأت بھی نہ کرسکیں اور جیسا کہ فوجی تنظیم کا تقاضہ ہے کہ جنگی ہیڈ کوارٹر اور چھاونی کے لئے سپاہیوں کی بھرتی اور ان کی ٹریننگ (TRAININGS —) کا بندوبست ہو اور اسلحہ ساز کارخانے بھی قائم ہوں تاکہ ان کے لئے اسلحہ جات کی فراہمی ہوسکے ۔ جاسوسی شعبہ ۔ اسپتال ، راشننگ (RATIONING) اور دیگر ضروری شعبے جات بھی اس ہیڈ کوارٹر کے تحت قائم ہوں تاکہ کسی بھی وقت ، موقع آن پڑے تو حملۂ دشمن کا جواب بھی دیا جاسکے اور جہاں حملہ کرنا ناگزیر ہو وہاں بڑھ کر وار بھی کیا جاسکے ۔

لہذا دین پر ہونے والے حملۂ باطل اور اپنے دین حق کی تبلیغ واشاعت ۔ غلبۂ اسلام اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے بھی ایک اسی طرح کے نظام کی تشکیل کی ضرورت تھی حالانکہ یہ نظام یا یہ دستور قوم مسلم کو رسول کونین ۔ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو ہیڈ کوارٹر بنا کر پیش کردیا تھا ۔

ایک مسجد نبوی تھی اور اس کے مختلف روپ تھے اور اس کا ہر روپ کامل واکمل تھا ۔ یہ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہونے کے لئے عبادت گاہ بھی تھی اور بارگاہ مصطفےٰ میں دل

جھکانے کا درس دینے والا تصوف کدہ بھی تھی۔ اور علم دین، قانون شریعت بلکہ سلیقۂ زندگی اور شعور بندگی کی تعلیم عطا کرنے والی درسگاہ بھی تھی اور پارلیمنٹ/کونسل ہاؤس، سیاسی اور جنگی ہیڈ کوارٹر بھی تھی۔ رسول گرامی وقار۔ محسن اعظم علیہ السلام نے کل کارخانے زرنگر ہستیں اور پرزے نہ ڈھال کر دل بنائے تھے اور دل بھی بنائے تھے۔ ایک پاکیزہ جماعت تیار کی تھی۔ افراد ڈھالے تھے۔ شخصیت کی آرائش۔ انسانیت کی تعمیر۔ قلب ونظر تطہیر کی تھی، کردار سازی کی تھی۔ اخلاق کو نکھارا۔ سنوارا اور ذہن وفکر کو مستنیر کیا تھا اور پھر شعور بندگی وسلیقۂ زندگی عطا کر کے اسلامی اسٹیٹ کے قیام کا طریقہ اور سیاست وریاست کی تعلیم بھی عطا کی تھی۔

ہر دور میں مسلم قائدین ومصلحین نے اسی دستور، اسی آدرش، اسی فلسفہ اور اسی نبوی نظریۂ کار پر عمل کر کے دنیوی اور اخروی کامیابی وکامرانی، جہانگیری وجہانبانی اور سرخروئی وسرفرازی حاصل کی تھی۔ اور جب جب مسلمان اس نظام سے ہٹے رشتۂ سنیت سے کٹے تو لٹے، پٹے اور ذلیل وخوار ہوئے۔

امام احمد رضا نے بھی اسی نبوی دستور کو عام کیا تھا۔ قرآن وسنت سے رشتۂ مسلم کو استوار کیا تھا۔ بیداری قوم وتار ملت اور سیاست وریاست پر غلبہ پانے کا ایک نظریہ اور سماجی ومعاشی انقلاب کا ایک فارمولا (FORMULA) پیش کیا تھا۔

آج ہندوستان میں بھی اسی نظام کے قیام کی ضرورت تھی۔ لیکن اس بحرانی دور میں ذرائع ہی سے مہلت نہ مل رہی تھی، کسی منصوبہ کی تکمیل یا کوئی تعمیر کیسے ہو پاتی۔

شہزادگان رضا حجۃ الاسلام ومفتی اعظم۔ محدث اعظم اور سید العلماء اور دیگر علماء ومشائخ دل ونظر سنوار رہے تھے، ہاتھوں میں ہاتھ لیکر عقیدت والفت کے چراغ روشن کر رہے تھے۔ تحفظ عقائد وایمان کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین واصلاح قوم کے لئے اپنے جگر کا خون پانی کر رہے تھے۔ مسلک امام احمد رضا کی روشنی میں چلنے والے مدارس اور اس پر عمل پیرا خانقاہیں بھی محفوظ قلعوں کا رول ادا کر رہی تھیں مگر ابھی وہ ادارہ یا ہیڈ کوارٹر قیام میں نہیں آیا تھا جہاں سے حافظ وقاری، امام ومولوی، عالم وفاضل، خطیب ومقرر مفتی وقاضی کے ساتھ ساتھ جدید علم ومعلومات سے بھرپور واقفیت رکھنے والے واعظین۔ اور مختلف مذاہب پر گہری نظر رکھنے والے مناظرین، ادبا، مصنفین، محققین، مترجمین، فن صحافت کے ماہرین، مدبرین، مفکرین اور مصلحین وقائدین بھی تیار کرکے مغرب کے طلسم کو توڑ سکیں اور ہر حال میں اسلام کی حقانیت اور اسلامی علوم وفنون کی صداقت ثابت کر سکیں۔ اور ایسے افراد بھی تیار ہو کر نکلیں جو ٹکنالوجی، سائنس، میڈیکل انجینئرنگ، کامرس وغیرہ کے میدانوں میں بھی بیٹھکر قوم کی ترقی اور بھلائی کا کام کر سکیں اور ایسے بڑے کام کے لئے ایک ایسے تعلیمی ادارہ کی ضرورت تھی جو عصر حاضر کی یونیورسٹیوں کی ہم پلہ ہو مگر نیچریت سے پاک ایک دینی اسلامی یونیورسٹی اور بلا شبہ ایسی یونیورسٹی (UNIVERSITY —) کا قیام ناگزیر تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ۱۹۴۷ء میں ایک تقسیم شدہ نیا ہندوستان۔ سیکولر ہندوستان یا بھارت وجود میں آیا۔ جہاں مسلمان اقلیت میں آ گیا تھا۔ اکثریتی طبقہ حکومت پر چھا گیا تھا اور اس طبقہ کے فرقہ پرست عناصر اور فرقہ پرست جماعتیں کھل کر آنے لگی تھیں۔ ہندی کو راشٹریہ بھاشا یعنی قومی زبان کا درجہ دیدیا گیا تھا۔ اردو راندۂ درگاہ کر دی گئی تھی۔ عربی کو تو مسلمان ویسے بھی چھوڑے بیٹھا تھا حالانکہ دین سے رشتہ کو مکمل طور سے استوار رکھنے کے لئے خصوصاً مدارس کے لئے تو عربی زبان سے واقفیت بلکہ اس میں مہارت بہرحال ضروری تھی۔ اسکولوں کالجوں میں ہندی لازمی کر دی گئی تھی۔ ہمارے پور درج کے نام پر ویدک پیریڈ (ویدک پیریڈ) رامائنی اور مہابھارتی زمانوں کے دیوی دیوتاؤں، سادھو سنتوں اور راجاؤں یودھاؤں سے لیکر ۲۰ویں صدی عیسوی کے مہاپرشوں کی جیون کتھائیں تو پڑھائی جا رہی تھیں۔

مگر کسی نبی یا ولی، عالم یا صوفی اور مسلم رہنما یا مصلح کی زندگی یا کارنامہ پر ایک صفحہ بھی کورس کی کتابوں میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور مسلم اسٹوڈنٹ اپنے اسلاف حتی کہ اپنے نبی و رسول محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اپنے پہلے کلمے بھی بےخبر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ فلسفہ و سائنس میں مہارت حاصل کرنے کے شوق میں اپنے عقیدہ کو برباد کر رہا تھا۔ ماڈرن مسلمان اور شیدائیان نیچر پر تو اب بھی انگریزیت کا بھوت سوار تھا انھیں دین و ایمان سے کیا غرض اور قوم سے کیا ہمدردی۔ کل کے غدار، وہابیت کے علمبردار، آقائے فرنگ کے نمک خوار آج کے وفادار اور موجودہ حکومت کے وظیفہ خوار بن کر کرسی کی خاطر آیۃ الکرسی کو بھول چکے تھے اور قومی یکجہتی کے دھارے میں بہہ رہے تھے اور افراد قوم کو بھی آیۃ الکرسی سے رشتہ توڑ کر اسی دھارے میں بہنے کا خوشنما درس دے رہے تھے۔ قوم سے غداری اور دین بیزاری کا پاٹھ پڑھا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے بڑی آفت تھی اور وہ سخت حیرانی و پریشانی میں مبتلا تھے۔ کہ وہ کون سا علم حاصل کریں۔ دین پر سختی سے قائم رہ کر دنیوی ترقی کیسے کریں۔ ان کی سماجی، اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی پوزیشن بحال کیسے ہو۔ حالانکہ دین فطرت اسلام نے کسی زبان یا فلسفہ و حکمت، ریاضی و سائنس، میڈیکل و انجینئرنگ، سیاسیات و عمرانیات اور کامرس و معاشیات کی تعلیم سے روکا نہیں ہے۔ قرآن تو ھر جائز علم کا سرچشمہ ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ تعلیم دین کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کیسے حاصل کرے۔ علی گڈھ، ندوہ کی تعلیم سے صرف نیچریت اور منافقت کا ہی سبق مل سکا تھا۔ کہیں سے دنیوی تعلیم تو مل گئی تھی۔ دنیا تو حاصل ہوگئی تھی مگر اصل سرمایہ۔ سرمایۂ دین ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ کہیں سے عربی زبان و ادب تو ہاتھ آگیا تھا مگر عقیدہ کے غارت ہونے کے ساتھ ساتھ دینی شعور بھی فنا ہو گیا تھا۔

مسلمانان اہلسنت کے ساتھ یہ بھی ایک مصیبت تھی کہ حکومت اور حکومتی اداروں میں ان کی رسائی نہیں تھی بنام مسلم ملنے والی ہر مراعات سے فرزندان ندوہ و دیوبند فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اوقاف، اردو اکیڈمیوں، اردو انجمنوں، اقلیتی اداروں اور دیگر شعبوں پر بھی یہی قابض تھے۔ دینی تعلیمی بورڈ پر بھی انھیں کا تسلط تھا آخر فرزندانِ امت، مسلمانانِ اہلسنت کیا کرتے کدھر جاتے۔

مسئلہ کا حل موجود تھا لیکن نگاہیں وہاں تک پہنچ نہیں رہی تھیں یا دیگر جماعتی مصروفیات عظیم شخصیتوں کو ادھر رخ کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھیں۔

بہرحال ان تمام مسائل کا حل اعلیحضرت ہی کی ٹیم (TEAM) اور انھیں کے سلسلے اور وسیلے سے ملا۔

اعلیحضرت کے خلفاء میں ایک تابناک شخصیت تھی ان کے ایک خلیفۂ اجل۔ ان کے مظہر اتم اور رفیق دم قدم صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی گھوسوی اعظمی علیہ الرحمہ والرضوان کی جن کی قابلیت کو اعلیٰ حضرت نے بھی سراہا ہے اور جن کی تدریسی خدمات زمانہ پر روشن ہیں۔ یہ وہی صدر الشریعہ ہیں جنھوں نے زبان اردو میں بہار شریعت کی شکل میں اسلامی قانون کا انسائیکلوپیڈیا (THE ENCY-CLOPAEDIA) عطا کیا ہے۔ اور شریعت کی بہاروں سے مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کے گلزاروں کو عطر بیزی اور شادابی بخشی ہے۔

صدر الشریعہ شہر تدریس کے شہریار تھے اور اس شاہ بے تاج نے جانے کتنے تاجوران علم و فضل کو خلعتیں اور فرمان عطا کی ہیں۔ علم و فضل کے اس جوہری نے جانے کتنے ہیروں کو تراش کر نئی آن بان دی ہے۔ وقت کے اس عظیم معلم نے کتنی شخصیتوں کو نکھارا سنوارا ہے اور ان کی کردار سازی کی ہے۔

اسی عظیم المرتبت فاضل و معلم اور علم و حکمت کے جوہری کے تراشے ہوئے ہیروں اور اس کی سجائی ہوئی شخصیتوں میں ایک انمول ہیرا۔ ایک نایاب رتن اور ایک تاباں شخصیت کا نام ہے۔ عبدالعزیز استاذ العلماء، جلالۃ العلم حضرت علامہ مولانا حافظ۔ محدث مرادآبادی ثم مبارکپوری۔ بانی و سربراہ الجامعۃ الاشرفیہ۔ جنھیں زمانہ حافظ ملت کے لقب و خطاب سے یاد کرتا۔ جانتا اور مانتا ہے۔

حافظ ملت وہ خوش نصیب اور بیدار بخت انسان ۔ مرد مسلمان ہیں جنھیں ہند کے راجہ حضرت خواجہ کی راجدھانی اجمیر اور امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا کے شہر مرکز اہلسنت بریلی کی مقدس سرزمینوں پر شب و روز گذار کر دین مصطفےٰ کے علم اور ان کی معرفت حاصل کرنے کی سعادت ملی ہے اور جو ان دونوں بارگاہوں سے نوازے ہوئے اور اشرف و رضا کی نسبتوں سے جڑے ہوئے ، علم و عمل ، زہد و تقویٰ ، اخلاق و کردار ، حلم و مروت اور عزم و استقلال سے آراستہ و پیراستہ سنہ ۱۹۲۴ء میں حضرت صدر الشریعہ کے حکم پر مشرقی اتر پردیش کی ایک گمنام بستی مبارکپور کے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی مسند درس و تدریس پر فائز ہوتے ہیں تو علم کے چراغ جل اٹھتے ہیں اور روشنی پھیلنے بڑھنے لگتی ہے ۔

حافظ ملت ۔ باغ فردوس کے گل بوٹوں کو ایک نئی رعنائی ، البیلا رنگ اور مستانی نکہت عطا کرتے ہوئے نہ صرف سینوں کی جنتوں کو مہکا دیتے ہیں بلکہ کائنات علم و فضل بھی معطر و شاداب ہو جاتی ہے ۔ حافظ ملت کے خون جگر سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھتے ہیں ۔

تقسیم ملک تک حافظ ملت ایسے ایسے نادر روزگار علماء و فضلاء تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیتے ہیں کہ ان کے قدوم کی برکتوں سے بد مذہبیت کی لعنت و نحوست ہوا ہونے لگتی ہیں اور عقائد کفریہ و تحریکات باطلہ کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں اور مبارکپور کی بستی گمنامی کی پستی سے نکل کر ناموری کی بلندی پر پہنچ جاتی ہے اور اب طالبان علم دین مصطفےٰ کے قدم جب گھر سے نکلتے ہیں تو مبارکپور کی سمت بڑھنے لگتے ہیں ۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد کے ملکی حالات کا ذکر کیا گیا ۔ کس قدر بحرانی دور تھا ۔ لوگ دیوانوں کی طرح سرحد اس پار بھاگ رہے تھے ۔ حضور حافظ ملت نے اس موقع پر اپنی سیاسی بصیرت کا بھی ثبوت دیا اور ترک وطن کر کے جانے والوں کو مساجد و مدارس اور مزارات و مقابر کی حفاظت اور ملک میں بقائے اسلام کی دہائی دیکر ۔ لوگوں کو غیرت دین دلا کر ترک وطن کرنے سے روکا اور انھیں کامیابی ملی ۔ اس پر موقع پرستوں اور چھچھورے سیاستدانوں نے انھیں مطعون کیا لیکن یہ بے پرواہ اپنا کام کرتے رہے ۔

شر پسندوں نے حضور حافظ ملت کو زنداں تک بھی بھجوایا مگر اس مرد بیباک اور حق گو نے رہائی کی خاطر کسی بھی مصلحت کو آڑے نہ آنے دیا ۔

حافظ ملت کی حق گوئی اور ان کی استقامت نے حکام و عوام اور غیر مسلموں کو بھی حیرت زدہ کر دیا ۔ بالآخر انھیں باعزت رہائی ملی ۔

دین و ملت کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے ۔ غلبۂ اسلام اور علم دین و عشق مصطفےٰ کی اشاعت کے لئے انتھک محنت اور جد و جہد کرنے والے ملت کے محافظ و پاسبان کبھی چین سے نہیں بیٹھے ۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پسماندگی و بدحالی دور کرنے کی خاطر منصوبے بناتے رہے ۔ انھیں مرض مسلم بھی معلوم تھا ۔ اور اسے دور کرنے کی دوا اور اس کا علاج بھی معلوم تھا مگر وہ نسخہ کے صحیح اور بروقت استعمال کے منتظر تھے ۔ وہ اپنا کام جاری کئے ہوئے تھے ۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کا کام ۔ رضویت کے فروغ کا کام ۔ وہ مچلتے ہوئے طوفانوں اور گرتی ہوئی بجلیوں کے ہجوم میں بھی چلتے رہے ان کے قدم بڑھتے ہی رہے حفاظ ، قراء ، ائمہ ، مناظرین ، واعظین ، محدثین ، مفسرین ، فقہاء ، اور مفتیان کرام نکالتے رہے ۔ تازہ دماغوں اور روشن ذہنوں کی اپج ہوتی رہی ۔ باطل سے ہر محاذ پر نبرد آزمائی کے لئے ٹرینڈ دینی فوجیں ، میدانوں میں آتے رہے ۔ سماجی ، معاشی تعلیمی انقلاب کے دروازے کھلتے رہے ۔ حافظ ملت علم و عمل سے آراستہ کر کے نوجوانوں کو کبھی بریلی ، کبھی کچھوچھہ ، کبھی مارہرہ روحانی رشتوں میں استوار ہونے کے لئے بھیجتے رہے ۔ مفتی اعظم کی بارگاہ سے ان کی تیار کردہ جماعت کو سند مریدی کے ساتھ ساتھ ضیاء و جلا بھی ملتی رہی ۔ جب لوگوں نے انھیں مجبور کیا تو یہ خود بھی آقائے بریلی کے نام پر ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر رشد و ہدایت اور تصوف کی منزل کا مسافر بناتے رہے ۔ زندگیاں سنوارتے رہے ۔

اعمال کے ساتھ ساتھ عقائد کو نکھارتے رہے۔

حافظ ملت نے زبان و قلم سے بھی خدمت دین کا فریضہ انجام دیا۔ جلسوں میں، کانفرنسوں میں بھی حصہ لیتے رہے اور صفحاتِ قرطاس پر بھی پیغام حق نقش کرتے رہے۔ المصباح الجدید کے ذریعہ قوم کو گمراہ فرقوں سے واقف کرا کر عقیدہ و ایمان کا تحفظ کیا۔ ارشاد القرآن کی تصنیف کے ذریعہ مسلمانوں کو ارشاد ربانی کی تعمیل کر کے زندگی و بندگی کو کامیابی اور قبولیت کا راز بتایا اور ہر حیرانی و پریشانی کے سدباب کا طریقہ سکھایا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر فلاح دارین کا نا رموز عطا کیا۔ معارف حدیث کی تصنیف فرما کر سنت نبوی کی پیروی کی دعوت دی اور عشق و معرفت کا درس دیا۔

فتاویٰ رضویہ اور اعلیحضرت کی دیگر کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت کے ساتھ ساتھ سنی علماء و مشائخ کی تصانیف کو بھی منظر عام پر لانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ علمی، تاریخی، فقہی تحقیق کا سلسلہ بھی چل نکلا تھا۔ بڑے کام تھے۔ بڑا منصوبہ تھا — یونیورسٹی کی تعمیر آسان نہیں۔ اکیڈمی، دار الاشاعت، دار التصنیف لائبریری، دار الترجمہ، تبلیغی سنٹر، جانے کتنے شعبوں کے قیام کا مسئلہ تھا۔

بالآخر اس مرد خدا اور غیر تمند عاشق مصطفےٰ نے اپنی عمر کی آخری منزل میں پہنچکر منزل کو پا ہی لیا۔ لیکن یونیورسٹی کی تعمیر سے قبل اس معمار قوم وملت نے اپنے گھر کی ایک شخصیت کی تعمیر کی اور یہ تعمیر یقیناً تعمیر جامعہ سے قبل ضروری تھی۔ یہ تعمیر تھی حافظ ملت کی اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب۔ موجودہ سربراہ الجامعۃ الاشرفیہ کی جنھیں دنیائے سنیت میں عزیز ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضور عزیز ملت نے درجۂ مولوی اور انٹرمیڈیٹ (سائنس میں) پاس کرنے کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی سے بی۔ ایس سی۔ انجینیرنگ (B.S.C. IN ENGINEERING) میں فرسٹ کلاس ڈگری حاصل کی۔ چند سالوں تک بحیثیت انجینیر کل پرزے ڈھالتے اور مشینوں کی آرائش کرتے رہے لیکن معمار قوم اور حافظ ملت کے بیٹے کو بھی اپنے والد گرامی کی طرح انسانی اخلاق وعادات سنوارنے تھے، ایک بڑی تعمیر کی نگرانی کرنی تھی اور اسے چلانا تھا۔ لہٰذا اس مادی دور میں دنیوی دولت اور عہدہ وافسری کو تج کر حافظ ملت نے بیٹے کو ایک عالم دین بنا دیا۔ ایک ایسا انجینیر جو انسانیت کی تعمیر کرے گا۔ کتنی عظیم قربانی دی سرکار حافظ ملت نے۔

اور پھر ۱۹۷۲ء میں ٹھیک اس سال کے سو سال بعد کہ جس سال یعنی ۱۸۷۲ء میں سولہ سالہ ایک نوجوان فاضل۔ ایک مرد مجاہد اور عبد مصطفےٰ۔ عبد المصطفےٰ امام احمد رضا نے ناموس رسالت کی حفاظت اور عظمت انبیاء و اولیاء کی پاسبانی کی تحریک چھیڑی تھی اور علم و قلم کی طاقت پر باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا تھا اور ہر سو عشق مصطفےٰ کے چراغ جلنے لگے تھے) ایک نیاز کیش اعلیحضرت حافظ ملت نے مبارکپور کی دھرتی پر علم و حکمت کے ایک حسین تاج کی بنا رکھی اور اس پر عظمت مینار، اس قلعہ مستحکم اور شہرستان علم و فن کا سنگ بنیاد تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیحضرت حضور مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ اور دیگر علماء و مشائخ علیہم الرحمہ کے ہاتھوں رکھا گیا۔

آج الجامعۃ الاشرفیہ میلوں زمین پر پھیلا ہوا دور دور تک۔ ملکوں ملکوں۔ سات سمندروں پار علم و معرفت کی روشنی بکھیر رہا ہے۔ آج تشنگانِ علم سیراب ہونے کے لئے مبارکپور آ رہے ہیں۔ آج الجامعۃ الاشرفیہ میں غلبۂ اسلام حملۂ باطل سے دفاع تعمیر انسانیت اور فلاح انسانی کا ہر ساز و سامان موجود ہے اور اس ہیڈ کوارٹر سے یہی خوبصورت کارنامے انجام دیے جا رہے ہیں۔ آج ہند کے طول و عرض۔ پاک و بنگلہ دیش۔ لنکا اور نیپال کی سرحدوں سے اس پار۔ ممالک عرب اور بحر ہند و بحیرۂ عرب سے بہت دور برطانیہ و ہالینڈ، امریکہ و افریقہ اور موریشش وغیرہ میں اشرفیہ کے فارغین۔ حافظ ملت کے تربیت یافتہ اور ان کے فیوض و برکات مالا مال مبلغین، مدرسین۔ واعظین، مناظرین۔ صحافت و اشاعت کے ماہرین، ادباء، مصنفین اور مفکرین و دانشوران خدمتِ دین، تبلیغ اسلام اور پیغام الٰہی و پیغام رسالت پناہی عام کرنے میں مصروف ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ۔ پیغام بریلی اور مسلک رضا کا ترجمان اور دین وسنیت کا پاسبان ہے۔ پیغام اسلام بریلی سے براڈکاسٹ ہو رہا ہے اور مبارک پور ریڈیو بن کر گھر گھر شہر شہر اسے پہنچا رہا ہے۔ جو دریائے علم بریلی میں رواں ہے اس کا چشمہ اور اس کی نہریں مبارکپور میں بہہ رہی ہیں پیاسوں کی پیاس بجھائی جا رہی ہے اور کشت زار علم وعرفان کو سیراب کیا جا رہا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ بلاشبہ ایک تحریک ہے۔ ایک اسلامی تحریک۔ قرآنی علوم کی ترویج واشاعت اور نشاۃ ثانیہ کی تحریک جس نے ہر کارنامۂ حق تحریک بریلی کے آئینہ میں انجام دیا ہے اور علی گڈھ وندوہ تحریک کا جواب بن گیا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ۔ ایک عظیم عربی۔ دینی اور اسلامی یونیورسٹی صرف چند وسیع وعریض عمارتوں اور اونچے اونچے گنبدوں اور مناروں پر مشتمل کسی عظیم الشان بلڈنگ کا نام نہیں ہے بلکہ امام احمد رضا کے مختلف علوم وفنون کے کھلائے ہوئے گلہائے رنگا رنگ کی نکہتوں کو سمیٹ کر بشکل عطر پیش کرنے والے عطر ساز کارخانہ کا نام ہے۔ اسلامی علوم وفنون کے گہوارہ اور متعدد علماء ومشائخ کے منصوبوں کی تکمیل۔ حافظ ملت کے خوابوں کی تعبیر اور فضاؤں میں بکھر جانے والے پیغامات صفحات قرطاس پر نقش کیے جانے والے خیالات وافکار جلیلہ کی ایک مرئی شکل کا نام ہے جو ایک عظیم الشان عمارت، ایک عظیم یونیورسٹی کی شکل میں مبارکپور کی زمین پر کھڑا ہوا کفر وشرک ضلالت وجہالت کو للکارتا ہوا، مسلمانوں کو یہی پیغام دے رہا ہے ؎

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پہ پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا
زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی پستیوں پہ آسماں بن کر رہو
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

یہ ہے کارنامۂ حافظ ملت۔ الجامعۃ الاشرفیہ

جس کے حسن پر تاج کا جمال قربان، جس کی عظمت پر قطب کا جلال قربان اور جس کی رفعت کے سامنے کوہ ہمالہ خود کو بونا محسوس کرتا ہے۔

دولت وثروت اور کج کلاہی وفرمانروائی کے بل بوتے پر تاج محل اور قطب مینار کی تعمیر مشکل کام نہیں۔ تاج ایک شہنشاہ کی اپنی محبت کی یادگار اور قطب مینار ایک سلطان کی اپنی شوکت کا اظہار ہے مگر الجامعۃ الاشرفیہ جلال تقویٰ کا اظہار اور عشق رسالت پناہی کی یادگار ہے۔

اور آج اس کے معمار کی اپنی آرام گاہ بھی اسی جامعہ کے ایک خطۂ زمین پر بنی ہوئی نور کی برسات کر رہی ہے۔ آج یہ جامعہ درسگاہ نبوی کے حسین مناظر کا منظر بنا ہوا ہے۔ یہاں مسجد بھی ہے۔ مدرسہ بھی اور خانقاہ بھی۔

آج ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد

* ملک میں اہلسنت وجماعت کے اندر تاریخ وادب کا مذاق اور علمی ودینی تعلیم وتحقیق کی ایک نئی روایت اشرفیہ نے قائم کی۔
* اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مسلک حق۔ مسلک اہلسنت کی نشر واشاعت میں تیزی اور گرمی اشرفیہ نے پیدا کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے کتب ورسائل کی طباعت واشاعت نیز انھیں ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر لانے کا کام اشرفیہ نے انجام دیا۔
* ۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی تبلیغی اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے اعلیٰحضرت اور ان کے علمی کارناموں پر تصنیفی، تحقیقی اور اشاعتی کام کرنے کی پہل اشرفیہ نے کی۔
* دینی تعلیم کو فروغ اشرفیہ نے دیا۔ طلبائے اسلام وعلمائے دین کو جدید تعلیم یافتہ پروفیسروں اور اسٹوڈنٹس (STUDENTS) کے سامنے ایک نئی جرأت واحساس اور وقار وطمانیت کے ساتھ اشرفیہ نے لا کھڑا کر دیا۔
* مغربیت کے سامنے مشرقیت کو سرخرو اشرفیہ نے کیا۔

بقیہ ص ۱۷ پر

مفتی اعظم ہند اور حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ

مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ

کسی فیروز بخت صبح کی مناجات میں امام احمد رضا نے بڑے رقت بھرے انداز میں یہ دعا کی تھی۔ "اے مالکِ بے نیاز! اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے" ——

بہائے امام سے نکلی ہوئی یہ دعا شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی اور ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی بابرکت ساعتوں میں ایک خوبصورت اور خوش بخت فرزند کی ولادت ہوئی، محمد نام پر عقیقہ کی تقریب ہوئی اور مصطفےٰ رضا عرف قرار پایا۔

ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں جب بریلی تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت کو مبارکباد دیکر اس سعادتمند فرزند کے حق میں یہ بشارت اور پیش گوئی فرمائی۔

"یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کریگا، اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نظروں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر واپس آئیں گے۔ اور فیض کا دریا بہائے گا"

آگے چل کر یہی فیروزمند بچہ عالم اسلام میں مفتی اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوا۔ دعائے امام کی قبولیت اور مرشد کی بشارت کو امسال ۲۲ ذی الحجہ کو ایک صدی مکمل ہورہی ہے۔ اس صدی کے پردے پر مفتی اعظم ہند کے فکر و عمل اور دین و دانش کے جو نقوش ابھرے ہیں۔ وہ اس بشارت اور دعا سے اس قدر ہم آہنگ اور مطابق ہیں کہ ہزاروں مخالفتوں کے باوجود بھی آج تک کوئی خط امتیاز نہ کھینچ سکا۔ کسی کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ——

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مفتی اعظم ہند کی زندگی قافلۂ اسلاف کی آئینہ دار بھی تھی اور اپنے عہد کے منزل ناآشنا اور گمگشتگان راہ کے لئے مینارۂ نور بھی۔ اصحاب علم و فن ہوں یا ماہرین سیاست، اہل دین و دانش ہوں یا ارباب شریعت و طریقت۔ ہر فرد آپ کے نقش پا کو نشان منزل، کردار و عمل کو نمونہ حیات اور نظریہ فکر کو نصب العین بنانے میں کامیابی و سرفرازی کی ضمانت سمجھتا تھا۔

آپ کا وجود مسعود اگر ایک طرف قول و عمل کا سنگم اور تقویٰ و طہارت کا مرقع تھا۔ تو دوسری طرف بے شمار دینی و ملی، سیاسی و سماجی تحریکوں کا بانی و محافظ بھی تھا اور معین و مددگار بھی۔ تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر آپ ہر اس تحریک و تنظیم کے رفیق و ہم سفر ہو جاتے تھے۔ جہاں خلوص و للہیت کے جلوے اور صداقت و حقانیت کے نقوش اجاگر ہوتے۔

ذیل میں صرف الجامعۃ الاشرفیہ تحریک نوازی کی روداد کا مطالعہ کیجئے۔ اہل شعور اس سے اس انقلاب آفریں شخصیت کی وسیع النظری اور دیگر دینی و ملی تعمیر و ترقی میں رفاقت و سعادت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کو مفتی اعظم ہند کی رفاقت و رہنمائی کن کن مراحل میں حاصل رہی۔ اس کی پر کیف داستان الجامعۃ الاشرفیہ کی عہد بہ عہد تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں سرزمین مبارک پور میں ایک مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے قائم ہوا۔ اس میں علماء و فضلاء

تعلیم وتدریس اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے آتے رہے جاتے رہے۔ لیکن مدرسہ کسی بھی شعبہ میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہ کر سکا۔ اس کے بعد ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدر الشریعہ نے حافظ ملت کے لئے پیش کش کی تو حافظ ملت نے کہا "میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ میں ملازمت نہ کروں گا" اس جواب پر صدر الشریعہ کو جلال آگیا فرمایا "میں نے ملازمت کے لئے کب کہا ہے میں تو دین کی خدمت کیلئے کہہ رہا ہوں۔"

حافظ ملت مبارکپور آگئے۔ آپ کے آتے ہی زور وشور سے تدریس کا کام ہونے لگا۔ طلبہ کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ آپ روزانہ تنہا ۱۳ کتابوں کا درس دیتے تھے جن میں سب سے نیچی کتاب شرح جامی تھی۔ تدریس کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی مبارکپور کے خفتہ ماحول میں بیداری پیدا کی۔ اور ان کے دینی وملی، سیاسی وسماجی امور کی اصلاح فرمائی۔

طالبان علوم نبوت کی وارفتگی وہجوم کے پیش نظر مزید علمی وتعمیری فروغ کے لئے آپ نے ایک دار العلوم کی عمارت کا منصوبہ پیش کیا۔ آپ کی اس پر خلوص صدا پر پورا مبارکپور سر بکف ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ خواہش جب شوق کی منزل میں داخل ہو جاتی ہے تو منزل مقصود کے حصول میں دیر نہیں لگتی۔

ہو اگر شوق طلب ڈھونڈنے والوں میں تو پھر
سیکڑوں منزلیں راہوں کے غباروں میں ملیں

بروز جمعہ ۱۲ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء کو حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہما الرحمہ کے ہاتھوں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چند ہی ۱۳۵۳ دنوں میں یہ اپنی علمی وفکری خدمات کی وجہ سے پورے ملک میں متعارف ہوگیا۔ ۷ ربیع الآخر ۱۳۷ھ کو مفتی اعظم تشریف لائے اور دار العلوم کی تعلیمی وتعمیری حسن کارکردگی سے مطمئن ہو کر جو تاثر پیش کیا تھا اسے موصوف ہی کے حقیقت نگار قلم سے ملاحظہ کیجیے۔

"ارکین مدرسہ کو میں مبارکباد دیتا ہوں، انھوں نے نہایت کد وکاوش اور جانفشانی سے کام لیا اور اچھے سلیقے سے کام انجام دیا۔ ان کے حسن انتخاب کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صدر مدرس ہی ایسا چھانٹ رکھا ہے۔ جس نے مدرسہ کو باغ وبہار، نہایت شاداب چمن گلزار کر دکھایا ہے۔ یہ برکات میرے گمان میں اس وجود مسعود کی ہیں۔ یہ ساری بہار اسی کے دم سے ہے۔ اسی کے فیض قدم سے ہے۔ یہ روشنی اسی کے جلوے کی ہے۔ اسی کے خلوص اسی کے انتخاب نے اچھے قابل مدرسین طلبہ کو جمع کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ اسے اور مدرسہ کو نظر بد سے بچائے رکھے۔ آمین۔"

۱۹۵۹ء میں دار العلوم اشرفیہ کا شعبہ نشر واشاعت بنام "سنی دار الاشاعت" قائم ہوا۔ اس عظیم تحقیقی واشاعتی ادارہ کا قیام بھی مفتی اعظم ہند کا مرہون منت ہے۔ ادارہ کا پس منظر ادارہ کے ناظم مولانا عبد الرؤف صاحب (م ۱۲ شوال ۱۳۹۰ھ) کی زبانی سنئے۔

"مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور تشریف لائے، ان سے عرض کی گئی فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کے علاوہ کس سے اسکی توقع ہو سکتی ہے۔ اس کرامت آثار جملے نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی اور دار العلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام شروع ہوا اور سنی دار الاشاعت کی بنیاد رکھی گئی۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ بقلم ناظم سنی دار الاشاعت)

اس شعبہ کا آغاز فتاویٰ رضویہ جلد سوم کی ترتیب واشاعت سے ہوا تیسری جلد کا مسودہ مفتی اعظم ہند کے پاس سے آیا تو غیر مبوب اور غیر مربوط تھا۔ جس کی تبویب مولانا مجیب الاسلام صاحب ادروی نے فرمائی اس کے بعد منظر عام پر لانے کے لئے تحقیق وترتیب اور اصل ونقل کے تقابل کے بے شمار مراحل سے گزرنا پڑا جن کو ناظم ادارہ نے اپنی بلند ہمتی اور استقلال کامل

سے بخوبی انجام دیا۔ اب تک یہ سلسلہ ساتویں جلد تک پہنچا ہے فی الحال دار العلوم اشرفیہ کا یہ شعبہ مفتی عبد المنان صاحب کے زیر عمل ہے۔

حافظ ملت کسی ایک منزل پر ٹھہرنا ہی نہ جانتے تھے۔ طالبان علوم نبوت اور متلاشیان فنون و معارف کے لئے جب دار العلوم کا دامن تنگ ہوگیا تو قوم کے سامنے الجامعۃ الاشرفیہ کا عظیم منصوبہ پیش کیا۔ تو کچھ ناعاقبت اندیش اور تعصب پرست لوگوں نے اس کی راہ میں طرح طرح کے طوفان کھڑے کیئے۔ مگر حافظ ملت عزائم کی ناقابل شکست قوت کا نام تھا۔ انکی تحریک کے عزم محکم اور عشق صادق کے سیل رواں میں مخالفوں کے یہ سارے طوفان خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ کام آتی ہیں شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کے سنگ بنیاد کی تقریب کا بنام "تعلیمی کانفرنس" اعلان کر دیا گیا۔ اس انقلابی آواز پر فروغ علم کے دیوانوں کی صدائے باز گشت سے پورا ملک گونج اٹھا اور ان دنوں اہل مبارکپور کے ایثار و قربانی اور اخلاص و وفا نے تو پورے ملک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ان وارفتہ جگر مسلمانوں کی داستان مولانا بدر القادری مصباحی سے سنئے۔

"تن من دھن کی بازی لگانا اب تک صرف سنا تھا مگر اس کی عملی تصویر مبارکپور میں تعلیمی کانفرنس کی تیاری کے موقع پر نظر آگئی، کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی پورا قصبہ کسی عاشق مہجور کی طرح جو وصال یار کا مژدہ سن لے دوڑ پڑا اور تن یکسر دھن تک کی قربانی کا ایسا منظر پیش کیا جو بے مثل ہے۔"

اس سہ روزہ کل ہند تعلیمی کانفرنس کی روداد تو بہت طویل ہے۔ ذیل میں صرف حضور مفتیٔ اعظم ہند اور دیگر اجلہ علماء ملت اسلامیہ کے ہاتھوں سنگ بنیاد کی تقریب کا کیف آور منظر "تاجدار ویکلی" بمبئی کے حوالے سے ملاحظہ کیجئے۔

"مفتیٔ اعظم ہند قبلہ کی رہبری میں جب علماء کا قافلہ چلا تو اعلان و ہدایت کے باوجود مسلمانوں کا اپنے جذبات مسرت پر قابو پانا ناممکن ہوگیا۔ والنٹیر اور رضاکاروں کی پوری فوج اپنی کوشش کے باوجود دیوانگی شوق کے اس قابل اظہار احترام پر نظم و ضبط کا کوئی پہرہ نہ بٹھا سکی۔ جذبات محبت کے دیوانے اپنے اکابر کی قدم بوسی دست بوسی اور مصافحہ کے لئے شوق کی وارفتگی میں مچل رہے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی قیادت میں جب علماء کا کارواں اس زمین پر پہنچا۔ جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا۔ تو پوری فضا عشق و ایمان اور کیف و مستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی جذبہ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیمانے۔ لب پر درود و سلام کے نذرانے رہ رہ کر نعرۂ تکبیر و رسالت کی تکرار۔ پوری فضا میں عشق و محبت اور شوق و تمنا کا پھیلا ہوا جادو۔ اس ماحول میں حضور مفتی اعظم ہند کا اس یونیورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا۔ ایک ایسا نورانی منظر تھا۔ جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے۔ مگر الفاظ و معانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے۔ (تاجدار ویکلی ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء صفحہ ۲)

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی الجامعۃ الاشرفیہ تحریک آج اپنی فلک بوس عمارتوں اور تعلیم و تربیت۔ تصنیف و تالیف کے میدانوں میں بے شمار آفاقی کارناموں کی وجہ سے نہ صرف ملک بلکہ عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ اس کا سبب جہاں اخلاص و وفا میں ڈوبی ہوئی حافظ ملت کی بیشمار قربانیاں اور کاروان اشرفیہ کی بے پناہ جانفشانیاں ہیں وہیں مفتی اعظم ہند کی دعا، قلبی لگاؤ اور رہنمائی کا بھی اثر ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی دراصل آپ کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔ یہ قلبی ہمدردی ہی کا تو اثر تھا۔ کہ جب آپ تعمیری کانفرنس کے اختتام پر گھر جانے لگے تو علامہ ارشد القادری نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے دریافت کیا! کیا ہے؟ ان کے منہ سے جلدی سے نکل گیا کرایہ ہے۔

حضرت نے فرمایا میں کرایہ کا مولوی نہیں ہوں۔ یہ مختصر جملہ جہاں اشرفیہ نوازی اور ذاتی شخصیت کا آئینہ دار ہے وہیں علماء اسلام کیلئے درس عبرت بھی۔

اب آیئے مفتی اعظم ہند کے اثر انگیز قلم کا وہ پیغام بھی پڑھ لیجیے، جو آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے تعاون کے لئے قوم مسلم کو دیا تھا۔

"دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کو ایک عظیم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں اور حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالیٰ انھیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ اور حضرات اہلسنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں۔ اور عنداللہ ماجور ہوں۔ (فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہٗ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ)

حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کے مابین ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے۔ کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مفتی اعظم ہند کو جتنی محبت الجامعۃ الاشرفیہ سے تھی اسی قدر آپ حافظ ملت علیہ الرحمہ کو عزیز رکھتے تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال جو دنیائے سنیت کے لئے عظیم حادثہ تھا۔ اس موقع پر بلا امتیاز عوام و خواص پوری سنی قوم نے خون کے آنسو بہائے تھے۔ اس اندوہناک حادثہ پر مفتی اعظم ہند پر کیا بیتی اسے محب گرامی عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسلئے انھیں سے سنئے۔

جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر حضور حضور مفتی اعظم ہند تک پہنچی تو "چاند سا چمکتا ہوا نورانی چہرہ ماند پڑ گیا اور تیرہ نصیبوں کی تقدیر سنوارنے والے کی چشم کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی۔ سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے۔ خدمت اقدس میں حاضر خدام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جا رہے تھے اور حضرت کی شفقت ان کی عظمت و برتری کے ساتھ حضور حافظ ملت کی بزرگی و عقیدت ان کے دلوں میں اور زیادہ ہوگئی۔ کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت حالت اضطراب سے عالم سکون میں آئے تو دیر تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پیاری پیاری باتیں کرتے رہے۔ ان کی جلالت علمی زہد و تقویٰ اور تقدس و بزرگی کے گن گاتے رہے اور اخیر میں فرمایا۔

اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کی جگہ خالی رہتی ہے۔ خصوصًا مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر عالم، مرد مومن، مجاہد، عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پر ہونا بہت مشکل ہے یہ خلا پر نہیں ہو سکتا"

اس کے بعد آپ نے شہزادۂ حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ کو کرم خاص سے نوازا۔ اور اپنے سلسلہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔ اور دعا فرمائی کہ سلسلہ عزیزی کا سرسبز و شاداب چمن بزرگان سلاسل اور اولیاء اکابر کے طفیل اپنی بہاروں سے ہمیشہ عالم روحانیت کو معطر و معنبر بنائے رکھے آمین۔

الجامعۃ الاشرفیہ آج بھی آپ کے خلیفہ حضرت عزیز ملت کی سربراہی اور پرعزم قیادت میں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے اور حضور مفتی اعظم ہند کا روحانی تصرف و تعلق اس میں آج بھی کارفرما ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک رہے گا۔"

بقیہ صـ ۱۰۴ کا

مگر کوئی سنے تو:

وہ جس نے سبو تاژ کیا جہل کے افکار
تھی جس کے رگ و پے میں فقط علم کی جھنکار
اک ابر بہاری تھا جو ہر خطے پہ برسا
مسکانے لگے جس سے گل و صحرا و کہسار
اک پیکر دل گیر میں گنجینۂ حکمت
کہتے ہیں سبھی لوگ اُسے حافظ ملت

حافظ ملت کا نظریۂ تعلیم

عبد اللہ جان عزیزی مصباحی شیخ القرآن و صدر المدرسین دار العلوم چشتیہ شاہی بستی

حافظ ملت کا فیضان کرم

حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہٗ کی طلبی پر الجامعۃ الاشرفیہ میں خدمت کے لئے ۱۹۷۳ء میں میں مبارکپور حاضر ہوا تھا، انکے حکم و ارشاد سے سرتابی کی مجال نہیں تھی، پھر انھوں نے بخشنے اور نوازنے کے لئے طلب فرمایا تھا، اس لئے جب پہلی فرصت میں ان کی قیامگاہ پر شرف ملاقات و نیاز کے لئے حاضر ہوا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج آپکا ابر کرم جھوم جھوم کر برس رہا ہے، جیسے ہی آپ کی نگاہ میرے اوپر پڑی آپ کی زبان فیض ترجمان سے "مرحبا مرحبا" کی صدا بلند ہوئی، میں نے حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ سے خدا جانے کتنی مرتبہ خلوت و جلوت میں شرف ملاقات حاصل کیا تھا، لیکن آج آپ کی ملاقات کچھ نرالی شان رکھتی تھی، میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسی پذیرائی اس بارگاہ بلند میں اس ادنیٰ کفش بردار کی ہو سکتی ہے، ابھی ابھی "مرحبا مرحبا" کی صداؤں سے میری روح وجد میں تھی اور میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر قدمبوسی کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے خود ہی معانقہ و معانقہ کے شرف سے نوازا، اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ تشریف رکھیں، اور اپنا وہ کمبل جس کو میری نگاہوں نے بارہا آپ کے جسم مبارک پر دیکھا تھا، اسی کو ایک تخت پر بچھا دیا اور اس پر بیٹھنے کا حکم صادر فرمایا، مجھ کو حیرانی کے ساتھ سوء ادبی کا احساس ہو رہا تھا، کہ وہ کمبل جس کو عصر حاضر کی ایک بڑی عظیم شخصیت کے جسم مبارک پر دیکھا ہو وہ آج اس حقیر ذرۂ ناچیز کے پیروں تلے رہے، اس احساس سے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا، لیکن پیہم اصرار اور "الامر فوق الادب" کے بموجب چار و ناچار میں تخت پر بیٹھ گیا، اور کمبل کو اٹھا کر اپنے اوپر رکھ لیا اور میں سوچنے لگا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کو خدائے قدوس نے انکسار و تواضع کی کیسی دولت سے مالا مال کیا ہے کہ وہ اپنے خادموں اور کفش برداروں کو بھی بڑے اونچے مقام پر پہنچا دیتے ہیں، کہاں آفتاب عالم تاب! کہاں ذرۂ بے مقدار! لیکن آفتاب کی ضیاء بار کرنوں سے ذرے میں بھی چمک دمک پیدا ہو رہی تھی، بالفاظ دیگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی بلند شخصیت کا فیضان کرم میرے اوپر ہو رہا تھا، ابھی مجھے بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ خود آپ نے اپنے دست مبارک سے چائے کی پیالی مجھے تھمائی۔ میں چائے نوشی سے فارغ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ کی تشریف آوری سے مجھے بے حد خوشی ہوئی، کیونکہ دار العلوم صرف عمارتوں کے طویل سلسلہ کا نام نہیں ہے، اگر لمبی چوڑی فلک بوس عمارتیں بنالی جائیں لیکن تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہ ہو تو ایسی پرشکوہ عمارتیں بلا شبہ بے سود ثابت ہوں گی، آپ جیسے لوگوں کی آمد سے مسرت یہ ہے کہ یہاں دین حنیف کا کام، تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام اس ادارے کے شایان شان ہو گا، اور آپ لوگ اپنی علمی بصیرتوں اور محنتوں سے اس ادارے کو بام عروج پر پہونچانے میں نہایت اہم کردار ادا کریں گے، میری تمنا اور خواہش یہ ہے کہ یہاں علوم اسلامیہ اور فنون متداولہ کی تعلیم تو ہو گی ہی لیکن یہاں کے فارغ التحصیل علماء و فضلاء عربی زبان و ادب نیز انگلش زبان و ادب میں اتنے اونچے مقام پر فائز ہو جائیں

یاتی اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہو جائیں کہ دنیا کے کونے کونے میں دعوت و تبلیغ، اور نشر علوم کے فرائض سے سبکدوش ہونے میں کوئی دقت محسوس نہ کر سکیں۔

حافظ ملت محض رسمی تعلیم کے متمنی نہیں تھے

یہیں سے حضور حافظ ملت نوراللہ مرقدہٗ کے نظریہ تعلیم کی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے کہ وہ محض رسمی اور قدیم طرز تعلیم کے متمنی نہیں تھے، بلکہ وہ تعلیم کا ایسا ڈھانچہ تیار کرنا چاہتے تھے۔ جو تبلیغ و اشاعت دین کے سلسلہ میں جدید تقاضوں کے مطابق نہایت موثر اور زیادہ سے زیادہ سود مند ثابت ہو۔ اس سلسلہ میں ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ بیرون ملک تبلیغ اسلام و سنیت کے لئے طلبہ میں عربی و انگریزی اور اندرون ملک کے لئے ہندی و سنسکرت کی بھی مہارت پیدا کرائی جائے۔

انھوں نے اس کے لئے خصوصی انتظامات بھی کئے۔ اور اس کے نتائج بھی سامنے آئے۔ اگرچہ پورے طور سے وہ کامیابی نہ مل سکی۔ جو حضرت کا مطمح نظر تھی مگر سرگرم کوشش اور سعی پیہم ہر کامرانی کی کلید ہے۔ آہنی عزائم مشکلات کی زنجیریں کاٹتے ہوئے بہت جلد قلعہ مقصود فتح کر لیا کرتے ہیں۔

حافظ ملت کو احساس تھا کہ موجودہ درس گاہوں میں عالمی دعوت کے وسائل کی فراہمی پر جو توجہ ہونی چاہیے اس کی طرف سے لوگ غافل ہیں۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور حافظ ملت نوراللہ مرقدہ قوم و ملت کی تعلیم کے سلسلہ میں کتنا صاف ذہن رکھتے تھے، اور تعلیمی میدان کی کمزوریوں پر کتنی کڑی نگاہ رکھتے تھے، لیکن اس سے اس غلط فہمی میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے کہ اپنی جماعت کے علماء و فضلاء کی علمی صلاحیت و لیاقت، ان کے فضل و کمال کے وہ معترف نہیں تھے، آپ اہل علم کے بڑے قدر داں تھے، میں اس واقعہ کو تاحیات نہیں بھول سکتا کہ ایک مرتبہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ اشرفیہ کے وسیع ہال میں تمام طلبہ و اساتذہ اور عوام سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے اس عظیم الشان ادارے میں ایسے علماء و فضلاء کو اکٹھا کیا ہے جو بلا مبالغہ الحمد للہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ پر بھاری ہیں ان میں بڑے بڑے صاحب کمال ہیں جن کی لیاقت و قابلیت جن کی جودت فکر اور روشن دماغی سب پر اعتماد کیا جا سکتا ہے آپ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ادارے کے اساتذہ کو بہت لائق قدر اور بلند صلاحیت والا جانتے تھے، تاہم ان کا یہ احساس ڈھکا چھپا نہیں تھا کہ بہت سے علماء عربی زبان و ادب اور انشاء پردازی میں پیچھے ہیں، لہذا آپ کی بھر پور کوشش یہی رہی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کمزوری کا جلد سے جلد ازالہ ہونا چاہئے تاکہ مدارس کے اساتذہ دیگر علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہوئے آداب عالیہ میں بھی اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر سکیں۔

حافظ ملت کا نظام فکر

حضور حافظ ملت نوراللہ مرقدہٗ ایک نظام فکر رکھتے تھے، اور یہ فکری نظام ان کے دینی احساسات اور مذہبی رجحانات کے تابع تھا، اس لئے ان کا نظریہ تعلیم افادیت پر مبنی تھا، وہ تعلیم برائے تعلیم یا علم برائے علم یا علم برائے حصول زر سے قطعاً بیزار تھے، اس لئے ان کے تمام اعمال فکریہ اور انکی تمام ذہنی کاوشیں اس محور کے گرد گردش کرتی تھیں کہ تعلیم کا ڈھانچہ ایسا تیار کرنا چاہیے کہ اس کے زیر اثر ارباب علم و اہل دانش کے اندر استغناء کی شان نمایاں ہو جائے، اور علماء کے ذہن و فکر پر یہ بات چھائی رہے کہ علم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے جاہ پرستی و دنیا پرستی کا ولولہ ان میں بیدار ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خطبہ تقریر میں زندگی بھر اپنے تلامذہ اور ارادت مندوں کو اس بات کی تلقین و ہدایت کرتے رہے کہ وہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر خدمت خلق اور اعلاء کلمۂ حق کے کاموں میں لگے رہیں، کیونکہ خدائے تعالیٰ اپنے

لیے بندوں کو جو دینی خدمت کا کام کرتے ہیں ان کی مدد و اعانت فرماتا اور ان کو بے آسرا نہیں چھوڑتا ہے۔

افادی نظریۂ تعلیم

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا نظریۂ تعلیم و تربیت اتنا موثر تھا کہ دلوں کو مسخر کر لیتا تھا، انھوں نے تقریباً چالیس سال تک اصح الکتب بعد کتاب اللہ " بخاری شریف " کی تعلیم دی، جب وہ بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھاتے تھے تو اپنے تلامذہ کو " انما الاعمال بالنیات " کا درس ایسے دلنشین انداز میں دیتے تھے جو دلوں میں گھر کر جاتا تھا، اور فرماتے تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث پاک سے اپنی کتاب کی ابتدا اس لئے فرمائی کہ وہ طالبان علم حدیث پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ مشکوۃ نبوت ..... کے انوار و تجلیات سے اسی وقت مستنیر ہوا جا سکتا ہے جب کہ نیتوں میں اخلاص پیدا ہو جائے اور دنیا پرستی کا کوئی سایہ انسان کے ذہن پر نہ پڑے۔ درس حدیث کے سلسلہ میں آپ کی تقریر بہت مختصر ہوتی تھی تاہم ذہین طلبہ آپ کی تقریر سے بیحد متاثر ہوتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ آپ کا نظریۂ تعلیم و تربیت افادی تھا، اور آپ کے نظریۂ تعلیم کا روشن و تابناک پہلو یہ تھا کہ وہ حصول علم کو عمل کا ذریعہ بنانے کی پوری کوشش فرماتے تھے، اور بار بار ارشاد فرماتے تھے کہ خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لیا جائے لیکن اس کا اثر اگر انسان کی زندگی پر نمایاں نہ ہو تو ایسا علم سود مند نہیں ہوگا، اس لئے جو کچھ پڑھا جائے اور جتنا بھی پڑھا جائے اس عزم و ارادہ سے پڑھا جائے کہ اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ اور صرف زبان ہی سے نہیں ارشاد فرماتے تھے بلکہ عمل کر کے دکھا دیتے تھے، چنانچہ آپ کی زندگی پاک ایک عملی نمونہ تھی، آپ کی سیرت و کردار آپ کے عادات و اطوار، آپ کا رہن سہن، آپ کی خلوت کی زندگی ہو یا جلوت کی زندگی، یا آپ کے معاشرتی تعلقات ہوں یا عوامی روابط سب میں علم و عمل کی نمایاں شان باوقار انداز میں نظر آتی ہے، مختصر لفظوں میں آپ علم و عمل کے ایک حسین پیکر تھے جسے دیکھ کر ایک انسان کارگاہ حیات میں رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، اس لئے آپ کا نظریۂ تعلیم محض ایک ذہنی منصوبہ اور تجریدی عمل نہ تھا جو خارجی عملی اثرات و نتائج سے یکسر خالی رہا ہو بلکہ عملی جدوجہد کے میدان میں وہ مشعل راہ تھا۔

حافظ ملت کی اصابت رائے

حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی زندگی پاک میں علوم متداولہ و فنون اسلامیہ پر اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ تمام علوم آپ کی ذہنی گرفت سے باہر نہیں ہو سکے تھے، بالخصوص علم حدیث میں آپ کو جو تفوق حاصل تھا وہ دور دور تک آپ کے معاصرین میں نہیں پایا جاتا، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو آپ کا قلبی لگاؤ فریفتگی و شیفتگی کی حد تک تھا لیکن فہم قرآن میں بھی وہ بہت آگے تھے، اور ان کا فرمان تھا کہ عالم دین کو قرآن حکیم کے اسرار و نکات اس کے حقائق و معارف اس کے دقائق و لطائف پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہئے اور زندگی میں ان سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس ذرۂ ناچیز نے عرض کیا کہ حضور! میں تمثیلات قرآنیہ کے عنوان پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں پائی جاتی، ہمارے مفسرین کرام نے قرآن حکیم کی خدمت کا جو عظیم کارنامہ ہر دور میں انجام دیا ہے وہ اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہے، بلکہ اسلامی تاریخ کا وہ روشن باب ہے، اگر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفیانہ انداز میں قرآن حکیم کی تفسیر کی تو دوسرے ائمہ تفسیر نے صوفیانہ انداز فکر سے قرآن حکیم کے معارف بیان کئے، اگر قاضی بیضاوی نے قرآن حکیم کی تفسیر میں علوم اسلامیہ کے ہر گوشہ کو اپنے پیش نظر رکھا اور اپنی تفسیر کو علوم و فنون کا جامع بنا دیا تو ان کے بالمقابل دوسرے ائمہ تفسیر نے روایات و احادیث سے تفسیری نکات بیان کئے۔

غرض ائمہ تفسیر نے قرآن حکیم کے مختلف پہلوؤں پر مختلف جہات سے غور و فکر کیا، اور ایک ایک لفظ کی چھان بین اور تحقیق و جستجو میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر ڈالے لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ کیا ہے یا انھوں نے جو کچھ کاوشیں فرمائی ہیں اب اس کے آگے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس خادم کے یہ معروضات نہایت جرأت مندانہ اور بے باکانہ تھے، لیکن آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں میری تفہیم فرمائی کہ اگرچہ تمثیلات قرآنیہ پر کوئی مستقل کتاب تمہاری نگاہوں سے نہ گذری ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہمارے اسلاف اور ائمہ تفسیر نے اس عنوان کو تشنہ چھوڑا ہو، تم قرآن حکیم کی تفسیروں کا بغور مطالعہ کرو جہاں جہاں تمثیلات پائی جاتی ہیں ان مقامات پر اپنا غور و فکر جاری رکھو، اور متعلقہ مباحث کو تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر کشاف زمخشری، انوار التنزیل بیضاوی، میں بھی بغور پڑھو، جب تم کو آیات تمثیلیہ کے مطالعہ کا ایک قسم کا ذوق پیدا ہو جائے اور ان کے اسرار و رموز پر تم کو یک گونہ عبور حاصل ہو جائے تو تم اس عنوان پر قلم اٹھا سکتے ہو، سرسری مطالعہ کے بعد عام عنوانات پر قلم اٹھانا نہ صرف جہالت کی دلیل ہے بلکہ خطرناک حد تک کبھی کبھی جادۂ مستقیم سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور تم تو ایک اہم عنوان پر خامہ فرسائی کرنا چاہتے ہو، تو تمہارے اوپر لازم یہی ہے کہ اس کے تمام اطراف و جوانب کا احاطہ کر لو۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی اس ہدایت پر جب میں غور کرتا ہوں تو اس نتیجہ پر پہونچتا ہوں کہ خدائے قدوس نے آپ کو اصابت فکر کی دولت سے نوازا تھا، پھر قرآن حکیم کے مختلف موضوعات پر آپ کے ارشاد کے مطابق اپنی بساط بھر میں نے مطالعہ کیا، لیکن آج تک یہ ہمت و جرأت نہ پیدا ہو پائی کہ کسی ایک عنوان پر سیر حاصل بحث کر سکوں، اور زندگی بھر اپنی کم مائگی و بے علمی پر کف افسوس ملتا رہا۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا۔

بنیادی کتابوں کی اہمیت

آپ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ علم اونچی کتابوں سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ ابتدائی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، جب پہلی بار آپ کی زبان صداقت بیان سے یہ الفاظ میں نے سنے تھے تو سخت حیرت و استعجاب میں پڑ گیا تھا، کہ حضرت کے ارشادِ گرامی کا مطلب تو یہ ہوا کہ مثلاً "شرح جامی" میں جو نحو کی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے علم نہیں ہوتا یا اس سے علم نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کے بجائے "ہدایت النحو" سے علم حاصل ہوتا ہے اسی طرح "تلخیص المفتاح" سے علم حاصل ہوتا ہے نہ کہ "مختصر و مطول" سے۔ میری حیرانی کو دیکھ کر آپ نے خود ہی اپنے الفاظ کی تشریح نہایت دلنشیں انداز میں فرمائی، آپ نے سمجھایا کہ علوم و فنون کی ابتدائی کتابوں سے علم حاصل ہوتا ہے اور وہیں سے آگے بڑھنے کی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے، تم خود ہی غور کرو کہ تشحیذ اذہان کے لیے "شرح جامی" کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہو لیکن جو قواعد نحویہ "ہدایت النحو" وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں "شرح جامی" کے پڑھنے کے بعد ان میں کیا اضافہ ہوتا ہے؟ اسمیں نکتہ بعد الوقوع کا کثرت سے بیان ہوتا ہے، اصول و قواعد کے علل و اسباب کی توضیح و تشریح ہوا کرتی ہے، علمی نقطۂ نگاہ سے یہ تشریحات و توضیحات کتنی ہی اہمیت رکھتے ہوں اور طلبہ کے ذہن میں ان سے کتنا ہی انجلاء پیدا ہوتا ہو لیکن در حقیقت جو قواعد اور گرامر ابتدائی کتابوں میں بیان کر دیئے گئے اور جن کی ضرورت عبارت خوانی یا عبارت فہمی میں پڑتی ہے، ان سے زائد شرح جامی وغیرہ میں کتنا پایا جاتا ہے؟ اسلئے تعلیم کا اسلوب یہ ہونا چاہیئے کہ طلبہ بنیادی کتابوں پر مکمل طور سے حاوی ہو جائیں، اور تمرین و مشق کے ذریعہ انکو قواعد کا استحضار ہو جائے، یہی ان کو آگے بڑھنے کی راہیں ہموار کرے گا۔

حافظ ملت کے نظریہ تعلیم کا خلاصہ

ان تمام تفصیلات سے ہمارے معزز سامعین کرام) بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور حافظ ملت

بق

حافظِ ملت اور نظریۂ تعلیم

محمد علی قاضی مصباحی خطیب سید فتح شاہ درگاہ گلبرگہ کرناٹک

جس طرح ہاتھی خریدنا آسان ہے اور اس کی پرورش بہت مشکل ہے اس سے کہیں دشوار گذار کسی تعلیمی ادارے کا قیام عمل میں لانا پھر اسے چلانا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو عمارت ہر کوئی بنا سکتا ہے مگر اسے دانشگاہ میں تبدیل کرنا یہ انھیں کے بس کی بات ہے جنھیں قدرت ان ھٰذا من عزم الامور کا آہنی حوصلہ عنایت کرتی ہے۔

استقلال، صبر و تحمل، جہد مسلسل، اخلاص، وسعتِ نظر، خندہ پیشانی، ملنساری اور بلند نگاہی وغیرہ یہ وہ عناصر لازمہ اور بنیادی عوامل ہیں جو ایک تعلیمی ادارے کے سربراہ کے لئے جزو لاینفک ہیں، جن کے بغیر اداروں کا چلنا غیر ممکن ہے ورنہ آئے دن دیکھنے میں آتا ہے کہ اچھے اچھے بلند حوصلہ، مدینۃ العلم بنانے کا حوصلہ لے کر نکلے، ایک ایکڑ زمین خریدنے کا منصوبہ تیار کیا۔ بڑے زور و شور سے چندے کی اپیل کی۔ چندہ ہوا۔ زمین خریدی گئی۔ کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ پھر کیا ہوا! دیکھتے ہی دیکھتے اختلاف پھوٹ پڑا۔ کیسا؟ چندے کا۔ کرسی کا — صدارت کا۔ خدا خدا کرکے چند سال اگر ادارہ چلا بھی تو پھر داخلی جنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ کس بنا پر! قابلیت کی بنیاد پر — شیخ ادارہ بننے بنانے کی بنیاد پر — بالآخر چند ہی دنوں میں دانشگاہ رزمگاہ میں تبدیل ہوگئی۔ غرضیکہ آج جس طرح سے نفس پرستی، خود غرضی، جاہ طلبی، اور کھینچ تان۔ دنیاوی دانشگاہوں کا طرۂ بدنامی بن گئی ہے اس سے کہیں برا حال بعض اسلامی اداروں کا ہے جہاں اخلاص و اخلاق، صبر و ضبط، نفس کشی وللٰہیت اور خدمت دین کے بجائے جاہ طلبی کی زور آزمائی ہو رہی ہے، قوت استدلال، چرب زبانی اور علمی قابلیت کی بنیاد پر شیوخ ادارہ آپس میں دست و گریباں ہیں۔

مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ اور چمنستان علم و فن، مسکن تہذیب و تمدن، آغوش فکر و نظر اور گہوارۂ ادب دہنرا الجامعۃ الاشرفیہ کی پوری تاریخ دیگر مراکز اسلامی کے بالمقابل یکسر جدا اور منفرد ہے۔

حافظ ملت کا عزم محکم، اخلاص عمل اور جہد مسلسل ایک ایسی انمٹ داستان ہے جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے "زمین پر کام زمین کے نیچے آرام"۔ جملے کی سادگی میں کتنی معنویت اور جوش ہے وہ اظہر من الشمس ہے ہر جملے کی سادگی آپ کی طبیعت کی سادگی پر واضح غمازی کر رہی ہے۔ دنیا نے ماتھے کی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جو کہا عین اس کے مطابق اپنی پوری زندگی عملی تفسیر میں گذار دی بلکہ درحقیقت آپ کی مجاہدانہ زندگی لفظ عمل کا صحیح مصداق معلوم ہوتی ہے وہ اس بات کے قائل تھے کہ ؎

در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش

شعر
یقیں محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

سچ ارشاد ہے:- اعمل لدنیاک کانک تعیش ابدا واعمل لآخرتک کانک تموت غدا۔ اپنی دنیا اس طرح کماؤ گویا تمہیں یہاں حیات ابدی گذارنا ہے اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح عمل نیک کرو گویا تمہیں کل ہی زندگی کا رختِ سفر باندھنا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کیوں ہو؟ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے
یہ اعتبار الیہ ہو جاتا ہے سوال اٹھایا اور لکھا اگر کسی اعتبار سے
الجامعۃ الاشرفیہ کو جو امتیازی مقام عنایت کیا ہے یقیناً وہ ملک
کے دیگر دینی اداروں سے منفرد و مختلف ہے جس کی واحد وجہ حافظ
ملت علیہ الرحمہ کی جانفشانی اور ان کا اپنا انوکھا نظریہ تعلیم تھا۔

یہاں پر ہم چند اہم گوشوں پر نظر ڈالیں گے جو ان کی
تبلیغی و تعلیمی زندگی سے نمایاں ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کے نظریۂ
تعلیم کو شہرت دوام حاصل ہوئی اور جس میں وہ اپنے معاصرین
سے کئی قدم آگے نکل گئے۔

اول :- استقلال ۔ استقلال وہ بنیادی عنصر ہے
کہ جس کے بغیر تکمیل مقصد کا تصور اگرچہ ناممکن نہیں تو صعب الحصول
ضرور ہے۔ اسی لئے تو بزرگوں نے کہا ہے ؎

یک در گیر محکم گیر

کہا گیا ہے کہ آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں کچھ تو وہ ہوتے ہیں
جو کسی مہم کو سر کرنے کے لئے نکلے حالات کی ناموافقت اور
ماحول کی ناسازگاری دیکھتے ہی گھبرا کر الٹے پاؤں پلٹ گئے۔
کچھ وہ ہوتے ہیں جو اپنے ناقابل دانوں کی بہ نسبت زیادہ ہمت
سے کام لیتے ہیں۔ آگے بڑھتے ہیں حالات کا مقابلہ کرتے
ہیں۔ حوصلوں کو تھکا کر کے دلجمعی کے ساتھ حادثات پر غالب
آنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آدھے راستے ہی میں
ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور پھر احساس کمتری کا شکار ہو کر ناسازگار
حالات کا گلہ شکوہ شروع کر دیتے ہیں کہ ہائے فلاں نے
ساتھ نہیں دیا۔ فلاں نے ٹانگ لگا دی اور فلاں پتھر راستے
کا کانٹا بن گیا وغیرہ وغیرہ۔

شاید ایسے ہی پست ہمتوں کے بارے میں کسی نے
خوب کہا ہے ؎

لگ ہی جو ٹھوکر تو رک کے سنبھلتے کیوں ہیں
اتنا ڈرتے ہیں تو پھر گھر سے نکلتے کیوں ہیں

اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو مستقل مزاج، بلند حوصلہ، عالی ہمت، وسیع النظر،
ثابت قدم، مرد آہن اور اولوالعزم ہوتے ہیں جو ہر ماحول
سے طوفانوں کی طرح گزر جاتے ہیں، کثافت نفسی، کدورت
قلبی اور تنگئی نظر کے صبر آزما و ہمت شکن حالات کو اس طرح
سہہ کر منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں کہ جس طرح سیلاب
کا پانی خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے اور الزام تراشی،
سب و شتم اور نفرت و حسد کو ایک پتھر کا پیکر بن کر برداشت
کر لیتے ہیں گویا ہاتھی جا رہا ہے اور کتا بھونک رہا ہے۔

مؤخر الذکر ہی وہ اولوالعزم ہوتے ہیں جو ہمالہ کی بلندی
پر اپنی عظمت کا جھنڈا نصب کر لیتے ہیں، دریاؤں کے رخ کو
اپنے اشارۂ ابرو کا محکوم بنا لیتے ہیں۔ یہی وہ عالی ہمت
ہوتے ہیں جن کی رہ گزر چاند کی بلندی ہوتی ہے جن کا منتہائے
نظر مریخ کی دوری، افسانہ کو حقیقت، صحرا کو گلشن اور ناممکن
کو ممکن بنانا ایسے ہی بہادر صفت لوگوں کے بس کی بات ہے۔

اب آپ حافظ ملت کی زندگی کا جائزہ لیجئے کہ علم
دین کی شمع کو فروزاں رکھنے کے لئے آپ کس طرح چالیس سال
کا ایک حوصلہ شکن، صبر آزما اور لمبا سفر طے کیا جس میں ایک طرف
معاندین سنگ و کوہ کی طرح حائل تھے تو دوسری طرف
حاسدین جا بجا زلت قدم کے انتظار میں راستے کے نشیب
و فراز پہ بیٹھے تھے۔ اگر ایک طرف معاندین اپنے عناد اور
دشمنی کی آگ برسا رہے تھے تو دوسری طرف منافقین اپنے
رفقائے کار اور پیروکاروں کے ذہنوں میں نفاق کی تخم ریزی
کر رہے تھے مگر داد دے حافظ ملت کبھی معاصرین کی غیبت
نہ کی، کبھی حاسدین کا شکوہ گلہ نہ کیا بلکہ ان سے خندہ پیشانی کے
ساتھ ملتے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں
اور کبھی آپ کے پائے استقلال کو لغزش تک نہ آئی ؎

سنگریزوں کی چبھن کا مجھے احساس کہاں
میں تو منزل کے مناروں پہ نظر رکھتا ہوں

الغرض حافظ ملت علیہ الرحمہ کی چالیس سالہ طویل
جانفشانی اور ایثار و قربانی غمازی کر رہی ہے کہ استقلال
و استقامت کے بغیر کسی بھی دانشگاہ بالخصوص دینی اداروں کا
قیام و دوام ممکن ہی نہیں چنانچہ آپ کے اسی استقلال نے

آپ کو مقصد میں کامیابی عطا کی۔

دوم:۔ حسن انتظام۔ جن دینی اداروں کا آغاز علماء کے ہاتھوں سے عمل میں آتا ہے یا جن اداروں کی تعمیر و تشکیل اور عروج و بقا میں علماء از ابتدا تا انتہا مرکزی رول ادا کرتے ہیں ان کا مستقبل تابناک اور انکی منزل روشن ہو جاتی ہے اور مدتوں ان کو قیام و دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے عموماً دیکھا گیا ہے کہ جن اداروں کی داغ بیل اہل زر نے ڈالی یا جن اداروں پر مفاد پرست لوگ دست دراز رہے ان اداروں نے بہت جلد دم توڑ دیا یا پھر وہ سیاسی کشمکش کا شکار ہو کر رہ گئے۔ لگتا ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کو اس بات کا زبردست احساس تھا اسی لئے آپ اشرفیہ کے دستوری، مشاورتی، انتظامی، تعمیری اور تعلیمی امور میں تاحیات مشیر رہے اور جب ان کے بلند مقاصد میں رکاوٹیں حائل ہوئیں تو قوم نے ضرورت محسوس کی کہ ان کو پورا اختیار دیدیا جائے اگر یہ نہ ہوتا تو آج اشرفیہ ہرگز اس مقام پر نہ ہوتا جس پر نظر آرہا ہے۔ آپ نے حسن انتظام کی ایک مثال قائم کی اگرچہ یہ دور زیادہ دنوں تک انھیں حاصل نہ ہوا مگر ان کے نقوش قدم آج بھی مشعل راہ ہیں۔

سوم:۔ تعلیمی اسٹاف کی علیحدگی۔ آئے دن دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کسی ادارے کے تعلیمی اسٹاف کے راہ و رسم عہدیداران ادارہ کے ساتھ بڑھنے لگتے ہیں یا ادارے کے مشاورتی و انتظامی امور میں تعلیمی اسٹاف مداخل ہوتا ہے تو نتیجتاً نہ صرف یہ کہ ادارے کے معیار تعلیم کو زبردست دھچکا لگتا ہے بلکہ شدہ شدہ پورا ادارہ انتشار و خلفشار کی نذر ہو جاتا ہے چنانچہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ تعلیمی اسٹاف یعنی طلبہ و اساتذہ صرف اور صرف اپنے کام سے لگے رہیں۔ ہاں اگر ان کو کوئی دشواری درپیش ہوتی تو آپ خود ہی کبھی طلبہ سے اور کبھی اساتذہ سے ملاقات کرتے اور ان کی دشواریوں کو حتی المقدور دور کرنے کی سعی بلیغ فرماتے۔ ہم نے دیکھا ہے (بفضلہ تعالیٰ راقم الحروف کو یہ سعادت ملی ہے) کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ اکثر پندرہ روزہ یا ماہانہ اور خصوصاً اپنے تبلیغی و تقریری دورے سے واپسی پر طلبہ کو اشرفیہ کے ہال میں جمع کرتے (اس دوران پورا ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا ہوتا مگر کسی میں مجال دم زدن نہ ہوتی) اور انھیں اپنے ناصحانہ کلمات سے نوازتے اسی طرح جب کسی مدرس کو تدریسی یا قیام و طعام کے سلسلہ میں کوئی بھی تکلیف لاحق ہوتی تو آپ اسے اپنی قیامگاہ پر بلاتے اور تنہائی میں بڑی خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ اس کی دشواری کو سماعت فرماتے پھر مخلصانہ و مشفقانہ انداز میں اطمینان بخش جواب سے نوازتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے حین حیات کبھی کسی مدرس نے کوئی گلہ شکوہ کیا اور نہ ہی کبھی ادارے کی تعلیم میں رخنہ پیدا ہوا۔ بعض لوگوں کی مفاد پرستی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے جب حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اشرفیہ سے ناراض ہو کر اچانک روانہ ہو گئے جب کہ حافظ ملت اپنے کسی دورے پر باہر تھے مگر جب آپ اس حادثے سے مطلع ہوئے تو زندگی بھر اس کا احساس آپکو ستاتا رہا۔

چہارم:۔ تربیت۔ حافظ ملت کا یہ ہرگز نظریہ نہیں تھا کہ ایک ایسا چمنستان علم سجایا جائے کہ جس کے گل بوٹوں سے دنیا صرف خوشہ چینی کرتی رہے بلکہ آپ کا نظریہ تعلیم یہ تھا کہ تعلیمگاہ دراصل قابل و باصلاحیت افراد پیدا کرنے کی ایک فیکٹری ہو جسکے ذریعہ سے ایک صالح اور تندرست معاشرہ وجود میں لایا جا سکے یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں طلبہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے وہیں انکی اسلامی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے چنانچہ آپ کے زیر شفقت جتنے طلبہ اشرفیہ سے فارغ ہوئے وہ عموماً ملک و بیرون ملک میں اپنے دائرۂ کار میں بے حد کامیاب ہیں طلبہ کی رفتار و گفتار و بیشتر عادات و اطوار پر آپ کی کڑی نظر رہتی تھی اور اکثر آپ انکی کوتاہیوں پر تاکید و تنبیہ فرماتے تھے۔

دراصل دینی مراکز کی اہمیت آجکل لوگوں کے دلوں سے اسی لئے ختم ہو رہی ہے کہ ان اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ زیور تعلیم سے آراستہ ضرور ہوتے ہیں مگر اسلامی تربیت

بقیہ صفحہ ۸۱ پر

حافظ ملت اور نظریہ تعلیم

محمد معراج القادری مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی عظیم مدبر، وسیع النظر مفکر، صاحب بصیرت عالم، اور جفاکش مرد مجاہد تھے، آپ اپنی خداداد صلاحیت و لیاقت کے سبب معاشی اور اقتصادی زندگی بہتر سے بہتر بنا سکتے تھے، دنیا کے عظیم سے عظیم عہدے اور اقتدار کی کرسیاں حاصل کر سکتے تھے جس میدان کو آپ اپنا لیتے امتیازی مقام اور انفرادی شان آپ کا خاصہ ہوتی لیکن دنیا طلبی اور جاہ پرستی سے گریز کر کے صرف تعلیم کا میدان اختیار کیا کیونکہ قوموں کے عروج و زوال کا مبنی اور محور صرف تعلیم ہے حتیٰ کہ ماحول اور معاشرے میں بھی قدر کی نگاہ سے وہی قومیں دیکھی جاتی ہیں جو زیور علم سے آراستہ ہوتی ہیں جن قوموں میں جہل غالب ہوتا ہے وہ قومیں یتیم شمار کرلی جاتی ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والحسب

یتیم وہ نہیں جس کا باپ انتقال کر گیا بلکہ یتیم علم و شرافت کا یتیم ہے

تعلیم کے لئے تین چیزیں ضروری و لابدی ہیں۔

(۱) حالات زمانہ کے مطابق نصاب میں ضروری و مفید مضامین کا شمول۔

(۲) مفید طریقۂ درس

(۳) تعلیم کا صحیح استعمال۔

ان کے بغیر کوئی بھی تعلیم بامقصد تعلیم نہیں ہو سکتی اسلئے ہم ان تینوں امور کے متعلق اپنے اس مضمون میں جائزہ لیں گے کہ استاذ العلما حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ کیا تھا۔

نصاب میں ضروری مضامین کا شمول

حافظ ملت قدس سرہٗ کے نظریۂ تعلیم میں عصری اور مذہبی علوم کے امتزاج کا بڑا دخل تھا اور اسی نظریہ کو عام سے عام کرنے کے لئے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم پھر الجامعۃ الاشرفیہ کے ادوار میں سرگرم رہے اس "نظریۂ تعلیم" کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے پہلے اس وقت کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔ جو قدرے تفصیل کے ساتھ یہ ہے۔

جب سے انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے قدم مضبوط کئے اور رفتہ رفتہ سارے ملک کے مالک بن بیٹھے مسلمانوں کا صدیوں پرانا جاہ و جلال ختم ہوگیا تو جہاں مسلمانوں کو محکومیت اور غلامی سے دوچار ہونا پڑا وہیں پورا ملک مذہبی انتشار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا آزاد خیالی اور بے دینی عام ہوگئی بلکہ انگریز نے اسلام اور مذہبی تشخص پامال کرنے کے لئے ایسے زر خرید مولویوں کا سہارا لیا جو اپنے آپ کو سچا پکا اللہ والا مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں میں گھل مل جائیں اور اپنی شاطرانہ چالوں سے باطل نظریات کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہیں طرح طرح کی دسیسہ کاری اور ریشہ دوانی کر کے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا بیج بوتے رہیں اس کے لئے انھوں نے ان مولویوں کے ذریعہ کثرت سے مدارس قائم کرنے شروع کر دیئے اس طرح کا اقدام اس لئے کیا گیا کہ لوگ

جنھیں علم دین کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلم کے لئے، یہ مدارس قائم کئے جا رہے ہیں اور نہایت آسانی سے ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں چونکہ اس دور میں تعلیم و تعلم کا مروجہ نظام اور طریقہ، عمل نہیں تھا مدارس کی مستقل عمارتیں نہیں ہوتی تھیں طلبہ مذہبی علوم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کرتے اور اپنے قیام و طعام کا خود انتظام کرتے چند فنون حاصل کرنے کے لئے، مختلف مقامات کا سفر کرنا پڑتا۔ اس طرح طلبہ کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے، بڑی بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

دہلی میں انگریزوں نے عربک کالج قائم کیا اس میں منصوبہ بند پلان کے تحت اسلامی تہذیب و تشخص سلب کرنے کا طریقہ سکھایا جانے لگا اس کے بعد ۱۴ر اپریل ۱۸۶۷ء کو مولوی فضل الرحمٰن مولوی ذوالفقار علی اور حاجی عابد حسین نے دیوبند کی چھتہ مسجد میں مدرسہ عربی کی بنیاد ڈالی جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے ان میں پہلے صاحب مولوی شبیر احمد اور مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند کے اور دوسرے صاحب مولوی محمود الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کے والد تھے یہ دونوں بزرگ انگریزوں کے عربک کالج دہلی کے تعلیم و تربیت یافتہ تھے۔ [1] اور انگریزوں ہی کے تعاون سے یہ مدارس قائم کئے گئے تھے اس کے چھ ہی ماہ بعد سہارنپور میں ایک اور مدرسہ کی ابتدا ہوئی جس کا نام مظاہر العلوم رکھا گیا چونکہ حصول تعلیم میں طلبہ کو ایسی سہولت و راحت کہیں میسر نہیں تھی ان مدارس کے قائم ہو جانے کے بعد بہت سے سنی طلبہ ان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد گمراہ و بددین ہو گئے، رفتہ رفتہ ان کے کئی ایک مدرسے قائم ہو گئے اور کثیر تعداد میں مبلغین پیدا کئے جانے لگے۔

اسلام کی بنیادی قدروں میں تحریف کرنے کا ایسا خطرناک اور مہلک انداز اپنایا گیا اور اس کے ذریعہ ایسی شورشیں برپا کی جانے لگیں کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ادھر اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان باطل نظریات کا جواب تحریر و تصنیف اور ارشاد و تبلیغ کے ذریعہ دینا شروع کیا اور اپنے تبحر علمی، ذہانت و فطانت سے ان کے گمراہ عقائد کے خلاف نبرد آزما ہو گئے پھر کچھ عرصہ بعد سنیوں کے بھی دو چند مدارس قائم ہو گئے لیکن ان مدارس سے حشرات الارض کی طرح جس تعداد میں تربیت یافتہ مبلغین جنم لیتے رہے اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلسنت و جماعت بھی اس پر خصوصی توجہ دیتے لیکن اس طرح بڑے پیمانہ پر اسلئے عمل نہ ہو سکا کہ آج کی طرح اس زمانہ میں مدرسہ قائم کر لینا اتنا آسان نہ تھا فراہمی زر کا انتہائی اہم مسئلہ تھا۔ زکوٰۃ و صدقات کی رقوم استعمال کرنے کا مروجہ طریقہ نہ تھا اس دور میں مدرسہ چلانا جوئے شیر لانے کے مرادف تھا لیکن ان سب کے باوجود حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ قائم فرمایا اور اس راہ میں انھیں ایسی پریشانیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا کہ ایک دفعہ مدرسہ بند کرنے کی نوبت پہونچ گئی۔ مدرسین کی کئی کئی مہینے کی تنخواہیں باقی رہنے لگیں، صبر و استقلال سے کام لیتے رہے۔

ایک طرف تو یہ حالات ہو گئے تھے کہ مذہبی علوم کے ٹھیکیدار بنے جا رہے تھے اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے مسلم قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں باقاعدہ لے لی تھی مسلمانوں میں ایسا گھل مل گئے تھے کہ مذہب اسلام کے صحیح خد و خال اور گمراہ کن نظریات و خیالات کے مابین خط امتیاز کھینچنا مشکل ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف عصری علوم میں مسلمانوں کی پسماندگی تقریباً متفق علیہ ہوتی جا رہی تھی اسلام مخالف افکار و خیالات کا اثر پھیلتا جا رہا تھا اس طرح دونوں طرف سے پیہم یلغار شروع ہو چکی تھی حافظ ملت

[1] منصفانہ جائزہ بحوالہ سوانح قاسمی دوم ص ۲۲۵۔

کی مومنانہ فراست اور عالمانہ بصیرت نے جب یہ دیکھا تو ضرورت محسوس کی ایسے بیدار مغز اور مختلف زبانوں کے ماہر علماء کی جو اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی کر سکیں اور جدید فکر و ذہن سے پیدا شدہ فتنوں کا سدباب بھی کر سکیں یہی وہ دواعی و محرکات تھے جن کی بنیاد پر حافظ ملت نے یہ نظریۂ تعلیم اختیار فرمایا جس کی تکمیل کے لئے مدرسہ کا قیام ناگزیر تھا چنانچہ آپ نے مدرسہ اشرفیہ کے بعد خاص اسی مقصد کے تحت الجامعۃ الاشرفیہ قائم فرمایا جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

"الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درس نظامی کے منتہی طلبہ کو ہندی، انگریزی، عربی زبان کا صاحب قلم و لسان بنانا ہے"[1]

اور کل ہند تعلیمی کانفرنس کے موقع پر سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب مارہروی علیہ الرحمہ نے جلسۂ عام میں سنی یونیورسٹی (الجامعۃ الاشرفیہ) کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"سنی یونیورسٹی کے قیام کا مقصد قرآن کی روشنی میں یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں سے ایسے طالب علم پیدا کرنا ہے جو اگر ایک طرف اسلام کی تصویر ہوں گے تو دوسری طرف عصر جدید کے تقاضوں سے اس طرح ہم آہنگ ہوں گے کہ جدیدیت سے مرعوب ہونے کے بجائے مذہب اور دین کیلئے سپر کا کام بھی کریں گے"[2]

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حافظ ملت قدس سرہ طلبہ کو علوم اسلامی کی مکمل جامع تعلیم کے ساتھ عہد حاضر کے بدلتے ہوئے ماحول میں جدید علوم و فنون سے آراستہ کرنا چاہتے تھے روایتی طرز تعلیم اور قدیم علوم و فنون پر اکتفار کے سخت مخالف تھے انگریزی اور عربی ادب و انشاء کو لازم کر کے خصوصی پیش رفت بھی کی اور اپنی حیات ہی میں اس کی تعلیم کا مکمل بندوبست بھی فرما دیا۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریۂ تعلیم پر آج عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے وہ مدارس جہاں ابھی عصری تعلیم کا باضابطہ انتظام نہیں ہو سکا ہے یا ہوا ہے مگر باضابطہ نہیں وہاں خصوصی توجہ دیکر اسے لازم قرار دیا جائے ورنہ وہ دن دور نہیں کہ جب جدید فکر و ذہن سے متاثر ہونے والی قوم مسلم کا کوئی رہبر و رہنما نہ ملے گا بلکہ ان درسگاہوں سے فارغ ہونے والے علماء عصر جدید کی نظریاتی و فکری قوتوں کے مقابلے سے عاجز اور مجبور محض ہو کر رہ جائیں گے۔

چونکہ اس قوم کی تعمیر و تخریب میں ہر زمانے کے علماء کا اہم کردار رہا ہے مسلم قیادت کی باگ ڈور ملت اسلامیہ کے جیالے فرزند علماء اسلام ہی کے ہاتھوں رہی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

صنفان اذا اصلحا صلحت واذا فسدا فسدت الامراء والعلماء۔

دو جماعتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ درست رہیں تو قوم درست ہے اور اگر بگڑ جائیں تو قوم بگڑ جائے۔ بادشاہ و علماء۔

اسلئے علماء کو ان حالات پر ضرور غور کرنا ہوگا تاکہ مستقبل میں ترقی یافتہ قوموں کی صفوں میں مسلم قوم کو بھی شمار کیا جاسکے۔

رہا الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام سے دوسرا مقصد کہ اس کے فارغین عربی زبان میں صاحب قلم و لسان ہوں تو اس زبان کی اہمیت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ مذہب اسلام کا سارا سرمایہ اسی زبان میں ہے اس کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات کو عام سے عام تر کرنے کے لئے عربی زبان پر قدرت ضروری اور لازم ہے۔

---

[1] حافظ ملت نمبر ص ۵ [2] اشرفیہ کا ماضی اور حال ص ۵۳

آج ہماری درسگاہوں کے فارغین کی عربی زبان میں استعداد و لیاقت کا حال معلوم ہے دس دس سال اسی زبان سے افادہ و استفادہ کے باوجود عربی زبان کی افہام و تفہیم پر بخوبی قدرت نہیں حاصل ہو پاتی۔ میرے خیال میں یہ اشتغال بالا یعنی اور مقصد پر کم توجہ دینے کا نتیجہ ہے۔

حافظ ملت کا یہ عظیم احسان ہے کہ آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم کرکے ایک راہ متعین کر دی اور اپنے مطمح نظر سے یہ واضح کر دیا کہ ہم اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب فارغین انگریزی و عربی زبان میں صاحب قلم و لسان ہوں۔

مفید طریقۂ درس

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ "مفید طریقۂ درس" کو تعلیم کے لئے ایک بڑا ہی اہم جز قرار دیتے تھے روایتی درسی طرز سے ہٹ کر یہ طریقہ اپناتے تھے کہ کتاب اور بحث کو سامنے رکھ کر ایسی جامع تقریر فرماتے کہ جس موضوع سے متعلق وہ بحث ہوتی اس کے تمام جزئیات پر وہ تقریر حاوی ہوتی اور اس طرح طلبہ کے ذہنوں میں علم کا ایک خزانہ منتقل ہو جاتا۔ ایسا حافظ ملت نے کیوں کیا تھا اس کے وجوہ و اسباب طلبہ میں مطالعہ کی بے رغبتی اور بد ذوقی تھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی تقریر سے استفادہ انھیں طلبہ کے لئے ممکن ہوگا جو مطالعہ کے ساتھ شریک درس ہوتے ہوں۔ آپ کی اس طرح تدریس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ سبھی طلبہ بامطالعہ شریک درس ہوتے اور پابند مطالعہ ہو جاتے۔ اور آج بھی یہی وجہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی طریقۂ تعلیم اس طرح رائج ہے کہ جو موضوع زیر بحث ہوتا ہے متعلقہ استاذ اس پر پوری تیاری کرتا ہے بلکہ اسے قید تحریر میں لا کر ایک نوٹ تیار کر لیتا ہے پھر آکر درسگاہ میں لکچر دیتا ہے اسکی تقریر کو طلبہ ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ بھی اس تقریر کا نوٹ تیار کر لیتے ہیں یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ میں مطالعہ کی عادت پڑے اور تحریری صلاحیت بیدار ہو سکے۔[1]

حافظ ملت قدس سرہ ان طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے جو اپنے مطالعہ کی روشنی میں ان سے سوالات کرتے حضرت کی پوری تدریسی زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں دیکھی جا سکی کہ آپ نے کسی طالب علم کے سوال کو نظر انداز فرمایا ہو۔ بلکہ سوال کرنے پر بہت خوش ہوتے تھے اس طرح طلبہ میں ذہنی بیداری بھی پیدا ہوتی اور بڑے سے بڑے میدان علم میں اترنے کے لئے جیسا اعتماد چاہیے وہ حاصل ہو جاتا۔ اس کے برخلاف آج بہت سی درسگاہوں میں سوال کرنے پر برہمی کا اظہار کیا جاتا ہے اس طرح ان کے حوصلے صرف پست ہی نہیں ہوتے بلکہ مر بھی جاتے ہیں علمی جرأت و ہمت دفن ہو جاتی ہے اور مقابلے کے لئے کسی میدان میں اترنے کے لئے سکت باقی نہیں رہ جاتی۔

حافظ ملت قدس سرہ کے تلامذہ میں آج بھی یہ خصوصیت دیکھی جا سکتی ہے کہ وہ کسی بھی بڑے سے بڑے علمی میدان میں نہایت پُر امید اور پُر اعتماد ہوتے ہیں وہ شکوک و شبہات میں قطعاً مبتلا نہیں ہوتے۔

حافظ ملت قدس سرہ دوران درس بھی نہایت نپے تلے جملے مناسب الفاظ استعمال فرماتے تقریر کو بہت زیادہ طول نہ دیتے بلکہ مختصر اور جامع تقریر فرماتے[2] اس کا التزام کرتے کہ معیار سے زیادہ اونچی تقریر ہونے پائے کلموا الناس علی قدر عقولهم پر خصوصی عمل فرماتے۔

تعلیم کا صحیح استعمال

تعلیمی نکھار کے لئے تربیت جزو لازم کا درجہ رکھتی ہے آج کل ہمارے اکثر مدرسوں میں بہت سارا زور صرف تعلیم پر صرف کیا جاتا ہے تربیت پر کوئی خصوصی توجہ نہیں دی جاتی جب کہ ایسی تعلیم جو کہ تربیت سے خالی ہو اس تعلیم سے

---

۱ حافظ ملت نمبر ص ۲۳۶ ملخصاً ۲ ایضاً بتغیر ۱۲

حافظ ملت کا نظریۂ تعلیم

دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی ہم آہنگی

حکیم محمد یوسف عزیزی بستوی دفتر تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ

جلالۃ العلم، استاذ العلماء، حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی۔ آپ ایک عظیم مفکر بھی تھے، مدبر اور مصلح بھی، سیاست کے ماہر اور اخلاق کے پیکر بھی۔ وہ تحقیق، تصنیف افتار، تدریس اور وعظ میں اپنے ہمعصروں کے مابین ایک انفرادی مقام رکھتے تھے۔ آپ کی شخصیت ان تمام میدانوں میں قابل رشک اور سرمایۂ افتخار تھی۔ آپ جس میدان میں بھی آتے اسے آپ پر ناز ہوتا۔ لیکن ان تمام خوبیوں میں جسے بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ علم کی خوبی ہے یہی وہ کمال ہے جس کے دامن سے وہ تمام کمالات وابستہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تمام تر توجہ اسی خوبی و کمال کو فروغ دینے اور رائج کرنے میں مبذول فرمادی۔

تعلیمی اعتبار سے آجکل علم دو قسموں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

(۱) دینی علوم (۲) عصری علوم

ہمارے اسلاف کے عہد میں یہ تقسیم نہ تھی وہ عصری علوم کو بھی دینی علوم کا ایک جزء قرار دیتے تھے اور اسی لئے اُنھیں دین و دنیا دونوں کی قیادت عظمیٰ حاصل تھی۔ بعد میں رفتہ رفتہ دونوں علوم میں دوری اُبھرتی گئی حتی کہ دونوں کے مابین قریب قریب نفرت کی ایک خلیج حائل ہوگئی۔ جس کا عالم اسلامی پر یہ اثر پڑا کہ قیادت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ دنیا کی قیادت تو عصری علوم کے واقف کاروں کے ہاتھ لگ گئی اور مذہبی قیادت کی باگ ڈور ہمارے علماء کرام نے سنبھالی۔ اور اس طرح ان میں اور دنیا و اہل دنیا میں بڑی حد تک دوری پیدا ہوگئی۔ دنیوی قیادت چونکہ دین آشنا نہ تھی اس لئے اس میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوگئیں۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوں۔ اس تجزیہ کے پیش نظر ہم مختصر لفظوں میں اگر حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تعلیم کا تعین کریں تو اس کی تعبیر ہوگی:

"دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی ہم آہنگی"

ہم قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لینے کے لیے علم کی اہمیت اور ساتھ ہی حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانے کے حالات کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں۔

علم کی اہمیت

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عقل و دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے اس لئے اسے جہاں پائے وہ اسکا زیادہ مستحق ہے۔ شارحین اس کی شرح میں فرماتے ہیں یعنی دانشمندی کی بات سے مسلمان کا ازلی رشتہ ہے وہ خواہ کوئی بیان کرے مسلمان کو اخذ کرلینی چاہیئے خواہ بیان کرنیوالا کسی مذہب، کسی قوم، کسی ملک کا ہو۔ اس میں تعصب اور تنگ نظری روا نہیں۔

اس حدیث شریف سے جہاں دیگر علوم دنیاوی کی اہمیت و افادیت کا پتہ چلتا ہے وہیں دنیا کے سارے علوم و فنون پر مسلمانوں کا بنیادی حق ثابت ہوتا ہے چاہے وہ اب تک وجود میں آگئے ہوں یا آئندہ کبھی بھی آنیوالے ہوں۔

معلوم ہوا علم دین کے ساتھ ہی ساتھ دیگر علوم دنیاوی کا بھی حاصل کرنا ایک عالم دین اور فقیہ کے لئے ضروری ہے کیونکہ سائنسی ایجادات ہماری روزمرہ کی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اور فقہی مسائل کے حل میں دشواریاں بڑھتی جارہی ہیں۔ بیشمار مسائل ایسے ہیں جن میں مفتیان کرام کو ایجادات کی حقیقت وکیفیت سے ذاتی طور پر تفصیلی آگاہی اور تحقیق ضروری ہوتی ہے کیونکہ دوسروں کے بیانات وانکشافات پر بھروسہ کرکے فتاویٰ صادر کرنے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بیان اور بنیاد ہی غلط نہ ہو جس پر فتوے کی عمارت قائم ہورہی ہے ایسی صورت میں پورا فتویٰ ہی غلط ہو جائے گا اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ پہلا بیان غلط تھا تو رجوع بھی ضروری ہوگا۔ ایک خرابی وپریشانی تاخیر جواب کی بھی پیش آتی ہے کیونکہ ایجادات کی تفصیلات سے پیشگی آگاہی نہ ہوئی تو سوالات آنے کے بعد ماہرین کی طرف رجوع کی نوبت آتی ہے وہ فقہی باریکیوں سے قطع نظر اپنے طور پر موٹی تحقیق جو جانتے ہیں بیان کر دیتے ہیں۔ پھر بھی اس رابطہ ومراجعت میں عرصہ لگ جاتا ہے اور فتویٰ مؤخر ہوتا جاتا ہے عوام پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں یا اس وقت تک ایجادات کے غلط استعمال میں اس قدر گھر چکے ہوتے ہیں کہ نکلنے کی صورت مشکل ہوجاتی ہے۔ الحاصل اگر ہمارے علماء کرام وفقہاء عظام کو عصری تعلیمات میں خود مہارت ہو تو دوسروں کی تحقیقات پر بھروسہ کرنے کی حاجت ہی نہ ہوگی اور ان کا جواب اپنے علم ویقین کی روشنی میں ہوگا۔

•

فرمان نبوی ہے اطلبوا العلم ولو کان بالصین علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے۔

اس حدیث شریف میں ایک واضح حکم ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ علم حاصل کرو اس کیلئے چاہے جتنی پریشانیاں اٹھانی پڑیں اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکار نے چین کا ہی نام کیوں لیا؟ کسی اور دشوار گذار جگہ کا نام لیا جاسکتا تھا یا بغیر کسی مقام کا نام لئے بھی علم کی اہمیت جتائی جاسکتی تھی اور اس کے لئے بڑی سے بڑی پریشانیوں کو جھیلنے کی جانب راغب کیا جاسکتا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ نگاہ نبوت کا اعجاز ہے جو ملاحظہ فرمارہی تھی کہ چین میں کون سا علم عروج پر ہے کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایجاد وحکمت میں چین آگے تھا۔ اور عرب سے چین کا سفر بھی انتہائی دشوار تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں سفر کے صرف تین ذرائع تھے (۱) پیدل (۲) سواری کے جانور (۳) کشتی۔ ان تینوں ذرائع سے چین کا سفر مسافت کے لحاظ سے برسوں کا تھا علاوہ ازیں جنگلوں، دریاؤں اور ناقابل عبور پہاڑوں کا طویل سلسلہ راستے میں حائل تھا۔ کشتی کے ذریعہ بحری سفر تقریبا نصف دنیا کو گھیرنے کے برابر تھا۔ بقیہ دنیا کے دور دراز اور دشوار گذار راستوں پر واقع مقامات انسانی آبادی سے خالی تھے یا علم سے کورے تھے۔ ان باتوں کو سامنے رکھیں تو چین کو نامزد فرمانے کی وجہ واضح ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو ہزار تا چار ہزار درہم فدیہ مقرر فرمایا تھا۔ جو فدیہ ادا نہیں کرسکتے تھے ان کی رہائی کے لئے یہ شرط تھی کہ دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔ اس سے بھی عصری فن سیکھنے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ سرکار نے صرف دس مسلمانوں کو کتابت سکھانے کے بدلے بڑے سے بڑے دشمن کو رہائی کا پروانہ عطا فرمایا تھا۔

قرینہ بتاتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کریمہ میں عصری علوم کی بات کی گئی ہے کیونکہ علم دین حاصل کرنے کا اس وقت واحد مرکز حضور کی ذات گرامی تھی۔ باقی پوری دنیا علم دین سے خالی تھی۔ یہ بات مسلم ہے کہ علم دین کے بعد ہی دنیاوی علوم نافع ہوسکتے ہیں۔ بغیر علم دین کے دنیاوی علوم خطرناک اور مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

خالص عصری علوم کے خطرناک نتائج

الف آج کے نام نہاد ترقی یافتہ دور میں علم سائنس کو بڑا عروج ہے۔ انسان سائنسی ایجادات کی بدولت سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور فضاؤں سے پرے پرواز

کر رہا ہے جس کی پرکشش خبروں سے دنیا بھر کے اخبارات و
رسائل پر نظر آتے ہیں۔ اس کام میں خیر و شر کی بات ابھی واضح
طور سامنے نہیں آسکی ہے۔ چند سائنسدانوں اور دانشوروں
تک ہی اس کی ساری کامیابیاں یا ناکامیاں محدود ہیں۔ عوام کی
نگاہوں کے سامنے ابھی اس پر گہرا تکہ رہے لیکن اسی سائنس کی
ایجاد کے دوسرے شعبہ میں جس کا تعلق جنگی صلاحیتوں سے ہے
اس کی ترقی نے پوری دنیائے انسانیت کو عدم تحفظ کی فکر میں مبتلا
کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی صرف دو عظیم جنگی طاقتوں نے پوری
دنیا کو سترہ، سترہ بار مٹا دینے کی مقدار میں تباہ کن ہتھیاروں
کا ذخیرہ جمع کر لیا ہے اس سے ہونے والی تباہی کا اندازہ ایک
مفکر کے اس قول سے لگائیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اب اگر تیسری
عالمی جنگ چھڑ جائے تو دنیا کی بربادی کا یہ حال ہوگا کہ چند جانداروں
اور انسانوں کے علاوہ، جو پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دروں میں
چھپ کر بچ سکیں گے، ساری دنیا تباہ ہو جائے گی۔ یہاں تک
کہ حشرات الارض، گھاس پھوس پیڑ پودے سب فنا ہو جائینگے
سمندروں اور دریاؤں کا پانی زہر آلود ہو جائے گا۔ پانی کے
سبھی جانور مر جائیں گے اور سارے علوم و فنون مٹ جائیں گے۔
اس تباہی کے ہزاروں سال بعد جو پہلی جنگ ہوگی وہ لاٹھی سے
لڑی جائے گی۔ دیکھا آپ نے، اس سائنسی جنگی ترقی نے خود اپنی
تباہی کا پورا پورا سامان ایک بار کے لئے نہیں بلکہ چونتیس بار
کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ گویا علم و شعور کا سارا سرمایہ علم و
شعور کی ترقی کے نام پر تباہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔ کاش کسی ایک بھی
سائنسدان کی سمجھ میں یہ آیا ہوتا کہ اس تباہی سے دنیائے انسانیت
کو بچانے کے لئے آگ لگانے والے ہتھیاروں کے مقابلے پانی
برسانے والا ہتھیار بنایا جائے اور فضا کو زہر آلود کرنے والے
ہتھیاروں کے مقابلے میں زہر آلود فضا کو خوشگوار فضا میں بدلنے
والا ہتھیار بنایا جائے۔ نادانوں کو خود اپنی حفاظت کی بھی فکر
نہ ہوئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا کے سارے سائنسدان
اور ان کے معاون و مددگار پاگل ہو گئے ہیں؟ نہیں۔ پھر کیا
وجہ ہے؟ اس کی وجہ علم دین سے دوری اور مذہب حق
سے پیدا ہونے والے شعور انسانی سے تہی دامانی باطل پرستی
اور لادینیت کا فروغ ہے۔

ب دینی علوم کے بغیر دنیاوی علم، جہل ہے اور
جہل ام الاوہام ہے۔ یعنی جہل کے بطن سے توہمات
پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب انسان دریاؤں پر
بند نہ باندھ سکا تو اس کو معبود مان لیا۔ پہاڑوں کو عبور نہ کر سکا
تو اس کی پوجا کرنے لگا۔ چاند ستاروں تک نہ پہنچ سکا تو انکی
پرستش کرنے لگا۔ اس طرح اپنی عقل کا تابع اور واہمہ کا
شکار ہو کر انسان ہزاروں معبودانِ باطل کے سامنے سجدہ ریز
ہو گیا۔ حیرت ہے کہ انسان آج ترقیوں کی منزل تک پہنچنے کا
دعویدار ہو کر بھی ان توہمات سے نجات نہ حاصل کر سکا جب کہ آج
بڑے بڑے دریاؤں پر ڈیم بنا کر قابو پا لیا ہے۔ انسان چاہتا
ہے تو...... دریا بہتے ہیں اور نہیں چاہتا ہے تو نہیں بہتے ہیں۔
یہاں تک کہ انسان جدھر چاہتا ہے وہ دریا اسی طرف بہتے ہیں
اور جدھر نہیں چاہتا اس طرف نہیں بہہ سکتے۔ ہوائی جہازوں
اور دوسرے ذرائع سے اونچے اونچے پہاڑوں کو آن کی آن میں
عبور کر رہا ہے بلکہ آج دنیا کا کوئی بھی پہاڑ ایسا نہیں ہے جس کو
انسان نے فٹ اور انچ سے ناپ نہ لیا ہو۔ پہاڑوں کو بیچ راستوں
سے کاٹ کر چوڑی چوڑی سڑکیں بنالی ہیں اور ریلوے لائنیں
بچھا دی ہیں۔ چاند اور ستاروں پر قیام کر رہا ہے اس کے باوجود بھی
انسان واہمہ کی تیرگی میں ہی بھٹک رہا ہے۔ حضور حافظ ملت
علیہ الرحمہ کا نظریہ تعلیم انسان کو واہمہ کی تیرگی سے نکال کر حقیقی علم کی
روشنی میں لانے کا ہے جس سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ایمان
کی ضیا ملے گی اور باطل خداؤں کا بطلان ہر کس و ناکس پر واضح
ہوگا اور انسانیت علم کے صحیح مقام کی شناخت سے بہرہ مند ہوگی۔
اور پوری دنیائے انسانیت کو امن و سکون کی راہ معلوم ہوگی۔

ج دنیاوی علوم سے مزین نام نہاد ترقی یافتہ طبقہ
نے اصلاح معاشرہ و مساوات کے نام پر آزادی
نسواں کا نعرہ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا میں آزادی نسواں
کی جانب عملی اقدام شروع کر دیا گیا۔ سارے کالجز اور یونیورسٹیوں

کے دروازے لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کھول دیے گئے اس طرح لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں عورتیں مردوں کے ساتھ شریک ہوگئیں۔ دفتروں میں کلرکوں سے لے کر افسروں تک، کورٹ کچہریوں میں وکلاء سے لیکر منصفوں اور ججوں تک، انتظامیہ میں پولیس اور اعلیٰ عہدیداروں حتیٰ کہ فوج تک۔ تجارتی اور صنعتی اداروں میں، غرضیکہ اسمبلیوں، پارلیمنٹ اور اقتدار اعلیٰ کی کرسیوں تک عورتیں نظر آنے لگیں۔ انسان کے ازلی دشمن شیطان کو خوبصورت موقع ہاتھ آیا اور اس نے جنسی بے راہ روی کو پروان چڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ناجائز بچوں کی باڑھ آنی شروع ہوگئی۔ پھر اسپتالوں میں اسقاط حمل کا شعبہ قائم کیا گیا اور اسقاط حمل کو قانونی تحفظ بھی دیا گیا۔ انسانیت کا عظیم جوہر حیا رخصت ہوگئی اور بے حیائی و بے غیرتی نے انسانی ضمیر پر قبضہ جمالیا۔ اب جو مصیبت بڑھی تو الامان والحفیظ اسی جنسی بے راہ روی نے ایسی ایسی پیچیدہ بیماریاں پیدا کردیں کہ علاج ذہن پڑا اور زندگی عذاب بن گئی۔ اسباب کی تلاش میں دنیا بھر کی عورتوں سے انٹرویو لئے جانے لگے۔ معلوم ہوا ان بیماریوں کی وجہ جنسی بے راہ روی ہے اس کا علاج تلاش کرنے کے لئے بڑی بڑی لیبوریٹریاں قائم کیجارہی ہیں اور علاج کی تیاری پر سارا زور خرچ کیا جارہا ہے نتیجہ کیا ہوگا؟ کامیاب علاج تیار بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ بعد میں معلوم ہوگا مگر اتنا آج ہی معلوم ہے کہ فطرت انسانی سے جنگ کا نتیجہ برا ہی ہوتا ہے۔ جب تک علاج تیار ہوگا یہ بیماریاں کوئی نیا موڑ لے لیں گی یا اور کوئی نئی مصیبت بیماری کی شکل میں پیدا ہو جائے گی اور پھر اس کی تحقیق و تفتیش شروع کیجائے گی۔ غرضیکہ انسانیت اب تباہی کے دہانے تک پہنچ چکی ہے۔ کاش ان نادانوں کی سمجھ میں آتا کہ ترقی پسندی اصلاح معاشرہ اور مساوات جیسے خوبصورت ناموں سے اٹھایا ہوا قدم جو اس تباہی کی بنیاد ہے واپس لے لیا جائے۔

ثابت ہوا کہ پختہ اسلامی علوم کے بعد ہی دیگر دنیاوی علوم و فنون کی تعلیم دنیائے انسانیت کے لئے مفید و کارآمد ہو سکتی ہے۔ بغیر دینی علوم کے دنیاوی علم چاہے جس مرتبے کا ہو علم نافع کے زمرے میں نہیں آسکتا۔

آئیے اب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی عملی زندگی میں جھانک کر دیکھیں حضرت کا نظریہ تعلیم کیا تھا (۱) دارالعلوم اشرفیہ (۲) الجامعۃ الاشرفیہ (۳) مدارس عربیہ کی سرپرستی۔

حضرت نے دارالعلوم اہلسنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کو ترقی دیکر قلیل مدت میں عالیشان عمارت کی تعمیر کے ساتھ ہی ساتھ علم دین کا کامل و مکمل انتظام فرمایا پھر اس کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام فرماکر دنیاوی علوم کا راستہ ہموار کردیا کہ قیامت تک ملت اسلامیہ سنت نبوی پر عمل پیرا رہ کر مستفیض ہوتی رہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کا نظریہ تعلیم دینی اسلامی تھا۔ اس لئے کہ مذہب اسلام ہی دنیائے انسانیت کو امن و سکون کے ساتھ خوشحال زندگی عطا کرتا ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس میں پیدائش سے لے کر قبر و حشر کی زندگی کے رہنما اصول متعین ہیں جو جملہ شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے پہلے دینی تعلیم کا مستحکم انتظام فرمایا اور علمائے دین کی عظیم فوج تیار کر کے مختصر سی مدت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت کے ہزاروں تلامذہ آج نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں حضرت کے مشن کی کامیابی کے لئے مصروف عمل ہیں۔ دوسرے مرحلہ میں حضرت نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیمات کا عظیم منصوبہ بنا کر الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد ڈالی تاکہ دنیائے انسانیت کو تباہی سے بچایا جاسکے اور سائنس کی تعلیمات کے مائل بہ شر رخ کو خیر کی جانب موڑا جاسکے اور ایسے لوگ پیدا کئے جاسکیں جو دنیا کو امن و سکون کی راہ بتا سکیں اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام عطا کریں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک دارالعلوم اشرفیہ یا الجامعۃ الاشرفیہ ہی پوری ملت اسلامیہ بلکہ دنیائے انسانیت کی تعلیمی ضرورت پوری کرسکتا ہے؟ خود حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا عمل یہ بتاتا ہے کہ آپ کا جواب نفی میں ہے۔ اگر اثبات میں جواب ہوتا تو ان کی توجہ دوسرے اداروں کے

قیام کی جانب ہرگز نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جتنے مدارس کا قیام فرمایا اور سرپرستی قبول فرمائی۔ قوم کو اداروں کے قیام کی جانب متوجہ فرمایا ان کی فہرست بہت طویل ہے خود حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اسم گرامی کی مناسبت سے سیکڑوں مدارس دار العلوم عزیزیہ وغیرہ جیسے ناموں سے ملک کے طول و عرض میں چل رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بھی دینی تعلیم کے ساتھ معقول عصری تعلیمات کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے رہے۔ جس کو خود کرکے انھوں نے دکھا دیا۔ گویا راستہ ہموار کر دیا اور منزل کا پتہ بتا دیا۔ الحمد للہ بیشتر مدارس عربیہ کے ارکان و اساتذہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے راستہ پر منزل کی جانب رواں دواں ہیں اور دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کو داخل نصاب کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ اب جامعات کے قیام کا سلسلہ بھی آپ کی تقلید میں شروع ہو گیا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا نظریۂ تعلیم "دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی ہم آہنگی" وہ نظریہ ہے جو کائنات ارضی کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا سکتا ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح و نجات ہے۔

دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی ہم آہنگی کا یہ ایک خارجی اور عظیم فائدہ ہے جس کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔ داخلی فائدہ وہ ہے جس کا تذکرہ پہلے کر چکا ہوں کہ بعض عصری ایجادات سے فقہی مسائل کا بھی گہرا ربط ہوتا ہے۔ جن کے حل کے لئے عصری علوم سے آشنائی کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ خود تبلیغ اسلام کے لئے کم از کم عصری عالمی زبانوں کی ضرورت مسلّم ہے۔ آج کی مادہ پرست دنیا جو مادہ ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ کر خالص الحاد و بے دینی کی راہ پر گامزن ہے اسے قرآن کے حیرت انگیز انکشافات سے آگاہ کرنے اور اس کا عالمگیر چیلنج سنانے کے لئے بھی بہت سی جدید تحقیقات سے آگاہی کی ضرورت پڑتی ہے دنیائے جدید کے بیشمار مذہب بیزار افراد کو آج تک یہ معلوم نہیں کہ لاتعداد وہ تحقیقات جن تک سائنس سیکڑوں مراحل طے کرنے کے بعد آج رسائی حاصل کر سکی ہے قرآن کے دامن میں وہ چودہ سو سال پہلے سے ہی عیاں طور پر موجود ہیں۔ یہ وہ حیرت انگیز انکشافات ہیں جو بڑے سے بڑے دانشور کو بھی ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں کہ قرآن اس نبی امی کا کلام نہیں جن کا ظہور عرب کے فلسفہ نا آشنا ریگزاروں میں چودہ سو تریسٹھ سال پہلے ہوا تھا۔ یہ سو سال پہلے کی متمدن سے متمدن دنیا کے کسی عظیم سے عظیم دانشور کا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ پوری دنیا ان حقائق سے اس وقت بھی نابلد تھی۔

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت سے بالاتر ایک ہستی کا اعتراف کریں اور اسی کے پیغام کی حیثیت سے قرآن اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور یقین کرنے پر مجبور ہوں۔

اگر آج کی اسلامی دانشگاہیں سائنسی موجدین نہ پیدا کر سکیں لیکن سائنسی دنیا کو ازلی ہدایت سے ہمکنار کر کے اس کی دنیا و آخرت سنوار دیں تو میں سمجھتا ہوں یہ سائنسی ایجادات سے بالاتر اور عظیم تر کارنامہ ہے۔ کسی بھی صاحب عقل و ایمان کو حقارت سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے دعوت حق کا یہ کارنامہ حافظ ملت کی نظریۂ تعلیم عصری و دینی علوم کی ہم آہنگی سے ہی پورے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔

میں ان ہی سطور و خیالات پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید تفصیلات امید کہ دیگر اہل قلم حضرات نے رقم فرمائی ہوگی"

بقیہ ص۵۷ کا

مارتا ہوا سمندر ایک کوزے میں سمٹ آیا تھا۔ ع

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

مگر آہ! اسے

کیا خبر تھی موت کا یوں حادثہ ہو جائے گا
یعنی آغوش زمیں میں آسماں سو جائے گا

(مولانا کامل سہسرامی)

حافظِ ملت کا نظریۂ تعلیم

ماسٹر آفتاب احمد خاں استاذ جامعہ اشرفیہ

دنیا میں بہت سے ماہرینِ تعلیم پیدا ہوئے اور مختلف ڈھنگ سے اپنا اپنا تعلیمی نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان میں کچھ تھیوریٹیکل (فکری و اصولی) حد تک ہی رہے۔ اپنے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہے۔ جیسے پلیٹو (افلاطون) نے اپنا یوٹوپین اسٹیٹ کا نظریہ پیش کیا جو آج تک اس روئے زمین پر عملی جامہ نہیں پہن سکا۔ کچھ ایجوکیشنسٹ تھیوریٹیکل کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل بھی رہے۔ انھیں میں ایک حضور حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی ہے۔

آپ ایک اعلیٰ درجے کے باعمل عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ٹیچر، تھنکر، ریفارمر اور ایجوکیشنسٹ تھے۔ آپ نے ساٹھ سال تک تدریس اور تبلیغ دین کا کام انجام دینے کے بعد ایک باعمل ایجوکیشنسٹ کی حیثیت سے اپنا تعلیمی نظریہ پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں مسلمانوں میں دنیاوی تعلیم کا حمایتی ہوں لیکن دنیاوی تعلیم بغیر دینی تعلیم کے ایک بے لگام سرکش گھوڑے کی مانند ہے جو سوار کے لئے کسی وقت بھی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر مسلمان کو پہلے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانا چاہئے دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم میں جو لغویات ہیں وہ کبھی اس بچے کی زندگی میں غالب نہیں آئیں گے اور اگر بچہ صرف دنیاوی تعلیم حاصل کرتا ہے تو اس کے اوپر گمراہوں اور ملحدوں کے نظریات حاوی ہو جائیں گے اس لئے کہ وہ قرآن مقدس اور حدیث پاک کی تعلیمات سے ناآشنا ہے۔

آپ دنیاوی تعلیم کے حمایتی اس لئے اور بھی تھے کہ آپ تعلیم دین کو روزی روٹی کا ذریعہ بنانا نہیں پسند کرتے تھے

آپ دنیاوی اصولی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ٹکنیکل ایجوکیشن کے قائل تھے۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن افتتاح کے موقع پر فرماتے ہیں۔ "میں اپنے اس ادارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، سنسکرت کو زبان کی حیثیت سے نصاب میں داخل کروں گا تاکہ میرے طالب علم دنیا کے گوشے گوشے میں ان زبانوں کے ذریعہ اسلامی افکار و نظریات کی تبلیغ و ترویج میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں میں اپنے اس الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربک یونیورسٹی کے نصاب میں ٹیکنیکل تعلیم کے شعبے میں صابن بنانا۔ کپڑے کی کٹنگ اور سلائی اور دوسری مشینری کے کاموں کو داخل کروں گا۔

آپ تعلیم کا مقصد صرف اصول کی حیثیت سے جاننے کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر دوسروں تک پہنچانے کے قائل تھے آپ خود اپنے اصول پر کس درجہ کاربند تھے اس کا اندازہ ان حضرات کے تاثرات سے لگایا جا سکتا ہے۔ جنھیں آپ کی رفاقت میسر آئی ہے۔ ان سب کا بالاتفاق کہنا ہے کہ حضرت کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، تدریس و تبلیغ، گفتگو و تواضع عین سنت تھی۔ آپ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھاتے تھے۔ آپ کی نماز کی تبلیغ نماز کا انداز تو ذرا غور فرمائیے۔ ایک شخص کو پانی پر دم کر کے دینے کے بعد فرماتے ہیں ہر نماز کے بعد اسے پیجئے گا، اسی طرح ایک موقع پر ایک شخص اختلاج قلب میں مبتلا ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اس شخص نے کہا۔ حضرت مجھے کسی حال میں کہیں چین نہیں ملتا آپ نے فرمایا۔ "آپ قرآن شریف کی تلاوت کیجئے ان شاء اللہ آپ کو سکون قلب حاصل ہوگا" کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے

اس عزیز شخص کو دیکھا کہ وہ بہت اطمینان وسکون کی زندگی بسر کر رہا ہے۔
آپ کی تعلیمی وسیع النظری کی وجہ سے آئی۔ ایس۔ آئی۔ پی۔ ایس، پی۔ سی۔ ایس۔ جے آفیسرز کے ساتھ ساتھ وکلاء، ڈاکٹر اور ٹیچر بے حد عقیدت مند تھے۔ یہ میرا اپنا نظریہ ہے کہ غالباً آپ اس قول کے قائل تھے کہ۔ ہیٹ دِسِن ناٹ دِسِنر ,, یعنی گناہ سے نفرت کرو گناہگار سے نہیں۔
آپ دینی ودنیاوی تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کر کے قوم وملت میں اتحاد واتفاق، محبت ومروّت کے ذریعہ ایک ایسا ماحول بنانا چاہتے تھے جو آنے والی نسلوں کے لئے نمونۂ عمل ہو۔ اس دینی ودنیاوی تعلیم کو ایک ساتھ حاصل کرنے کی نصیحت صرف دوسروں کو ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ نے اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کو پہلے ابتدائی دینی تعلیم سے آراستہ کیا پھر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ای سے فراغت کے بعد دار العلوم اشرفیہ سے فاضل درس نظامیہ کے کورس کو پورا کرانے کے بعد عزیز ملت کی شکل میں اپنی جانشینی کے فرائض پورا کرنے کے لیے قوم وملت کے سپرد کیا۔

گلہائے عقیدت

واصف مراد آبادی

عزیز ملت قبلہ

اے گلستان عزیزی کے گلاب ویاسمیں
خوبصورت خوب سیرت پیشوائے اہل دیں
جانشین حافظ ملت ہیں ملت کے عزیز
سربراہ جامعہ گلزار فردوس حسیں
آپ ہی سے اشرفیہ کا چمن شاداب ہے
آپ عزم حافظ ملت کے ہیں سچے امیں
جب کسی محفل میں پہنچے بول اٹھے اہل چمن
آگئے یہ حافظ ملت کے دیکھو جانشیں

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان

حافظ ملت اک ایسی شخصیت کا نام ہے
جسکے آگے اونچے والوں کی جھکتی تھی جبیں

اب بھی فیض حافظ ملت ہمارے سر پہ ہے
حافظ ملت یہ مانا ظاہراً ہم میں نہیں
لیکن شمع آرزو اب ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم
چھپ کے آنکھوں سے ہماری چھپ گئے زیر زمیں
اس جہاں میں حافظ ملت کہاں سے لائیں ہم
سامنے جسکے جھکائیں ہم عقیدت کی جبیں
علم وحکمت اور تدبر کا حسیں مینار تھے
سرور کونین کے دیوانۂ ہشیار تھے
سر پہ خم آنکھیں حیا سے نیچی اور زندہ شعور
آپ نے توڑے ہیں کتنے موج طوفاں کے غرور
آپ نے کی ہے عطا ہمکو وہ دولت لازوال
ہند میں جسکی نہیں ملتی ہمیں کوئی مثال
اپنے ہاتھوں سے سجا کر شہر، علم وفکر کا
حافظ ملت ہمارے ہو گئے ہم سے جدا
آپکا واصف عزیزی آپکو کرتا ہے یاد۔ زندہ باد اے حافظ ملت ہمیشہ زندہ باد

حافظِ ملت اور تعلیم

شمس الہدیٰ مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

مبسملاً و محمدلاً و مصلیاً۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ساز شخصیت کئی حیثیتوں سے عوام و خواص میں جانی پہچانی جاتی ہے مگر چونکہ میں تعلیم و تدریس ہی سے زیادہ متعلق ہوں اور اسی جہت سے میرا لگاؤ حافظ ملت سے بھی ہے کہ ایک ہی واسطے سے آپ کے تلمذ کا شرف حاصل ہے نیز تعلیم ہی آپ کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اسی کی ترویج و اشاعت میں ساری زندگی وقف کر دی اسی کے سبب آپ کو حافظ ملت کہا گیا۔

اسلئے میں نے چاہا کہ آپ کی تعلیم سے متعلق کچھ معمولی پونجی صفحۂ قرطاس میں لے کر خریداران یوسف کی فہرست میں اپنا بھی نام درج کروا لوں۔

ہم اپنے اس قول میں حق بجانب ہیں کہ اسلاف میں حافظ ملت کی ذات عالی صفات چند میدانوں میں انفرادیت اور مثالیت کی حامل ہے، مثلاً آپ نے علم دین کے فروغ میں بے لوث ہو کر اتنا عظیم اقدام کیا کہ ساری دنیا محوِ حیرت بنی منہ تک رہی کوئی خاص متمول حلقۂ اثر نہ ہونے کے باوجود عربک یونیورسٹی کے قیام کا خواب بڑے دل، گردے کی بات ہے اور اسے پھر شرمندہ تعبیر کرنا اس سے زیادہ حیرتناک کیونکہ ذہن میں کسی عظیم ادارہ کا قیام تو بہت آسان ہے وہاں بہت سے محل تعمیر ہوتے ہیں اور آناً فاناً منہدم ہو کر زمین بوس ہو جاتے ہیں اسلئے کسی قلعہ یا انجمن کا وجود ذہنی زیادہ حیرت انگیز نہیں مگر وجود خارجی کی بڑی قدر و قیمت ہے، خیالات کا اس مرحلہ میں آنا کارے دارد۔

یہ انفرادیت بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے طالب علم آپ کے حسن سلوک اور شفقت پدری کے باعث یہی محسوس کرتے کہ حضرت مجھ کو زیادہ چاہتے ہیں بلکہ عوام تک کا یہی حال تھا۔ حافظ ملت ہی کی ذات ہے جس نے علم و فضل کے نیسے ایسے درنایاب قوم مسلم کو دیئے جو ہر میدان میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں اور قوم ملت کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

وہ بھی اتنی بڑی ٹیم تیار کی جو ہند و بیرون ہند کی عظیم ترین درسگاہوں کی زیب و زینت بنے ہوئے ہیں۔ اہلسنت کے اکثر دینی مراکز آپ ہی کے فیض و کرم کے رہین منت ہیں۔ علم و فن کے ماہرین کی بھاری اکثریت بواسطہ یا بلاواسطہ آپکے ہی خرمن علم و فضل کے خوشہ چیں ہے۔

حافظ ملت میدان تقریر و تحریر، تبلیغ و ارشاد، تنظیم و تدبیر اور خاص کر تعلیم و تدریس اور مناظرہ و مباحثہ ہر ایک میں شہسوار نظر آتے ہیں۔

ع جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

کیا یہ واقعہ ہر ایک دعویٰ کا بین ثبوت نہیں ہے؟ کہ گورکھپور شہر کی ایک مسجد میں حضرت علامہ عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے کرسی پر بیٹھ کر تقریر کی تو کچھ شر پسند عناصر نے یہ اعتراض پھیلایا کہ مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے۔ شہر میں ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ملک کے اہم ترین علماء کا ایک قافلہ تھا مگر سب نے اس باد سموم سے مقابلہ کے لئے آپ ہی کو آگے بڑھایا۔ حضرت نے بڑے علم و تدبر کے ساتھ ایک جامع تقریر فرمائی، دلائل و براہین سے اپنے مدعیٰ کو ایسا مبرہن فرمایا اور حدیث پاک کے نص صریح سے مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر وعظ کا جواز اتنے واضح طور پر بیان فرمایا کہ لوگوں کا قلبی خلجان کائی کی طرح چھٹ گیا اور شہر کی فضا علماء سے متعلق

خوش گوار ہو گئی۔

(مولانا نصیر الدین صاحب)

نظریۂ تعلیم

آپ کا نظریۂ تعلیم یہ تھا کہ علم دین کے ساتھ ساتھ علم دنیا کی طرف بھی توجہ دی جائے تاکہ ہمارے افراد صرف مسجد و مکتب یا مدرسہ تک ہی محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ خدمت دین ہمہ گیر پیمانہ پر انجام دیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم کیلئے بھیج سکتے ہو، مگر ابتدا میں دینی تعلیم دینا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے دین سے ایک گونہ واقف رہیں۔ پھر ذاتی مطالعہ سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ جب میں نے کچھ ایسے مسلم افراد دیکھے جو عربی اور اردو سے بالکل ناآشنا تھے کہ نماز جیسے اہم فریضہ کو بھی ہندی کتابوں سے سیکھتے۔

آپ ٹیکنکل لائن کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو بھی اچھی جگہ دیتے تھے فرماتے تھے کہ ہمارے طلبہ کو کم از کم صابن وغیرہ بنانے کا طریقہ اور چھوٹی مشینوں میں مثلاً سلائی کی مشین وغیرہ کی مرمت اور اصلاح سے واقفیت ضروری ہے تاکہ ایک عالم دین خود کفیل اور معاشیات سے بھی مطمئن رہے۔ چنانچہ آپ کے منصوبوں میں طبیہ کالج وغیرہ کا ہونا اسی کی روشن دلیل ہے۔

(سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ ماسٹر آفتاب خاں)

آپ نے اپنے نصاب تعلیم میں معقولات خاصکر منطق کی کتب کا بڑا اہتمام کیا تھا چنانچہ فرماتے تھے کہ، "دو فن ایسے ہیں جن سے آدمی بہت قابل ہو جاتا ہے ایک منطق اور دوسرا اصول فقہ۔ اسی بنا پر یہ مشہور تھا کہ اشرفیہ میں صرف معقولات کی تعلیم ہوتی ہے، باوجودیکہ ہر فن کے ممتاز افراد پیدا ہوتے تھے۔

گویا کہ صوفی کامل حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد "المنطق معیار العلم" کو حافظ ملت نے عملی جامہ پہنایا، جسکے نتائج آج بھی نمایاں ہیں۔

(مولانا نصیر الدین صاحب)

عزم و استقلال کا کوہ گراں

حافظ ملت پر ایسے پرآشوب دور بھی آئے کہ صرف سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر آپ "ان اللہ مع الصابرین" کی زندہ جاوید تعبیر بنے رہے۔ آپ فرماتے تھے۔ لوگوں کے اعتراضات اور تنقیدوں کا مسکت اور دنداں شکن جواب کام ہی ہے۔ اپنا کام کرتے جاؤ، جواب دینے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی۔ آپ کی ہمت جواں مردی بھی کچھ عجیب ہی سی تھی کہ تیرہ ۱۳ کتابوں تک کا یومیہ درس دیتے جس میں سب سے چھوٹا سبق شرح جامی کا رہتا، اور ساتھ ہی گستاخان رسول سے مناظرہ بھی چل رہا ہے نیز اپنے روزمرہ کے معمولات بھی بدستور ہیں خدمت خلق بھی حسب سابق قائم

عزم و استقلال و ہمت کی مسلسل داستاں
اس زمیں کی پستیوں میں دفن ہفت آسماں

(فقیہ النفس مفتی محمد شریف الحق صاحب، علامہ محمد احمد مصباحی)

مطالعۂ کتب

آپ فرماتے کامل مدرس وہ ہے جسے درسیات پر عبور حاصل ہو مگر بلا مطالعہ درس نہ دے آپ بلاناغہ ہر شب کتب درسیہ کا مطالعہ ضرور فرماتے اور اسی کی تاکید بھی فرماتے رہے۔ قرآن عظیم کے بعد سب سے اہم اور اصح کتاب صحیح البخاری کو ہر سال مطالعہ میں مکمل ختم فرماتے صبح کے وقت باضابطہ اس کی تلاوت فرماتے۔ (مولانا نصیر الدین صاحب)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ فن منطق کی بہت ہی ادق اور اہم ترین کتاب قاضی مبارک کا درس آپ کے یہاں ہو رہا تھا۔ حسب معمول تعلیم دی پھر کتاب بند کر دی ایک صاحب نے اپنے ساتھی سے اشارہ میں کہا کہ، "مطالعہ ختم ہو گیا ہے"، حضرت نے محسوس فرمایا کتاب کھول دی، عبارت پڑھنے کا حکم دیا، پھر اسی عظمت و احتشام اور شان و شوکت سے درس دیا، اب طلبہ نے کتاب بند کرنا چاہا فرمایا اور پڑھو مگر اب وہ بیچارے حیرت زدہ بیٹھے ہیں پھر حضرت نے فرمایا عبد العزیز کو قاضی پڑھانے کے لئے مطالعہ کی ضرورت نہیں بفضلہ تعالیٰ ایک نشست میں پوری قاضی پڑھا سکتا ہوں۔

(ایضاً)

طریقۂ درس

آپ کی درس گاہی تقریر بڑی مختصر ہوتی تو وہی طالب علم بھرپور لطف اندوز ہوتا جو مطالعہ کرکے آتا۔ بہت ہی نپے تلے جملے ارشاد فرماتے جو جوامع الکلم کے مظہر ہوتے اور جن سے خیر الکلام ما قل ودل ولا یمل کا کامل نقشہ دل ودماغ پر چھا جاتا۔

طلبہ سے عبارت ضرور پڑھواتے اور بڑے دلچسپ انداز میں غلطیوں کی اصلاح بھی فرماتے۔ سبق کا خلاصہ ایسے طریقہ پر بیان فرماتے کہ پورا درس صفحۂ قلب پر اچھی طرح نقش ہوجاتا۔ چنانچہ آپ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے بہت سے جملے لفظ بلفظ آج بھی آپ کے سیکڑوں شاگردوں سے سنے جاسکتے ہیں۔

بسا اوقات تشریح وتوضیح پر اکتفا فرماتے اور ترجمۂ عبارت نہیں فرماتے۔ آپ کے درس کی جامعیت کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے کہ مولوی عثمان صاحب بستوی جن سے زیادہ ذہین طالب علم بقول حافظ ملت اشرفیہ میں آیا ہی نہیں ان کو دو سال میں آپ نے پورے جلالین شریف کا درس دیا وہ بڑی ژرف نگاہی سے مطالعہ کرکے آتے اور دوران سبق مناسب اعتراض بھی کرتے، شافی ووافی جواب سے باغ باغ ہوتے۔ جب۔ آیت کریمہ۔ اللہ نور السمٰوات والارض الآیہ۔ قریب آئی تو ایک یوم قبل ہی حضرت نے فرمایا کہ عثمان! کل بہت اہم سبق ہے۔ دوسرا دن آیا سبق پڑھایا مگر مولوی عثمان صاحب کچھ نہ بولے۔ حضرت نے فرمایا عثمان! کیا طبیعت تو خراب نہیں ہے کیا بات ہے، عرض کیا حضور! میں ستر اعتراضات اس آیت پر مرتب کرکے آیا تھا مگر حضور والا کی مختصر تقریر سے سارے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب ہوگیا۔ اسلئے کچھ عرض کرنے کی نوبت نہ آئی۔ سچ ہے ے

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ وہی مولوی عثمان صاحب ہیں جو ایک مرتبہ جونپور مدرسہ حنفیہ میں ٹہلنے کی غرض سے گئے ایک بڑے جید عالم نورالانوار کے درس میں مشغول تھے یہ بھی پیچھے بیٹھ گئے درس کے اختتام پر کہا کہ کیا میں کچھ عرض کرسکتا ہوں فرمایا پوچھے کہا۔ جو سبق آپ نے دیا ہے اس کی تقریر یوں ہے فرمایا۔ ٹھیک ہے یہ بھی ہوسکتا ہے، کہا۔ ہوسکتا ہے! اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تقریر بھی صحیح ہے۔ حالانکہ وہ درست نہیں۔

مدرس صاحب بہت متاثر ہوئے فرمایا۔ صاحبزادے کہاں پڑھتے ہو۔ کہا۔ مبارکپور اشرفیہ میں۔ فرمایا۔ دیہات میں کیا پڑے ہو آپ یہاں آجاؤ آپ کی تعلیم کا معقول نظم ہوجائے گا۔ کہا۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میں دیہات میں کیوں پڑا ہوں۔

(فقیہ النفس مفتی محمد شریف الحق و سربراہ اعلیٰ مولانا نصیر الدین صاحب قبلہ)

طلبہ کے لئے مشعل راہ

آج ہمارے طلبہ تعلیم کے دنوں میں مہینے میں کتنی بار گھر آتے جاتے ہیں؟ ہر ایک پر واضح ہے۔ اس مہلک مرض کے سدباب میں اساتذہ بہت کچھ تدبیریں بروئے کار لاتے ہیں پھر بھی وہ اس سے شفا وبرأت نہیں چاہتے طرح طرح سے جواز کی راہیں ہموار کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ شوال میں حصول علم کے لئے گھر سے نکلتے پھر تعطیل کلاں میں واپس آتے۔

(علامہ عبد الستار خاں)

ہفتہ یا سالانہ وغیرہ کی چھٹیوں کے سلسلہ میں فرماتے ہفتہ کی تعطیل اس لئے ہوتی ہے کہ پورے ہفتہ کا پڑھا ہوا سبق دوہرا لیا جائے اور سالانہ تعطیل اس لئے ہوتی ہے کہ سال بھر کی پڑھی ہوئی کتابیں دوبارہ دیکھ لی جائیں۔

(محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری)

طلبہ آپ کی نظر میں

ایک مرتبہ دورۂ حدیث کے طلبہ آپ کے یہاں پڑھ رہے تھے شہر کے کوئی صاحب آئے جب سبق ختم ہوچکا تو عرض کیا حضور! ان بچوں کی کل دعوت ہے۔ حضرت نے خفا ہوکر فرمایا ابھی بچے ہیں؟ میاں! یہ علمائے دین ہیں۔ (علامہ عبد الستار خاں)

آپ طلبہ کو اپنی اولاد سے کم حیثیت نہ دیتے۔ ہر عید کے موقع پر خاص طور سے، جو طلبہ موجود رہتے ہر ایک کی اپنے دولت کدہ پر دعوت کرتے تو ان کی ضیافت فرماتے اور اپنی جیب خاص سے کچھ عنایت فرماتے۔ اور راز دارانہ طور پر تو نہ جانے اس طرح کی کتنی امداد فرماتے۔

دوسری طرف شرارت پر عبرتناک سزا دینے میں بھی کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔ گویا آپ

ع درشتی و نرمی بہم در بہ است

کی عملی تصویر تھے۔ (سربراہ علی صاحب تنو)

پُر لطف اقوال زریں

آپ کے ایسے دلچسپ ارشادات جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں ان کی لسٹ تو بہت طویل ہے۔ بطور ع مشتے نمونہ از خروارے۔ تحفہ کر رہا ہوں۔

(۱) ایک صاحب نے ایک جلسہ میں حالات کے نامناسب ایک مقالہ پیش کیا اس پر حضرت نے فرمایا۔
ایک ہوتا ہے مقالہ، اور ایک ہوتا ہے منہ کالا۔
(قاری اسمٰعیل برطانیہ)

(۲) آجکل کی بعض خوشنما خانقاہوں کا ذکر آیا تو فرمایا: یہ سب خانقاہ نہیں خوانخواہ ہیں۔
(علامہ عبد الشکور صاحب استاذ اشرفیہ)

(۳) بعض حضرات حلقہ کی محفل بڑی بے اعتنائی اور رسمی طور پر منعقد کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں فرماتے۔ میاں یہ حلقہ ہے یا ملکہ؟ (علامہ بدر القادری و قاری اسمٰعیل برطانیہ)

(۴) بعض طلبہ جب اپنے گھر جاتے تو ارشاد فرماتے: ضرورت پر گھر جاؤ مگر گھر نہ جاؤ۔ (علامہ عبد اللہ خاں)

(۵) کچھ مطلبی دوستوں کے بارے میں ایک صاحب نے جب شکایت کی حضرت اس نے ایسا کیا ویسا کیا مگر کیا کریں وہ ہم مذہب ہے۔ آپ نے فرمایا: آجکل آدمی ہم مطلب پہلے ہوتا ہے اور ہم مذہب بعد میں (بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب)

(۶) اس دور میں بعض بزرگوں کی خلافت اتنی عام ہے کہ ہر کس و ناکس خلیفہ۔ اس کی بابت فرماتے: میاں۔ یہ خلافت ہے یا خالی آفت! (مولانا غلام حسین)

(۷) بعض لوگ مصافحہ کرتے تو ہونٹ، آنکھیں بلکہ پورا چہرہ تک ہاتھ پر مل ڈالتے حضرت بڑے نرم اور لطیف لہجے میں فرماتے مصافحہ کا مطلب منہ صاف کرنا نہیں ہوتا۔
(فقیہ النفس مفتی شریف الحق امجدی)

(۸) ایک صاحب کو دیکھا خوب جھوم جھوم کر اکڑ اکڑ کر بڑے کروفر کے ساتھ چل رہے تھے فرمایا بعض لوگ چلتے ہیں اور بعض چلاتے ہیں (قاری اسمٰعیل وغیرہ)

(۹) مدرسہ اشرفیہ کے زینہ کے پاس کسی صاحب نے اچھی مقدار میں تھوک دیا تھا فرمایا اس تھوک پر کون نہ تھوکے۔
(مولانا غلام حسین)

(۱۰) عرس ابیلا و بمبئی میں لوکل ٹرین سے سفر کا اتفاق ہوا۔ استنجا کے لئے شیروانی اتار کر آگے بڑھتے ہمراہیوں نے جب محسوس کیا کہ حضرت استنجا کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں عرض کیا حضور! یہ لوکل ٹرین ہے اس میں استنجا خانہ نہیں ہوتا حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ کیا لوکل ٹرین میں فرشتے سفر کرتے ہیں۔ (مولانا بدر القادری)

(۱۱) ایک طالب علم نے ہدایۃ النحو کی عبارت پڑھتے وقت یوں پڑھا۔ مِن حیثُ الاعرابِ والبَنّاء۔ بفتح الباء۔ حضرت نے فرمایا! بھئی! بنائے کیا! بگاڑ دیا۔
(علامہ محمد احمد مصباحی)

(۱۲) آپ فرماتے میاں زمین کے اوپر کام ہے زمین کے نیچے آرام ہے (علامہ قمر الزماں اعظمی)

حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ جیسی اولوالعزم ہستیاں فرش گیتی پر شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں۔ حافظ ملت کتنی اہم خصوصیتوں کے مالک تھے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے — بس یوں کہا جائے تو بجا ہے کہ خصائص عالیہ کے آپ مرقع تھے علم و عمل کے سنگم تھے۔ معارف و عرفان کا کا ٹھاٹھیں

بقیہ صفحہ ۵۱ پر

حافظِ ملت اور تعلیمی نظم و نسق

ایاز احمد مصباحی استاذ مدرسہ بدرالعلوم جسپور نینی تال

اقوام و ملل کی ترقی کا راز اور زینہ اس کا تعلیمی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ بغیر تعلیم و تعلم کے ارتقائی منزلوں تک رسائی تقریباً ناممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی علم و حکمت کو مومن کی گمشدہ شئی سے تعبیر فرمایا، تاکہ اہل ایمان علمبرداران اسلام حصول علم کی خاطر اپنی زندگی کی بازی لگا دیں کیونکہ گمشدہ شئی کی تلاش و جستجو ہر انسان کا فطری تقاضا ہے۔

انسان جس کا مقصد حیات اور غایت زندگی ہی عبادتِ خداوندی اور اطاعت خالقِ کائنات ہے ــــ اس مقصد کے حصول میں اس وقت تک کما حقہٗ کامیاب اور کامراں نہیں ہو سکتا جب تک علم و آگہی کا زینہ طے نہ کرلے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے جو نظریۂ تعلیم ہمیں دیا ہے کیا وہ بھی اسلام کے بنیادی اصول و عقائد کی طرح غیر متبدل ہے! یا مرور زمانہ، تبدیلی ماہ و سال اور انتقال مکانی کے اعتبار سے اس کے اندر ہمیں ترمیم و تبدیل کی گنجائش کا حق دیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں! اگر ہاں! تو کس حد تک؟ نیز چودہ سو برس کے طویل عرصہ میں اس نظام کے اندر کوئی فرق آیا ہے یا نہیں!

اس سلسلہ میں ہمیں مختصر الفاظ میں صرف یہ کہنا ہے کہ دانشورانِ قوم اور مفکرین ملت کی آرا سے ہمیں مکمل اتفاق ہے کہ ــــ علم ایک زینہ ہے منزل نہیں ــــ اب اگر زینہ کی ساخت اور بناوٹ میں کوئی تبدیلی کر دی جائے تو اس کے ذریعہ منزل تک پہنچنے میں کوئی دشواری یا مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ اس زینہ کی آخری حد کا منزل سے قریب تر ہونا شرط ہے ساتھ ہی اس بات کا مکمل خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس ساخت کے اندر اتنی پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے کہ آدمی اسی کے بھول بھلیاں میں کھو کر رہ جائے اور منزل تک پہونچنے سے پہلے ہی اسے تھک جانا پڑے۔

اسلام حصول علم کے طریقوں کو مخصوص کئے بغیر ہمیں صرف اس بات کا حکم دیتا ہے کہ معرفت خداوندی کیلئے علم عقائد اور اصول اسلام کا جاننا ضروری ہے اب رہی یہ بات کہ ان علوم و فنون کے حصول کے لئے تمہیدی اور بنیادی طور پر کون سے طریقے اپنائے جائیں تو یہ زمانہ کے تقاضہ اور ماحول کے اوپر چھوڑ دیا گیا تاکہ کسی بھی دور کے انسانی فکر و مزاج پر یہ بار نہ ڈالا جائے اور وقت کے مفکرین اپنے ذہنی کاوش سے اس راستہ کو متعین کرلیں، جو زمانے کے اعتبار سے مفید ہو۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر نظام اور طریقۂ تعلیم میں ارتقاء عہد کے ساتھ ساتھ ترمیم و تبدیلی بھی لائی گئی۔

مگر چند صدیوں سے جو نصاب تعلیم درس نظامی کے نام سے جاری ہے آج کے تقاضوں سے وہ مکمل طور پر عہدہ برآ ہوتا ہوا نظر نہیں آتا جس کے باعث عصر جدید کی نگاہ میں علماء کی قائدانہ حیثیت مجروح ہوتی جا رہی ہے ــــ اور قدیم و جدید کا ایک خلا سا پیدا ہو گیا ہے۔ اس صورت حال کا جائزہ اور اس مشکل کا علاج آج کی اہم ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں ۱۹ ویں صدی عیسوی کے بالکل آخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک تحریک ابھری بھی تو اس کے اندر غیر اسلامی اسپرٹ اور تحریک نے اپنا اثر دکھایا اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ تعلیم و تعلم کا مقام جو اسلام کی خاطر برپا کیا جا رہا تھا مکمل غیر اسلامی اور ایمان سوز بن کر رہ گیا اور اس کے بعد اس سلسلہ کی کوئی ایسی جامع تحریک نہ ابھر سکی جس کی بنیاد پر مسلمان اپنی منزل کی شاہراہ متعین کر سکتا۔

بیسویں صدی کی ایک تہائی کے بعد اجمیر مقدس اور بریلی شریف کی درسگاہ سے اٹھنے والا وہ جری جس نے صدر الشریعہ کی آغوش علم اور مہد تفقہ میں پرورش پائی تھی مبارکپور جیسے عظیم علمی و دینی قصبہ کی مشہور درسگاہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں اپنی خاموش تحریک لے کر آتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے علم و فن کا ایک عظیم شہر بسا دیتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد ۱۹۷۲ء میں ڈالی گئی مگر اس تحریک کی تمہید حضور حافظ ملت نے ۱۹۳۲ء ہی سے شروع کر دی تھی لیکن ۱۹۳۲ء تا ۱۹۷۲ء ہندوستان کا سیاسی سماجی اور معاشی ماحول اس لائق نہ تھا کہ کوئی ایسی تحریک برپا ہو سکے جو ملت اسلامیہ کو منزل کا صحیح رخ دے سکے۔

نیز ایک جامع اور عملی تحریک کے لئے ایسے افراد کا وجود بھی ناگزیر تھا جو اس تحریک کی روح سے مکمل واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس پر قربان ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ ان وجوہ کے پیش نظر حافظ ملت نے پہلے ماحول کو سازگار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایسے علماء کی ٹیم تیار کی جو اس تحریک کو تعمیری مگر سرعت عمل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد اور جامعہ کے نظام ہائے تعلیم کے اندر حضرت کی جو تحریک کام کر رہی تھی اس کے کچھ خط و خال ذیل میں پڑھئے۔

حضور حافظ ملت نے ماحول پر نظر دوڑا کر اپنی حساس اور دور بین نگاہوں سے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ موجودہ نظام تعلیم، نصاب اور طرز تعلیم و تعلم موجودہ انسانی مزاج سے انتہائی حد تک میل نہیں کھاتا۔

یہ دیکھتے ہی حضرت کی حساس اور دوررس نگاہ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ان تمام اعضائے تعلیم کے اندر اصلاح لائے بغیر کسی صالح اور جدید نظام تعلیم کی بنیاد ڈالنا ناممکن ہے۔

حضور حافظ ملت کے نظریہ تعلیم کے ٹھوس اور مکمل ہونے کا ثبوت ہمیں ان نکات سے ملتا ہے جو حضرت نے کل ہند تعلیمی کانفرنس منعقدہ ۵، ۶، ۷ مئی ۱۹۷۲ء میں پیش کئے تھے۔

اب ان نکات میں سے ہر ایک پر مختصر روشنی ڈال کر پیش کیا جاتا ہے۔

کانفرنس میں پیش شدہ نکات میں سب سے پہلا نکتہ تھا۔

(۱) مقتضائے وقت کے مطابق ایک جامع اور جدید نصاب تعلیم پر غور۔

اس نکتہ کی ضرورت و اہمیت پر میں نے کچھ حد تک اپنی تمہید میں وضاحت کر دی ہے۔ اب اس نکتہ میں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ حافظ ملت اپنے عہد میں کس طرح کے جدید نصاب کے خواہاں تھے۔

اس کی تشریح کے لئے بھی ہمیں حضرت کی بارگاہ سے اتنا کچھ مل چکا ہے کہ اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔
ایک انٹرویو کے موقع پر جب جامعہ کے مقصد اور غرض و غایت کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ:
"الجامعۃ الاشرفیہ کا عظیم مقصد درس نظامیہ کے طلبا کو ہندی، انگریزی، عربی زبان کا صاحب قلم اور صاحب لسان بنانا ہے تاکہ وہ ہند و بیرون ہند مذہب حق اہلسنت کی اشاعت کر سکیں۔"

اس مختصر مگر جامع کلمات کے اندر ملت کی روحانی
ضرورت موجیں مار رہی ہیں جسے محسوس تو بہتوں نے کیا
مگر عملی میدان میں قدم نہ بڑھا سکے پیچھے ہی رہے تو، قلم اور
لسان یہ دونوں ایسی قوتیں ہیں جس کے بغیر کسی چیز کی
اشاعت محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ حضرت نے اس
ضرورت کو محسوس ہی نہیں کیا بلکہ عملی میدان میں اپنی اس تحریک
کو اس طرح آگے بڑھایا کہ آج تک دنیا کا کوئی سنی تعلیمی
ادارہ جواب تو کیا دیتا اس کے ساتھ چل بھی نہ سکا۔

یہ حضرت کا فیضان کرم ہی ہے کہ آج قلم کی تمام
تر توانائیاں رب کریم نے مصباحیوں کے ہاتھوں میں
ودیعت کر دی ہیں۔

(۲) بین المدارس تعلقات کے لئے اخلاقی
اور اداری ضابطوں کی تشکیل پر غور۔

بادی النظر میں اس نکتہ کے اندر کوئی تعلیمی نظریہ
نظر نہیں آتا مگر اپنی فکری جولانیت کو تھوڑی سی حرکت
دی جائے تو اس مسئلہ کی عقدہ کشائی ہو جائیگی کہ تعلیم
و تعلم کے تمام اداروں کے مابین اگر انتشار و افتراق کی
صورت ہو تو پھر تعلیم کا کوئی محسوس اور مثبت نتیجہ
برآمد نہیں ہو سکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ حضرت نے اس ضرورت کی اہمیت
بتانے کے لئے ایک مثبت اصول بھی فراہم کر دیا جس کے
ذریعہ اس نکتہ کو سمجھنے میں ہمیں نہایت آسانی ہو سکے۔
اتحاد زندگی اور اختلاف موت - اب زندگی کے اندر جتنا
عموم ہو اسی اعتبار سے اتحاد و اتفاق کے اندر عموم ہونا
چاہیے نیز انسان کو جس طرح کہ زندگی کا حصول مقصود
ہو اسی طرح اتحاد و اتفاق بھی ضروری اور لازمی ہے تو
خلاصۂ بحث یہ رہا کہ تعلیمی افادہ و استفادہ جو کہ مدارس
سے متعلق ہیں تو تعلیمی زندگی کے نشو و نما کے لئے ان اداروں
کے مابین تعلق اور رابطہ بھی از حد ضروری ہے۔

(۳) موجودہ معاشرہ کے اخلاقی، اصلاحی، تبلیغی
اجتماعی اور علمی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر عربی مدارس کے
طلباء کی ذہنی علمی اور عملی تربیت کے لئے ایک جامع نظم
کی ترتیب پر غور۔

اس نکتہ کے اندر جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے کہ
حافظ ملت نے اپنی پوری تحریک کی روح سمو دی ہے کیونکہ
دینی تعلیم کا مقصد و منشا یہی ہے کہ طلباء ذہنی طور پر
تبلیغ و اصلاح کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں اور اس
مقصد کی بجا آوری کے لئے اجتماعیت اور جذبۂ عمل کے
اندر پختگی لازمی و ضروری عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ
اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ انتشار کے ساتھ اگر
مقصد کے اندر ہم آہنگی اور یگانگت بھی پیدا ہو جائے تو
اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اخلاق
و عمل کے قریبی تعلق سے بھی انکار ممکن نہیں کیونکہ جذبۂ
عمل کے اندر اخلاص ہی انسان کو اخلاق کی اعلیٰ قدروں
سے روشناس کراتا ہے۔

(۳) سنی عربی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی
حد بندی پر غور۔

ایک صالح اور بلند تعلیمی ڈھانچے اور اس کے
نتائج و ثمرات کے لئے اہل علم و دانش کی نظر میں اس نکتہ کی
اہمیت اور ہمہ گیری مسلم ہے۔

کیونکہ ہم تعلیمی پستی کے اسباب و علل پر غور و فکر
کریں تو ہمیں اس کا صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ مدارس کے
اندر تعلیمی حد بندی کا نہ ہونا نہ صرف یہ کہ مستقبل کے لئے
دشواریاں پیدا کر دیتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے اکثر و بیشتر
طلباء اپنے مستقبل سے بالکل بے خبر اور بے علم ہوتے
ہیں کیونکہ ان کے سامنے ایک محدود نظریۂ تعلیم ہوتا ہے
اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو جتنا چاہتا ہے پڑھ کر فارغ ہو
اور کرانا چاہتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ
مبتدی طلباء جن میں نام کی استعداد بھی نہیں ہوتی
دستار فراغت اور جبہ کی خواہش میں منتہی طلباء کی صف

رہے کہ مستقبل کو تاریک سے تاریک تر کر دیتے ہیں مگر ذمہ داران مدارس یا اساتذہ اس پر اسلئے توجہ نہیں دیتے کہ انہیں کمیت سے غرض ہے نہ کہ کیفیت سے۔

(۵) دینی مدارس کے نظام عمل میں مناسب تبدیلیوں کے لئے سنی مدارس کے نمائندگان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل پر غور۔

اس تحریک کے بارے میں جہاں تک میری رائے ہے مگر مندرجہ بالا چاروں نکات کو عملی جامہ پہنانا اور مستحکم صورت دینا اس تحریک کے بغیر ایک خواب اور خیال خام ہوگا کیونکہ اگر اجتماعی تعلیم اور اصلاحی و اخلاقی ادارہ کو بغیر کسی رہنما اصول چلایا جائے تو اسے نہ تو با مقصد اور متحرک و فعال بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ ہی برآمد ہوگا۔

مندرجہ نکات خمسہ پر میں نے جو کچھ کہنے کی کوشش کی ہے اس سے یقیناً آپ حضرات کے ذہن و فکر میں حضور حافظ ملت کا نظریۂ تعلیم کسی نہ کسی حد تک روشن ہو گیا ہوگا۔

حضور حافظ ملت کے نظریۂ تعلیم کے اس گوشہ کو بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ حضرت نے کوئی ذہنی خاکہ اور کاغذی تصور ہمارے سامنے نہیں رکھا بلکہ اسے عملی طور پر بروئے کار لانے کے لئے جو بھی ممکنہ اقدام وقت اور حالات کے مطابق اٹھائے جا سکتے تھے اس سے سرمو دریغ اور صرف نظر نہیں فرمایا۔

سنہ ۱۹۷۲ء و سنہ ۱۹۷۳ء کی "کل ہند تعلیمی کانفرنس"، الجامعۃ الاشرفیہ جیسے فعال اور متحرک ادارہ کی بنیاد اس کے اندر نئے ڈھانچے پر تعلیم کا آغاز اور "افراد کی فراہمی" یہ وہ حقیقی اور مستقل عملی اقدامات ہیں جنہیں ہر ایک مستقل وقت اور زمانہ طلب کرتا ہے۔

ہاں! جن چیزوں کا تعلق دوسرے اداروں یا افراد سے تھا ان میں ابتدا میں کچھ پیش رفت ہوئی مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی لوگ سستی اور تساہلی کا شکار ہو کر رہ گئے اور وہ خواب جو حضرت نے اس جماعت کے لئے دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا — لیکن آج میری گزارش تمام حضرات سے عموماً اور مصباحیوں سے خصوصاً — یہ ہوگی کہ حضور حافظ ملت نے اپنی قیمتی زندگی جس مقصد کے لئے قربان کر دی اسے ہمارے ناتواں کندھوں کو سونپ دی ہے لہذا ہمیں چاہئے کہ پھر اس تحریک کے اندر اپنے علم و عمل کے ذریعہ ایسی تازگی پیدا کر دیں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی روح پاک اپنے مرقد انور میں سکون محسوس کر سکے۔

وما توفیقی الا باللہ

بقیہ صفحہ ۱۳ کا۔

بہترین مصرف مدارس اسلامیہ کو سمجھ رہا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دینی مدارس کے لئے سرمایہ کی فراہمی بہت آسان ہو گئی حتیٰ کہ آج یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ سب سے آسان کام مدرسہ قائم کرنا اور چلانا ہے۔ کہاں تو وہ حال تھا کہ پورے صوبہ میں دو چار دارالعلوم تھے اور اب یہ عالم ہے کہ شہروں اور بڑے قصبات میں کئی کئی دارالعلوم موجود ہیں۔ جو حسب حیثیت دین اور علم دین کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر ہر بستی میں علماء موجود ہیں۔ ورنہ ایک وقت وہ تھا کہ مبارکپور جیسی بڑی آبادی میں کوئی عالم نہیں تھا۔ اگر مسئلہ پوچھنا ہوتا تو لوگ ولید پور بھیرہ مولانا علی احمد بھیروی علیہ الرحمہ کے پاس جایا کرتے تھے۔

اہلسنت میں بیداری کی یہ لہر پیدا کرنا حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک تاریخی بلکہ تاریخ ساز انقلاب ہے۔ جو بھی ٹھنڈے دل سے مذکورہ بالا سطور کو پڑھے گا وہ میری اس بات کی یقیناً تصدیق کرے گا۔

حافظ ملت کی حیات طیبہ میں اگر بالفرض اور کچھ نہ ہوتا تو خواب غفلت میں مدہوش قوم کو بیدار کر کے سراپا عمل و کردار بنا دینا اتنا بڑا زریں کارنامہ ہے جو حافظ ملت کی تاریخ کا سب سے درخشاں باب ہے۔"

حافظِ ملت اور شعورِ قلم

رضاء الحق مصباحی

کشورِ علم وفضل کے تاجور، میدانِ تحقیق وتدقیق کے شہسوار، دینِ متین کے عظیم مبلغ ورہنما استاذ العلماء، جلالۃ العلم، حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی دینی، علمی اور ملی خدمات نصف صدی کے عرصہ میں جس وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں وہ ضبطِ قلم سے باہر ہیں۔ اور بالخصوص ہم جیسے حرماں نصیبوں کی کیا وسعت کہ آپ کی ہمہ جہت شخصیت پر کچھ خامہ فرسائی کر سکیں، یہ تو انہی خوش بختوں کا حصہ ہے جنھوں نے آپ کی مخلصانہ شفقتوں اور پاکیزہ صحبتوں سے اپنی زندگیوں کو نکھارا ہے۔ ہمارے سامنے تو فقط دور کے جلوے ہیں ——— یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ دینی خدمات میں علمِ دین کی ترویج واشاعت بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتی ہے، اگر یہ سلسلہ منقطع ہو جائے اور علمائے دین پیدا نہ ہوں تو پھر دین صرف نام کا رہ جائے گا، انسانوں اور حیوانوں کی زندگی میں کچھ فرق باقی نہیں رہے گا ——— پھر علمِ دین کی اشاعت کے مختلف طریقوں میں دو طریقے بنیادی ہیں۔ ایک تدریس دوسرا تصنیف ——— اور ان دونوں میں اول اصل اور ثانی فرع ہے۔ الحاصل دینی خدمات کا سرچشمہ درس وتدریس ہے یہ اور بات ہے کہ تصنیف، درس وتدریس کے بالمقابل ایک نہایت پُرپیچ اور پُرخار وادی ہے آج جس کی راہ پیمائی محض تدریسی استعداد سے ممکن نہیں ——— چونکہ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا، آپ کا مطمحِ نظر اور مقصدِ حیات فقط خدمتِ دین تھا اس لئے آپ نے بنیادی چیز کی تعمیر میں اپنی زندگی صرف کر دی، اور علم وفضل کا ایک ایسا سمندر جاری کیا جس سے ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہو رہے ہیں اور صبحِ قیامت تک سیراب ہوتے رہیں گے ——— ایک مرتبہ خدمتِ دین کے جذبہ میں ڈوب کر ارشاد فرمایا ——— "مسجد بنانا ثواب، سرائے بنانا ثواب، یتیم خانہ بنانا بھی یقیناً ثواب مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر علماء نہ پیدا ہوں گے تو ان سب کو کون آباد کرے گا، اور کون حفاظت کرے گا۔ میں نے مدرسہ کو بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے"

(حافظِ ملت نمبر ص ۴۰۹)

اس خدا رسیدہ بزرگ کی دور بیں نگاہوں نے پہلے ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ اگر میں دوسرے کاموں میں لگوں تو یہ میرا عظیم دینی مشن نامکمل رہ جائے گا کیونکہ جس مقصد کیلئے میں کمربستہ ہوں وہ نہایت وسیع اور میری زندگی کے ایام بہت مختصر ہیں چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ جس برق رفتاری اور بے قراری کے ساتھ آپ اپنے مقصد کی تکمیل میں مصروف تھے اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس مردِ جانباز کے دل کی آخری دھڑکن سے بھی الجامعۃ الاشرفیہ کی صدا سنائی دے گی۔ اور ہوا بھی یہی کہ جیسے جیسے عمر ڈھلتی گئی آپ کے اندر کمزوری اور نقاہت بڑھتی گئی۔ اس کے باوجود آپ نے کام کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ اس میں اور برق رفتاری پیدا کر دی ——— اور بالآخر دین کے اس سچے خادم نے اپنا پورا وجود الجامعۃ الاشرفیہ کو بخش دیا اور اس قلعہ کی حفاظت کے لئے اس کے ایک گوشہ میں ہمیشہ کیلئے

فروگذاشت ہوگیا — ایک بار فرمایا تھا، میں نے اشرفیہ کو خونِ جگر پلایا ہے۔ واللہ! کیا تڑپ ہے اس جملے میں! — کتنی سوزش ہے اس کلمہ میں!

چونکہ آپ کی پوری زندگی صرف الجامعۃ الاشرفیہ سے عبارت تھی اس لئے آپ قلمی خدمات کا وافر حصہ دنیا کو عطا نہ فرما سکے۔ کیونکہ تصنیف و تالیف کے لئے جو لوازمات ہوتے ہیں ان سے آپ بخوبی واقف تھے، ان میں لگے رہنے سے کسی طرح یہ عظیم مشن پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایسا نہیں کہ علم و فضل کے اس بحر بیکراں میں جوہر قلم موجود نہیں تھا، دین کے اس درد مند محافظ کے اندر قلم اور پریس کی ضرورت کا احساس نہیں تھا —— ذرا دیکھو! کس قدر قلق و اضطراب کے عالم میں ارشاد فرمایا تھا۔ مجھے لوگوں نے کسی کام کا نہ رکھا۔ غیر اہم اور غیر ضروری کاموں میں مجھکو ایسا الجھا دیا کہ لکھنے کا کام خاطر خواہ نہ ہو سکا، جس کا مجھے افسوس ہے، حالانکہ اوائل عمر میں میرا قلم نہایت برق رفتار تھا اور اب نہ وہ قوت و دماغ ہے اور نہ ہی فرصت اس لئے اب میرا مطمح نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل ہے،، (ایضا ص ۲۱۳)

ایک مرتبہ استاذ گرامی مولانا محمد احمد مصباحی (جو حضرت کے عزیز تلامذہ میں ہیں) نے آپ کے تصنیفی سرمایہ کے سلسلے میں اظہار افسوس کیا تو ارشاد فرمایا۔ بفضلہ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی۔ پھر فرمایا کیا کہوں! بہرحال مجھے کچھ قدرت تھی جس کا نمونہ المصباح الجدید، ارشاد القرآن، معارف السنہ وغیرہ ہیں لیکن قوت تصنیف کے باوجود ہمیشہ عوائق و موانع درپیش رہے اور مصروفیات نے گھیرے رکھا جس کے باعث میں کچھ نہ لکھ سکا۔ ایک طالب علم نے مرقات کی شرح (جو قاضی مبارک کے درجہ میں ہے) پڑھنا شروع کی تو ان کے اصرار پر میں نے شرح مرقات کا حاشیہ لکھنا شروع کیا مگر طالب علم موصوف فراغت حاصل کر کے چلے گئے جس کے باعث یہ حاشیہ ناتمام رہ گیا اور پھر کوئی ایسا باذوق طالب علم مذکورہ کتاب پڑھنے والا نہیں ملا کہ اس کیلئے حاشیہ کی تکمیل ہو سکے،، (ایضا ص ۱۰۶)

آپ کی قوت تصنیف اور ایجاز نگاری کا اندازہ آپ کی مختصر تصنیفات ارشاد القرآن، معارف السنہ، المصباح الجدید وغیرہ سے ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر کو حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کس طرح سراہتے ہیں، دیکھئے

وہ سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کہاوت سنتے تھے لیکن معارف حدیث اس کی جیتی جاگتی زندہ مثال ہے۔ حدیث کے ترجمہ کے ساتھ اس پر عالمانہ و عارفانہ نکتہ آفرینی یہ صرف استاذ العلماء جیسی بلند شخصیت کا کام ہے۔ ادارہ پاسبان اس کرم و احسان کو کبھی نہ بھول سکے گا کہ جب سے حضرت نے اس عنوان کو شرف قبول سے نوازا ہے کوئی بھی شمارہ اس عنوان سے خالی نہ رہ سکا، جوانوں نے کاندھے کا بوجھ اتار دیا لیکن بہتر سال کا ضعیف و ناتواں بزرگ عزم و استقلال کا کوہ گراں ثابت ہوا،، (کلمات عقیدت از معارف حدیث ص ۳ مطبوعہ مکتبہ پاسبان الہ آباد)

اگرچہ آپ نے ہمارے لئے تصنیفات کا بھاری سرمایہ نہ چھوڑا مگر بے شمار مصنفین اور قلم کار ضرور پیدا کر دیے، چنانچہ ملک اور بیرون ملک میں آپ کے تلامذہ میں علم و فن کے رمز شناس بھی ملیں گے اور مختلف زبانوں کے قلم کار بھی، میدان درس و تدریس کے شہسوار بھی اور کشور تبلیغ و خطابت کے تاجدار بھی ——

الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن تاسیس کے زریں موقع پر دار العلوم اشرفیہ کے ابناء قدیم کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جس قدر رقت انگیز لہجہ اور موثر انداز میں یہ بات بیان فرمائی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے —۔ اشرفیہ نے کاغذی اشتہارات و اخبارات تو شائع نہیں کئے لیکن (حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، حضرت علامہ مفتی عبد المنان، حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ

سید مصطفیٰ قادری، مولانا قمر الزماں اعظمی اور دیگر ممتاز
تلامذہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "ان سے یہ
سب وہ اخبارات و اشتہارات ہیں جنھیں
بڑے اہتمام کے ساتھ خوبصورتی کے ساتھ سرخیوں سے شائع کیا ہے۔
کاغذی اخبارات و اشتہارات تو پڑھ کر ردی کا ڈھیر بن جاتے ہیں یا
بچوں کے ہاتھوں میں بکھیر دیئے
جاتے ہیں اگر ... ہو گئے تو پامال ہو جاتے ہیں لیکن یہ وہ اخبار
و اشتہارات ہیں جو نہ کسی کے پھاڑنے سے پھٹ سکتے ہیں
نہ کسی کے مٹانے سے مٹ سکتے ہیں۔ فرق کرو کہ عام کاغذی
اخبارات و اشتہارات تو اپنے طباعتی وجود کے ساتھ ذہنی افکار
کے حامل ہوتے ہیں لیکن یہ اخبارات و اشتہارات تو چلتے
پھرتے وجود سے ... کی نسل در نسل سے
مدتوں تک تحفظ عقائد کے لئے صحیح معلومات کا ذریعہ اور
رشد و ہدایت کا واسطہ بنتے رہیں گے۔ والحمد للہ
علی ذالک" چنانچہ ظاہر ہے کہ آپ کے ممتاز تلامذہ میں
ہر ایک بلند پایہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں
جن کی تعداد کے پیش نظر یہاں ان کی تفصیل مشکل ہے۔
آپ اپنے تلامذہ کے علمی ذوق کا بڑا خیال فرماتے اگر
کسی کو تحریری شغف پاتے تو اس کو ادھر ہی لگا دیتے
اور خوب حوصلہ افزائی کرتے۔ کسی کو تدریسی ذوق
ہوتا تو اسے اسی جانب راغب کر دیتے۔ الغرض الجامعۃ
الاشرفیہ سے آپ کی تربیت پا کر ہوئے کثیر تعداد
میں تلامذہ دنیا کے اہم اداروں میں ... اور وسیع
پیمانے پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس مقصد
کو آپ نے اپنی زندگی میں ... فرمایا۔ الجامعۃ الاشرفیہ
سے یہ مقصد ... کے مختلف علاقوں کو ...
کیا ... صاحب ... بنانا
ہے کہ وہ ... ہندوستان میں مذہب حق اہلسنت
کی اشاعت کر سکیں۔ خیال تو بہت دنوں سے تھا لیکن
کام کا وقت اب آیا ہے۔ ... اور انشاء اللہ

تعاون ہو گا۔ ..

پروردگار عالم نے اپنے محبوب بندے کے اس
نیک مقصد کو پورا بھی کیا ——— ایک مرتبہ بارگاہ
میں عرض کیا گیا کہ حضور! کیا موجودہ دور میں سنی علماء
صرف اسٹیج پر تقریر کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں
گے جب کہ اسلام دشمن عناصر پریس اور قلم سے لیس ہو کر
میدان عمل میں آ پڑے ہیں تو آپ نے فرمایا ———
"ہر مسلمان مذہب و ملت کی حفاظت کا ذمہ دار ہے علمائے کرام
زیادہ ذمہ دار ہیں۔ عوام جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ پریس
کی طاقت بھی حفاظت کے لئے ضروری ہے تو علمائے اہلسنت
کا تعاون کریں علمائے اہلسنت انشاء اللہ تعالیٰ قلمی خدمت
بھی کریں گے اور حتی الامکان کرتے بھی ہیں۔" (حیات ...)
اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اہلسنت کی قلمی
خدمات کو منظر عام پر لانے کے لئے جو دشواریاں درپیش
ہیں ان میں سب سے اہم دشواری یہ ہے کہ ہم سنیوں میں
جذبۂ تعاون نہیں۔ اور ہے بھی تو بہت کم۔ مصنف
کے ذہن و دماغ پر مضامین کتاب کی تحریر سے پہلے اشاعت
کتاب کا گراں بار جس کی وجہ سے ساری ہمت
کھو بیٹھتا ہے اور اگر کوئی ہمت کرتا بھی ہے تو اس کو اس
راہ میں وہ پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں کہ دوبارہ پھر اس
جانب قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہمارے اسلاف
کے لکھے مسودات الماریوں کے کیڑوں کی خوراک بنے
ہیں ان پر کوئی توجہ کرنے والا نہیں ——— آج بھی اگر عوام
تحریری میدان میں علمائے اہلسنت کا تعاون کریں اور بڑے
بڑے جلسوں، کانفرنسوں میں جس فراخدلی کے ساتھ بے دریغ
مال و زر پانی کی طرح بہاتے ہیں اس کا آدھا بھی اس طرف
خرچ کریں تو اہلسنت کی قلمی خدمات کی بھر مار لگ سکتی ہے۔
حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس حقیقت کو ایک موقع پر
واضح بھی فرمایا۔ "یہ کھلی اور ظاہر حقیقت ہے کہ سنیوں
میں جذبۂ تعاون نہیں، سنیوں کے لکھے جرائد و رسائل

شائع ہوئے اور اسی بیماری کی نذر ہوگئے، جماعتیں قائم ہوئیں، اسی مرض کی شکار ہوگئیں " (ایضاً ص۶)

ایک بار عرض کیا گیا ۔ حضور! آپ الجامعۃ الاشرفیہ کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا ـــــــ " میں چاہتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین سنی علماء ہوں۔ وہ ہندی، انگریزی، عربی میں صاحب قلم و صاحب لسان ہوں۔ جو اپنے ملک ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مذہب حق اہلسنت کی کما حقہ اشاعت و خدمت کرسکیں۔ میں الجامعۃ الاشرفیہ کو اسی منزل پر دیکھنا چاہتا ہوں۔" ـــــــ

جس کی فطرت میں خدمت دین و خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بھلا اس سے کیسے ہو سکتا تھا کہ خدمت دین کا کوئی پہلو اس کی زندگی سے الگ رہ جائے اور اسے اس کا احساس نہ ہو۔ شہ قربان جائیے اس محسن دین و ملت پر کہ شفیق استاد (صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) نے کہا " میں ہمیشہ اپنے ضلع سے باہر رہا جس کی وجہ سے پورے ضلع پر بد مذہبیت و گمراہیت کا تسلط ہوتا جا رہا ہے، اس لئے دین حق کی تبلیغ و اشاعت اور بد عقیدگی و گمراہی کے انسداد و استیصال کے لئے آپ کو مبارکپور بھیجنا چاہتا ہوں "۔ تو سعادت مند شاگرد نے مؤدبانہ عرض کیا۔ حضور! میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا" روحانی مرشد و مربی نے دل کی کیفیت جان لی۔ فرمایا۔ " میں نے ملازمت کے لئے کب کہا ہے؟ میں نے تو دین کی خدمت انجام دینے کے لئے کہا ہے "۔ ـــــ جبین تسلیم و رضا استاد کے سامنے جھک گئی، خدمت دین کا نام سنتے ہی سارے خیالات یکلخت منتشر ہوگئے اور دین کے اس عظیم رہنما نے اپنے کو دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔

ع

یہ کان جو سنتے ہیں ہر اک صبح ہر اک شام
اس ملت بیضا کی تباہی کا فسانہ
ہر لمحہ ہے نقارۂ احساس کی اک ضرب
ہر سانس ہے موج غم فردا کا دہانہ

بقیہ صفحہ ۳۹ کا

نور اللہ مرقدہ کیسا نظام تعلیم برپا کرنا چاہتے تھے، اور وہ اپنے نظریۂ تعلیم کے مطابق قوم کے نونہالوں کو کتنی بلندی پر پہونچانا چاہتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ ان کا نظریۂ تعلیم افادی تھا۔ اسکے عناصر ترکیبی صرف اتنے سے تھے کہ علم کو اسلام کا خادم بنا دیا جائے اور ایسا شعور بیدار کیا جائے جس سے انسان محض علمی بن کر نہ رہ جائے بلکہ وہ عمل کا پیکر مجسم ہو جائے، اور فرعی علوم و فنون میں غلو کی حد تک ایسا انہماک نہ ہو کہ علوم عالیہ یعنی قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر سے صرف نظر ہو جائے۔ اس لئے آج اس سیمینار میں میں علماء اسلام کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کے نظریۂ تعلیم کے مطابق ایسا نظام تعلیم برپا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیں جو قوم و ملت کی خدمت اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز اور بار آور ثابت ہو، اور ملت کے نوجوانوں کے ذہن و فکر کو اس انداز سے تیار کریں ان میں دنیا پرستی اور جاہ پرستی کا جذبہ بیدار نہ ہو بلکہ خدا ترسی کے ساتھ وہ اپنی شان استغناء میں نمایاں حیثیت کے حامل ہوں، ان کی وضع قطع، ان کا طور زندگی، ان کے اخلاق و عادات سب کچھ اسلامی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں، ساتھ ہی ساتھ جدید تقاضوں اور جدید نظریات و افکار سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں، تاکہ وہ اسلام کے دفاع میں قدیم آلات حرب کے ساتھ جدید آلات حرب سے بھی مسلح ہوں، اگر ایک طرف ان کی قدامت پرستی انکو سماج و معاشرہ میں عزت کا مقام عطا کرتی ہو تو دوسری جانب وہ عصر حاضر کے جدید ذہنوں کو متاثر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں، کیونکہ حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ نے قدیم و جدید دونوں ذہنوں کو اس طرح اپنی طرف مائل کیا کہ یہ دونوں گروہ آپ کے گرویدہ و شیفتہ نظر آتے ہیں۔

حافظِ ملت ایک انقلاب آفریں مجاہد

مختار احمد قادری ایم اے صدر المدرسین مدرسہ بحر العلوم بہیڑی

انقلاب ۔ ایک سیدھا سادہ سا مختصر لفظ ہے مگر اس کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھئے، جنھوں نے کسی انقلابی تحریک میں عملی حصہ لے کر قریب سے اس کا چہرہ دیکھا ہو۔

دنیا میں برپا ہونے والے انقلابات کی تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ لفظ اپنے دامن میں کیسے کیسے ہولناک طوفان سمیٹے ہوئے ہے۔ کوئی بھی انقلاب آسانی سے نہیں لایا جاتا۔ انقلاب لانے کے لئے انقلاب کے قائدین کو آگ اور خون کے دریاسے گزرنا پڑتا ہے۔ مصائب و آلام کے طوفانوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ ظلم و جبر کے آتشکدوں میں کودنا پڑتا ہے۔ وحشت و بربریت کی آندھیوں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ مخالفتوں اور عداوتوں کے پہاڑوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ ہتھیلی پر سر رکھ کر ہر وقت ہنسی خوشی موت کے استقبال کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے۔ اور وقت آنے پر اپنی زندگی کی عزیز سے عزیز متاع کو قربانگاہِ انقلاب پر قربان کرنا پڑتا ہے۔

انقلاب کی راہ پر وہی دیوانے قدم رکھتے ہیں جو جمالِ لیلیٰ کے بجائے اپنے مشن کو سربلند کرنیکی دیوانگی کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ جن کے سینوں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا حوصلہ ہوتا ہے جن کے دلوں میں اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے لہو کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس تک قربان کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ جن کے سروں میں اپنی تحریک کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے سب کچھ فدا کرنے کا سودا ہوتا ہے جن کے ذہنوں میں خطرات و مشکلات کی ہر وادی طے کر کے اپنی منزل تک پہونچنے کا عزم ہوتا ہے۔ جن کے ارادوں میں پہاڑوں کو اکھاڑ پھینکنے، آندھیوں کا رخ موڑ دینے اور طوفانوں کو پلٹ دینے کا ولولہ ہوتا ہے۔ اس راستہ پر چلتے ہوئے ان کے تلوے لہو لہان ہو جاتے ہیں مگر ان کا قدم نہیں رکتا۔ چاروں طرف سے ظلم و ستم کے تیر برستے ہیں مگر ان کی رفتار میں فرق نہیں آتا۔

ان کے سامنے اذیتوں اور پریشانیوں کے سنگے ہائے ہر رہگزار آتے ہیں مگر وہ بے خوف و خطر ان کو طے کر جاتے ہیں ان کی راہ میں رکاوٹوں کے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کیے جاتے ہیں مگر وہ ان کو اپنی ٹھوکروں سے الٹ کر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پھر ایسا انقلاب جو حکومت اور آئینِ حکومت تبدیل کرنے تک محدود نہ ہو بلکہ انسانی ذہن و فکر کا انداز بدل دے، نگاہوں کا زاویہ اور دلوں کا نقشہ تبدیل کر دے، انسانی قوتوں کے دھاروں کا رخ موڑ دے، صدیوں سے تراشے ہوئے باطل عقائد و نظریات کے بت پاش پاش کر دے، پشتہا پشت سے چلی آنے والی فاسد رسوم و روایات کو فنا کے گھاٹ اتار دے، ذہنوں کی آخری گہرائیوں میں جگہ بنا لینے والی برائیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔ شیطان کے پھیلائے ہوئے جالوں کے تار و پود بکھیر دے، جہالتوں کی تاریکیوں میں علم و حکمت کا آفتاب کھلا دے۔ ضلالتوں کے سمندر میں غرق ہونے والوں کو ساحلِ ہدایت تک پہونچا دے، جمود و تعطل کا شکار ہو کر بیٹھ جانیوالوں کے

بے حس جسموں میں حرکت و عمل کی روح دوڑا دے ، اور بے ایمانی و بد عقیدگی کے پھیلے ہوئے صحراؤں میں ایمان و عقیدہ کا لہلہاتا ہوا گلشن مہکا دے ۔ ایسے انقلاب کو عالم وجود میں لانے کے لئے جس تباہی خیز، ہلاکت انگیز اور دہشت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ اس انقلاب عظیم کی تاریخ سے لگایا جاسکتا ہے جس کو پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ میں برپا فرمایا تھا۔

یہ انقلاب لانے کے لئے آپ نے مصائب و آلام کے جن خوفناک طوفانوں کا مقابلہ کیا ان کا تصور آج بھی دلوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے ۔ اور جس صبر و استقامت اور تحمل و ثبات کے ساتھ آپ نے اس انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اس کو دیکھ کر بڑے بڑے پہاڑ بھی نگاہوں میں بے وقعت ہوجاتے ہیں ۔

آپ کو گالیاں بھی دی گئیں ، آپ کے پیچھے تالیاں بھی بجائی گئیں ، آوازے بھی کسے گئے ۔ طنز و ملامت اور مذاق و تمسخر کا نشانہ بھی بنایا گیا ۔ پاگلپن اور جادوگری کا الزام بھی رکھا گیا ۔ راستوں میں کانٹے بچھا کر پھول کی پتیوں سے زیادہ نرم و نازک تلووں کو زخمی کیا گیا ۔ پتھر برسا کر جسم پاک کو خون سے نہلا دیا گیا ۔ قومی بائیکاٹ کے ذریعہ زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا گیا ۔ جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں غرضیکہ باطل کے ترکش میں ظلم و ستم کے جتنے بھی تیر تھے سب آپ پر آزمالیے گئے مگر آپ کی پیشانی اقدس پر کوئی شکن تک نہیں آئی اور آپ کامل اطمینان اور مکمل ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مشن کو آگے ہی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ وہ انقلاب اپنی پوری تاب و توانائی کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر رہا جس کو وجود میں لانے کے لئے آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا تھا ۔

کفر و گمرہی اور جہالت و وحشت کی شب تار میں ایمان و ہدایت اور عدالت و انسانیت کی جان افروز سحر طلوع کر دینے والا یہ انقلاب جس نے دنیائے عرب کے آفاق کو آفتاب و ماہتاب سے زیادہ تابناک بنا دیا تھا اس کی ضیا بارشعائیں صرف خطۂ عرب تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اس کے اثرات دنیا کے دیگر حصوں میں بھی محسوس کئے جانے لگے ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیئس سال تک اس انقلاب کی تحریک کو جاری رکھنے کے بعد دنیائے ظاہری سے روپوش ہو گئے مگر اس کے بعد بھی اس انقلاب کی وسعت و پھیلاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ ہر دور میں آپ کے جاں نثار فدائی اس کے پرچم کو ہاتھوں میں لے کر آگے بڑھتے رہے اور اس انقلاب کی مخالف طاقتوں کی مخالفانہ کوششوں اور ان کے معاندانہ منصوبوں کے ہر قلعہ کو مسمار کر کے زمین کے گوشہ گوشہ کو اس انقلاب کے چشمۂ فیض سے سیراب کرتے رہے انھوں نے اپنے آرام و راحت کو چھوڑ کر ، دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر اور ہر قسم کی اذیت و پریشانی کو برداشت کر کے اس انقلاب کی شمع کو روشن رکھا اور اس کو دنیا کی بے شمار آبادیوں میں پہونچا کر ان کا مقدر بدل دیا ۔

اس با عظمت و پرنور انقلاب کے کفن بردوش اور سرفروش علمبرداروں کا سلسلہ تاریخ اسلامی کے ہر دور میں پھیلا ہوا ہے ۔ اس سلسلہ کی ایک عظیم کڑی کا نام ،، حافظ ملت ،، ہے جنھوں نے اس دور آخر میں اپنی انقلاب آفریں زندگی سے دور ماضی کے انقلابی قائدین اسلام کی یاد تازہ کر دی ۔

حافظ ملت مرادآباد ضلع کے قصبہ بھوجپور میں پیدا ہوئے ۔ مرادآباد ، اجمیر شریف اور بریلی شریف وغیرہ میں علم حاصل کیا ۔ اس کے بعد حضرت صدرالشریعہ کے حکم پر مبارکپور کو اپنا مسکن بنا کر عمر بھر ساری دنیا کو اپنے فیضانِ کرم سے مالا مال کرتے رہے اور بالآخر مبارکپور سے متصل اپنے ہی بسائے ہوئے شہرستان علم و فضل الجامعۃ الاشرفیہ کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے ۔

آپ کی تشریف آوری سے قبل مبارکپور بدمذہبی

وبدعتی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے، فضائیں بدعقیدگی کے زہر سے مسموم تھیں، بد مذہبوں کی کثرت تھی، انھیں کو ہر طرح کا غلبہ حاصل تھا، بستی کے لوگوں کی قیادت و سربراہی انھیں کے ہاتھوں میں تھی، انھیں کی شوکت و اقتدار کے پرچم ہر جانب لہرا رہے تھے، دنیا کی نظر میں مبارکپور باطل پرستوں کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ سنی تھے مگر بہت تھوڑے، جن کی نہ کوئی موثر آواز تھی، نہ نمایاں حیثیت نہ کوئی ان کی رہنمائی کرنے والا تھا، نہ ان کی قیادت سنبھال کر انھیں متشخص و ممتاز حیثیت دلانے والا۔ ان کے پاس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے نام سے ایک درسگاہ موجود تھی مگر اس کی حیثیت ایک ابتدائی مکتب سے زیادہ نہ تھی، تعلیم کا آخری معیار فارسی اور نحو میر، پنج گنج تک محدود تھا۔

مبارکپور نہ جانے کب سے ان حالات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا کہ آخر اس کی تقدیر بدلنے اور اس کی عظمت کا ستارہ اوج ثریا پر چمکنے کا وقت آ ہی گیا۔ وہاں کے سنی مسلمانوں نے حضرت صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے لئے ایک باصلاحیت مدرس عطا فرمانے کی عرضداشت پیش کی جو مدرسہ کی تعلیم کے معیار کو آگے بڑھا سکے۔ اہل مبارکپور نے حضرت صدر الشریعہ سے ایک مدرس طلب کیا تھا مگر آپ کی ایمانی بصیرت کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ مبارک پور کو صرف ایک ماہر و کامل مدرس ہی کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ایسے باعمل، جفاکش اور سراپا اخلاص رہبر کی ضرورت ہے جو اس بستی کی دھرتی پر وہ انقلاب برپا کر دے کہ عداوت رسول کے زہر سے بھری ہوئی فضاؤں میں عشق رسول کی خوشبو مہک اٹھے۔ دلوں سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جائیں اور ہر طرف ایمان و سنیت کا سویرا جگمگانے لگے۔

جو ایک طرف علم و فضل کا سرچشمہ بن کر تشنگان علوم کی پیاس بجھائے اور دوسری طرف منارۂ ہدایت بن کر ضلالتوں کی سیاہی کو اپنی بساط حیات سمیٹ کر فنا کی وادیوں کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دے۔

جس کے سینہ میں باطل پرستی کے طوفانوں سے ٹکرانے اور مصائب و آلام کی بارشوں میں مسکرانے کا وہ بیکراں حوصلہ ہو جس سے ہر دور کے علمبرداران انقلاب کے سینے آراستہ رہے ہیں۔

ایسے انقلاب آفریں مجاہد کے انتخاب کے لئے صدر الشریعہ کی نگاہ اٹھی اور حافظ ملت پر جا کر ٹھہر گئی۔ آپ نے ان کو مبارکپور جا کر مصباح العلوم کی صدارت مدرسین کا منصب سنبھالنے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس سے قبل حافظ ملت کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے آگرہ کی جامع مسجد کی امامت و خطابت کا منصب تفویض کرنا چاہا تھا۔ جہاں آپ کو اس زمانہ کے اعتبار سے بہت زیادہ تنخواہ ملتی اور آپ کی زندگی مالی آسودگی و خوشحالی سے معمور ہو جاتی مگر آپ نے اس منصب کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ صدر الافاضل ہی نے آپ کو اس زمانہ کے عظیم ادارے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں تدریسی منصب بھی دینا چاہا تھا مگر آپ نے اسے بھی منظور نہیں کیا تھا۔ اور منظور کر بھی کیسے لیتے! جسے قدرت نے ساری ملت کی قیادت کے لیے منتخب کیا تھا وہ ایک مسجد کے چند نمازیوں کی امامت پر کیسے قانع ہو جاتا۔ جسے علم و حکمت کے غیر فانی خزانوں کا امین بن کر لاکھوں سائلوں کے دامن طلب کو معمور کرنا تھا وہ سیم و زر کے چند فانی ٹکڑوں پر نظر ڈالنا کس طرح گوارا کر لیتا۔ جسے بے آب و گیاہ، بنجر صحرا کے سینہ پر ایمان و عرفان اور علمی فیضان کا گلشن سجا کر ایک عظیم انقلاب سے زمانہ کو روشناس کرانا تھا وہ سجی سجائی جنت النعیم کی باغبانی کے منصب کو کیسے قبول کر لیتا ؎

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

اسی لیے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جب آپ کو مبارکپور جانے کا حکم دیا تو آپ نے بلا پس و پیش سر تسلیم خم کر دیا۔ اور رخت سفر باندھ کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایسا نہیں کہ آپ مبارکپور کے حالات سے باخبر نہ ہوں۔ جانتے ہیں کہ وہاں کا ماحول کیا ہے۔ بدمذہبیت کس قدر منظم و طاقتور ہے سنی کتنی کمزوری و بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس نازک صورت حال میں وہاں آپ کو کس قدر مشکلات و خطرات کا سامنا کرنا پڑیگا اور کیسی کیسی دقتیں اور پریشانیاں سامنے آئیں گی۔ مگر انھیں نہ انجام کا خیال ہے نہ نتائج کی پرواہ ہر فکر اور ہر اندیشہ سے بے نیاز ہو کر بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ انھیں دنیا کو پھر ایک بار اس تاریخی صداقت کا نظارہ کرانا ہے کہ چھتوں کے نیچے اور در و دیواروں کے سایہ میں سب چراغ جلا لیتے ہیں مگر آندھیوں کی زد پہ اور طوفانوں کے سامنے چراغ روشن کرنا صرف مرد مومن ہی کا کام ہے۔

جیسے ہی آپ نے مبارکپور پہونچکر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے سایہ میں بزم درس و تدریس سجائی۔ اور آپ کے علم و عمل اور تقدس و پاکیزگی کی خوشبو بستی کی فضاؤں میں پھیلی باطل پرستی کو اپنا مستقبل صاف نظر آنے لگا۔ مدتوں سے سوئی ہوئی سنیت انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگی۔ اور بدمذہبیوں کے پنجۂ ظلم میں بے بسی کی زندگی گزارنے والے کمزور سنیوں کے دلوں میں باطل کے خلاف صف آرا ہونے کے جذبات سر اٹھانے لگے۔ جن لوگوں نے نہ جانے کتنے زمانے کی کاوشوں کے بعد مبارکپور کو بدمذہبی کا مضبوط قلعہ بنایا تھا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ باہر سے آنے والا ایک انسان اس طرح چند دنوں میں ان کے اس قلعہ کو زمین بوس کر کے ان کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا دے۔

وہ لوگ اپنی تمامتر توانائیوں کے ساتھ حافظ ملت کے خلاف میدان عمل میں اتر آئے۔ اور ایک بار پھر چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی نبرد آزما ہو گیا اپنی اس محفوظ پناہ گاہ کو بچانے کے لیے پورے ضلع اعظم گڑھ سے باطل کے سرکردہ نمائندے جمع ہو کر مبارکپور کی سرزمین پر پہونچ گئے اور حافظ ملت کے خلاف متحدہ تقریری محاذ کھول دیا۔ چار ماہ سے زائد یہ معرکہ سرگرم رہا۔ ایک رات باطل پرست مقررین اپنے اسٹیج سے بدمذہبی و گمراہی کی آگ برساتے اور دوسری رات حافظ ملت اپنے منبر پر کھڑے ہو کر حقانیت کے خوشگوار پانی سے اسکو سرد فرما دیتے۔

ایک طرف پورے ضلع کے دیوبندی مولوی تھے جنھیں قصبہ کے عوام کی اکثریت کا تعاون اور مقتدر و بااثر لوگوں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ اور دوسری طرف حافظ ملت تھے۔ یکہ و تنہا۔ نہ کوئی حامی نہ کوئی پشت پناہ۔ مگر ان کی جبین استقلال پر بل نہیں آیا۔ اپنے خدا کی نصرت اور رسول کی رحمت کے بھروسے عزم و ثبات کا کوہ گراں بنکر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ کم و بیش چار ماہ کے مسلسل مقابلہ کے بعد جب اس معرکہ کا فیصلہ ہوا تو دنیا نے دیکھا کہ باطل کے ہرکارے اپنی کثرت و قوت کے باوجود میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے اور اللہ کا یہ سپاہی فتح کا پرچم ہاتھوں میں لیے ہوئے حق کی کامرانی و سربلندی کا اعلان کر رہا تھا۔ اس اکیلے مجاہد نے ہر طرح کی سازشوں، مخالفتوں، اور تصادموں کے باوجود چند ہی مہینوں میں باطل کے طلسم فریب کا ہر پردہ چاک کر دیا۔ اور حقیقت و صداقت کے چہرہ سے اہل باطل کے ہاتھوں ڈالا ہوا ہر حجاب اتار کر پھینک دیا۔

اب مبارکپور کے در و دیوار ایک عجیب انقلاب دیکھ رہے تھے۔ جن دلوں پر چند دن پہلے شیطان کا قبضہ تھا اب وہی دل رحمت رحمٰن کا مخزن بنے ہوئے تھے۔ جن ماتھوں پر رسول دشمنی کے داغ دکھائی دیتے تھے۔ جو لوگ کل تک سنیت کے سب سے بڑے دشمن و بدخواہ تھے وہی آج اسکے سب سے بڑے محافظ و علمبردار بن گئے تھے۔ جو بستی دیوبندیت کا مضبوط ترین قلعہ سمجھی جاتی تھی وہی اب اس کا سب سے خوفناک مقبرہ اور سنیت کا ناقابل شکست حصار بن گئی تھی۔

سینوں کے وہ سینے جن میں جمود بے حسی کا بسیرا تھا اب انھیں میں جوش وجذبات کا ایک بے کراں سمندر کروٹیں لے رہا تھا۔

حافظ ملت نے اس انقلاب کو تکمیل تک پہونچانے کے بعد اب ایک دوسرے انقلابی پروگرام کی جانب قدم بڑھایا۔ آپ نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کو ایک عظیم دار العلوم کی شکل میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے، قوم کی غیرت ایمانی کو آواز دی چندہ کی تحریک شروع ہوئی اور مبارک پور کے باشندے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش میں ایثار وقربانی کی ایک نئی تاریخ مرتب کرنے لگے۔

حافظ ملت کی تشریف آوری سے قبل مصباح العلوم کا سالانہ بجٹ کل ساڑھے ستائیس سو روپیہ کے قریب تھا مگر حافظ ملت کی آواز پر چندہ کے پہلے ہی دن سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ڈھائی ہزار روپے جمع ہو چکے تھے اور چند دن کے اندر یہ تعداد دس ہزار سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر اس قائد کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے تھے جن کا اندازہ ڈھائی من چاندی اور ۲۲ تولہ سونا بیان کیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایک سال میں اپنے مدرسہ کو پورے تین ہزار روپیہ بھی نہ دے پاتے ہوں ان کے جذبات میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دینا کہ وہ سراپا ایثار بن کر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں حافظ ملت کی نگاہ فیضان ہی کا کمال تھا۔ پھر اس جذباتی انقلاب کا مکمل مظاہرہ اس وقت دنیا کے سامنے آیا جب حافظ ملت نے دار العلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ کے پیکر میں ڈھالنے کے لئے، قدم کو آگے بڑھایا تھا۔

اس وقت اہل مبارک پور نے جس دیوانگی کے ساتھ اپنی قیمتی کمائیوں کو اس جامعہ کے لئے، قربان کیا تھا اس کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ایثار وقربانی کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔

دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد شوال ۱۳۵۳ھ میں رکھا گیا تھا۔ حافظ ملت کے زیر سایہ یہ دار العلوم مسلسل ترقیوں کی راہ پر آگے بڑھتا رہا اور ہر اعتبار سے ملک کی ایک مثالی درسگاہ بن گیا۔ مگر

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت آگے حد پرواز سے

حافظ ملت کی انقلابی طبیعت اب بھی مطمئن نہ تھی۔ وہ علمی دنیا کا زوال وانحطاط اور درسگاہوں کی زبوں حالی دیکھ رہے تھے۔ اور اس کو دیکھ کر مستقبل کا جو نقشہ سامنے آتا تھا وہ ان کے دل کو بے چین اور روح کو بیقرار کر دیتا تھا۔ وہ علمی دنیا میں ایسا عظیم ومحکم انقلاب لانا چاہتے تھے جو پھر ایک بار رکے ہوئے کاروان علم کو شاہراہ ترقی پر گامزن کر دے۔ اور دنیائے علم وفن کا مستقبل اتنا مضبوط اور درخشاں ہو جائے کہ حوادث روزگار کا کوئی بڑا سے بڑا طوفان بھی اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

اپنی اس تمنا کو پیکر وجود دینے کے لئے، انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ کے نام سے ایک ایسی عظیم الشان درسگاہ قائم کرنے کا اعلان کر دیا جس میں علوم قدیمہ کے ساتھ طلبہ کو جدید علوم سے بھی آراستہ کیا جائے۔ جس میں دم توڑتے ہوئے علوم کو دوبارہ زندگی دی جائے اور اس میں ایسے عظیم معماروں کی جماعت تیار کی جائے جو ایوان علم کی گرتی ہوئی دیواروں کو کھڑا کر کے اس کو نیا استحکام اور نئی آن بان عطا کر دیں۔

آخر حافظ ملت کے جذبۂ اخلاص، عزم محکم اور جہد مسلسل نے جلد ہی اس منصوبہ کو عملی شکل عطا کر دی۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے مجوزہ وسیع خطہ زمین پر ۲۰/۲۱/۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۵/۶/۷ مئی ۱۹۷۲ء کو عظیم الشان تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اسی موقع پر ۶ مئی کو بعد نماز عصر سیکڑوں

قائدین اہلسنت اور ہزاروں فرزندان توحید کے جھرمٹ میں اس عظیم یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ سنگ بنیاد کی اس تقریب میں اس وقت کے اکثر اکابر مشائخ وعلماء جلوہ افروز تھے مگر حافظ ملت نے خشت اول رکھنے کے لئے دنیائے سنیت کے اس عظیم تاجدار کا انتخاب کیا جس کو وقت کے تمام سالکان طریقت اور عالمان شریعت نے بلا اختلاف یکساں طور پر اپنا سالار قافلہ مانا تھا۔ جس کو دنیا شہزادۂ اعلیٰحضرت مفتی اعظم کے نام سے یاد کرتی اور انکی غلامی اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہے۔ حافظ ملت جانتے تھے کہ ان کے دل میں علوم ظاہری و باطنی کی جو روشنی پھیلی ہوئی ہے وہ وہ اس شمع نوری کا فیضان ہے جس کو اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدر الشریعہ کے سینۂ پاک میں روشن فرمایا تھا اسی حقیقت کے اعتراف کے طور پر آپ نے اس عظیم شہر علم وحکمت کا سنگ بنیاد اعلیٰحضرت کے عظیم المرتبت شہزادہ کے ہاتھوں رکھوایا تاکہ اہل بصیرت اور ارباب نظر ہمیشہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں بہنے والے علم وحکمت کے اس دریائے بے کنار کا سرا بریلی شریف کی سرزمین سے ملتا ہے اور یہاں سے جو فیضان علم وفن تقسیم ہو رہا ہے یہ ہند میں نائب غوث الوریٰ امام احمد رضا کی بارگاہِ کرم کا ہی عطیہ ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام نے دنیائے علمی میں کیا انقلاب برپا کیا اس کا اندازہ جامعہ کے تعلیمی ماحول کو بھی دیکھ کر کیا جا سکتا ہے اور جامعہ کے فاضلین کی اس مبارک جماعت کو دیکھ کر بھی جو مصباحی کے نام سے ساری دنیا میں علوم وفنون کے چراغ روشن کئے ہوئے ہے۔

آج جب ہم مبارکپور کی سرزمین پر جامعہ کی تعلیم گاہوں اور ہوسٹلوں کے سربفلک اور پرشکوہ عمارتوں اور ان کے سایہ میں کھلے ہوئے علم وفن کے گلہائے رنگا رنگ کو دیکھتے ہیں پھر پلٹ کر مبارکپور کی پچھلی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس بستی نے اتنا طویل سفر اتنی جلدی کیسے طے کر لیا اور اس کی دھرتی پر اتنے مختصر سے وقت میں اتنا بڑا انقلاب کیسے آگیا۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں پہونچ کر خود بخود جبین عقیدت اس عظیم رہبر کے قدموں میں جھک جاتی ہے جن کے جذبۂ صادق، سعیٔ پیہم، سچی لگن، اور کام کرنے کی دھن نے صدیوں کے کام کو برسوں میں پورا کر دکھایا۔ یقیناً حافظ ملت ایک ایسی عظیم شخصیت تھے جن کی ذات ہزاروں انجمنوں کا مجموعہ اور سیکڑوں اداروں کا خلاصہ تھی۔

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

بقیہ ص ۳۱ کا

قدیم وجدید کو اسلامی دائرہ کار میں شیر وشکر اشرفیہ نے کیا۔

* مسلمانوں کے جمود میں رخنے اشرفیہ نے پیدا کئے اور انھیں جہد وعمل کی راہ اشرفیہ نے دکھائی۔

نوٹ:- اس مقالہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتب ورسائل سے استفادہ کیا گیا۔

(۱) تاریخ نجد وحجاز ۔ علامہ عبد القیوم ہزاروی
(۲) تاریخ وہابیہ ۔ علامہ محمد رمضان علی
(۳) حافظ ملت نمبر ۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور
(۴) امام احمد رضا نمبر ۔ المیزان

حافظ ملت۔ سیاسی شعور و آگہی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم استاد: شعبۂ دینیات (سنی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مرادآباد کی سرزمین پر جن عبقری شخصیتوں نے جنم لیا ان میں بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، جلالۃ العلم، استاذ العلماء، حافظ ملت حضرت مولانا الحاج عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی ۱۹۷۶ء) کا نام نامی اسم گرامی بھی قابلِ ذکر ہے۔

بھوجپور مرادآباد کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں حافظ ملت پیدا ہوئے جس ماحول میں انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ وہ زیادہ اہل علم نہ تھا اور نہ ہی ملکی سیاست میں وہ لوگ دخیل تھے البتہ تقویٰ وطہارت۔ اور دینداری کی ان کے والدین بھی تصویر تھے۔ حافظ ملت بھی اپنے والدین کے نقش قدم پر چلے۔ ارباب علم وفضل میں ان کی انفرادیت مسلّم ہوئی اور ضرب المثل بنے۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف تقویٰ وطہارت ہی میں نہیں بلکہ علم وفضل، فکروفن، حلم وبردباری، دوربینی و دوراندیشی، صداقت وحقانیت، زہد وریاضت، رشد وہدایت اور سیاسی شعور وآگہی میں ان کی قیادت وسیادت یکساں تسلیم کی گئی۔

نومبر ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ جب میں مدرسہ حشمتیہ معراج العلوم بھدوکھر بازار ضلع بستی سے کافیہ تک کی تعلیم حاصل کرکے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخل ہوا تو اس وقت درسگاہ کی فلک بوس عمارت کو عظمت وبرتری کا جامہ پہنانے والے اس درویش صفت انسان کو نگاہیں دیکھنے کے لیے بیقرار تھیں مگر نیا نیا ماحول ہونے کی وجہ سے اس بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل کرنے کی جلد کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی حالانکہ حافظ ملت کے یہاں اس قسم کی کوئی بندش نہیں تھی اور نہ ہی کوئی خادم ودربان جو اوقات ملاقات کی وضاحت کرتا وہاں تک پہنچنے کے لیے ماحول کی بیگانگت کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز آڑے نہیں آرہی تھی۔

کہتے ہیں اگر طلب صادق ہو تو اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا ہے جلد ہی حافظ ملت سے ملاقات کی صورت نکل ہی آئی اور وہ اس طرح کہ شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ میں ایوان ادب کے زیر اہتمام نومبر ۱۹۷۳ء میں ضلعی پیمانے پر خوش نویسی کا مقابلہ تھا میں ادارہ کی طرف سے اس مقابلے میں شرکت کے لیے بھیجا گیا ساتھ میں تقریر اور قرأت کے مقابلوں میں شرکت کرنے والے طلبہ بھی تھے مقابلہ درج ذیل شعر کی خوش نویسی پر تھا

گل مرقع ہے ترے چاک گریبانوں کا
شکل معشوق کا انداز ہے دیوانوں کا

مقابلے میں پورے ضلع کے طلبائے مدارس کے نمائندے تھے اس مقابلہ میں میری پہلی پوزیشن رہی اس کامیابی سے اگر ایک طرف ادارہ کے سیکڑوں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان شہرت ہوئی اور قرب ملا تو دوسری طرف اسی بہانے حضور حافظ ملت کی جناب میں حاضر ہوکر دعاؤں کا بھی طالب ہوا۔ یہ واقعہ اشرفیہ میں اس وقت پیش آیا جب میرے داخلے کے بعد صرف دس یوم گذرے تھے۔

شرف زیارت تو حاصل ہوگیا مگر رہا شرف تلمذ تو وہ بہرحال بڑا مشکل مرحلہ تھا کیونکہ ادارہ کی تعمیر وترقی پیہم مصروفیات اور پھر وعظ وتبلیغ کے دورے درس وتدریس کی قطعاً اجازت نہیں دے رہے تھے اس لئے میرے داخلے سے پہلے ہی وہ

تدریسی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ مگر جب ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے والوں کا ذکر آتا اور بطور خاص جب علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی صاحب فضل وکمال شخصیت کا نام سنتا تو عجیب فرحت سے جھوم جاتی اور دل سے دعائیں نکلتی کہ کاش میری زندگی میں بھی ایک بار ہی سہی ایسا موقع آتا۔ کس طرح میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنا سکا اس کی ایک طویل داستان ہے مختصر یہ کہ جب مصنف قانون شریعت حضرت مولانا شمس الدین احمد جعفری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث کی ذمہ داری سے استعفا دے کر چلے گئے اور ادھر حضرت مولانا عبد الشکور خاں عزیزی کو ایک سال کے لئے دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی میں شیخ الحدیث بنا کر بھیج دیا گیا تو ادارہ میں مدرسین کی کمی شدت سے محسوس کی گئی طلبہ کا تعلیمی نقصان حافظ ملت کو کسی طرح گوارا نہ تھا اساتذہ کی کمی کو انھوں نے محسوس کیا اور خود دورہ میں آکر پڑھانے لگے ان دنوں میں شرح جامی، بحث فعل پڑھ رہا تھا۔ خدا کا فضل یہ ہوا کہ میری ہی کلاس حضور حافظ ملت کے یہاں گئی اس طرح انھوں نے شرح جامی بحث فعل کے چند اسباق پڑھا کر جون ۱۹۷۰ء میں مدرسہ میں پڑھانے کے اعتبار سے آخری شاگرد ہونے کا شرف بخشا۔

شرح جامی پڑھنے والے کو کتنا شعور ہوتا ہے اسے اہل علم جانتے ہیں فن نحو کی اگرچہ یہ منتہی کتاب ہے مگر تو بھی جماعت کے طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے اس وقت طالب علم کو کتنا فہم وبصیرت ہوتی ہے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کچھ یہی حال میرا بھی تھا جو خوبیاں حافظ ملت کے بارے میں پہلے سن رہا تھا ملاقات کے وقت اس کی تطبیق کرنی چاہی میں اس سلسلے میں کہیں کامیاب اور کہیں ناکام رہا۔ ان کے لب ولہجے اور انداز گفتگو سے کسی طرح بھی یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم دینے والے اس مرد درویش نے کبھی سیاسی پیچ وخم میں الجھ کر قوم ومسلم کی نمائندگی کی ہوگی مگر یہ عقدہ اس وقت کھلا جب میں مولانا حشمت علی لکھنوی اور تحریک پاکستان، نامی کتاب ترتیب دے رہا تھا، اور جب مولانا حشمت علی لکھنوی۔ حیات وخدمات۔ کے نام سے دوسری کتاب ترتیب دی تو حافظ ملت کی سیاسی آگہی سے مزید آشنائی کا موقع ملا۔

ہندوستان کی تاریخ میں سنہ ۱۸۵۷ء کے علاوہ سنہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے بھی کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں تقسیم ہند کا مسئلہ درپیش تھا۔ ملک میں انتشار، بد امنی، کشت وخون، غارتگری لوٹ کھسوٹ کا جو ماحول تھا اس سے اس دور کے اخبارات ورسائل رنگین ہیں۔ وہ منظر دیکھنے والی نگاہیں آج بھی اس کا تصور کر کے خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جاتی ہیں مختصر یہ کہ عجیب افراتفری کا عالم تھا قوم مختلف جماعتوں میں بکھر گئی تھی جس کے سبب کئی سیاسی پارٹیاں میدان میں تھیں۔

(۱) انڈین نیشنل کانگریس (۲) آل انڈیا مسلم لیگ (۳) خلافت کمیٹی (۴) جمعیۃ العلماء (۵) شیعہ کانفرنس (۶) مومن کانفرنس (۷) آل انڈیا سنی کانفرنس (۸) مسلم نیشنلسٹ (۹) خدائی خدمت گار (۱۰) مجلس احرار (۱۱) تحریک خاکسار (۱۲) کرشک پرجا پارٹی۔

اس کے علاوہ اور بھی دوسری سیاسی پارٹیاں بھی تھیں جنھوں نے ایک دوسرے کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مدرسے، دانش گاہیں، کالج کی عمارتیں اور یونیورسٹیاں سیاسی اکھاڑے بن گئے تھے آئے دن ایک دوسرے کے خلاف جلسے منعقد ہوتے ان تحریکوں میں یونیورسٹی کے ارباب اقتدار کے دوش بدوش مدارس کے معزز علماء بھی تھے خاص طور سے تقسیم ہند کے موقع سے علماء وصوفیاء نے جو کارنامے انجام دیے وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی نہیں مٹائے جا سکتے۔

کانگریس مسلم لیگ دو نمایاں پارٹیاں تھیں علماء کی ایک اچھی تعداد ان سیاسی جماعتوں سے وابستہ تھی ان دونوں کا مطمح نظر ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ تھا ایک پارٹی قیام پاکستان کے لئے جی جان سے کوشش کر رہی تھی جب کہ دوسری جماعت تقسیم ہند کی زبردست مخالف تھی۔

آل انڈیا سنی کانفرنس علمائے اہلسنت وجماعت کی باوقار سنجیدہ تنظیم تھی اس کا قیام مارچ ۱۹۲۵ء میں علمائے اہلسنت کی چار روزہ کانفرنس میں مراد آباد میں ہوا اس کا اصل نام " الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ " ہے اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی۔ (متوفی ۱۳۶۷ھ) منتخب ہوئے جب کہ صدارت محدث علی پوری حضرت پیر جماعت علیشاہ (متوفی ۱۹۵۱ء) کے سپرد کی گئی۔ اس تنظیم میں علمائے اہلسنت کی کثیر تعداد شامل تھی جو اس کی دامے درمے، قدمے، سخنے اعانت وحمایت کرتی تھی جب اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے سارے اغراض ومقاصد اخلاص للہیت اور اشاعت دین حق پر مبنی تھے اس لئے سنی علماء نے دل کھول کر حصہ لیا۔ بنارس اور مراد آباد کانفرنس کے ذریعہ انھوں نے اپنی اہمیت بھی تسلیم کرالی۔ بنارس سنی کانفرنس کے چشم دید گواہ مولانا عبد الحامد بدایونی کانفرنس کے بارے میں اپنا جو تاثر پیش کرتے ہیں سننے کے قابل ہے:

"میں نے اپنی چوالیس سالہ زندگی میں صدہا کانفرنسیں دیکھیں اور بیسیوں خود منعقد کیں لیکن میں کہتا ہوں کہ بنارس سنی کانفرنس کی طرح گذشتہ چالیس سالوں میں کوئی کانفرنس بھی نہ ہو سکی " (۱)

کچھ ایسے ہی تاثرات مراد آباد سنی کانفرنس کے بارے میں علماء نے قائم کئے لیکن جب زمانہ اور حالات کے لحاظ سے اس کے اغراض ومقاصد میں تبدیلیاں ہوگئیں تو انھوں نے مسلم لیگ کی اس افراتفری کے ماحول میں شریعت کا پاس رکھے بغیر اس درجہ معاونت کی کہ ہر مسلم کے لئے اس کی اعانت واجب قرار دیدی جب کہ حصول پاکستان کے بعد جو آئین مرتب ہوئے وہ بقول محمد علی جناح یہ تھے:

"پاکستان میں صرف مسلمانوں کی حکومت نہیں ہوگی بلکہ حکومت پاکستان میں وہاں کے رہنے والے ہندوؤں کا بھی تناسب آبادی کے لحاظ سے حصہ ہوگا " (۲)

اس کے علاوہ مسلم لیگ کے دستور اساسی میں ہے:

"مسلم لیگ اپنے مقاصد اساسیہ (الف) و (ب) منقول از جمل انوار الرضا ص ۴ کی رو سے اپنی آزادی وفاقی جمہوری ریاست کے ذریعہ کفریات اور ضلالات ومحرمات کی مکمل حفاظت کریگی وہابیہ۔ دیوبندیہ رافضیہ، نیچریہ، صلحکلیہ وغیرہم مرتدین کے عقائد کفریہ اور مذاہب باطلہ کو ترقی دے گی کیا اگر مسلم لیگ اپنے مقاصد اساسی کی پابند ہے تو آج بھی ترقی دے رہی ہے۔ آخر جناح کو سیاست کا نبی اور قانون کا پریدہ دگار لکھا گیا ہے مسلم لیگ مقصد (س، ذ، د) کی رو سے تمام اقوام ہند ہنود، بدھ، عیسائی، پارسی یہودی، وہابی دیوبندی، قادیانی، نیچری و مرتدین عن الاسلام کے ساتھ اتحاد ورشتۂ اخوت قائم کریگی " (۳)

اس کے علاوہ دستور کی مزید تفصیلات حضرت مفتی مولانا شریف الحق امجدی کی کتاب " اشک رواں " میں جو اس دور کے حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے دیکھی جا سکتی ہے۔

مسلم لیگ کی اس درج بالا تصریحات اور دیگر آئین وضوابط کے سبب کچھ علماء بیزار ہو گئے یہ علماء قیام پاکستان کے مخالف تو نہیں تھے مگر جس انداز سے وہ حکومت کا خاکہ بنا رہے تھے وہ شرعی اصول وضوابط کے بالکل برعکس تھا چونکہ قیام پاکستان کی جد وجہد اس لئے کی جا رہی تھی کہ وہاں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا اس لئے کچھ علماء نے سنی کانفرنس سے برطرفی کا اعلان کر دیا۔ جن علماء نے اس سے برطرفی اختیار

---

(۱) مسعود احمد۔ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۵۵ مطبوعہ لاہور (۲) مولانا حشمت علی۔ ستر باادب سوالات ص ۶۹ مطبوعہ کانپور (۳) مولانا سراج الہدیٰ۔ السراج الکامل لاضارۃ ارشادات صدر الافاضل ص ۵۱

کرکے اس کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ان میں سرفہرست شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی کا نام آتا ہے۔

یہ طے ہے کہ جب آل انڈیا سنی کانفرنس بہر نوع مسلم لیگ کی حمایت میں نہیں تھی تو علماء کی مقدس جماعت اس سے وابستہ تھی لیکن جب حالات بدلے سنی کانفرنس کی رفتار میں تبدیلی آئی تو کچھ علماء بھی اس سے اپنی وابستگی کے رویہ میں رد و بدل کرنے پر مجبور ہو گئے۔

سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ہٹ کر جو علماء مسلم لیگ کے خلاف آوازیں بلند کر رہے تھے وہ کانگریس کی حمایت میں نہیں بلکہ ان کی مخالفت کا مقصد الگ تھا ان کا کہنا تھا کہ حکومت دو حصوں میں منقسم نہ ہو اور ہم برسر اقتدار بھی آجائیں اگر انکے اس نظریہ کی حمایت کیجاتی تو آج ہند و پاک کا یہ نقشہ نہ ہوتا جو ہمارے سامنے ہے یہاں اقلیت کی وجہ سے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اس سے بھاگلپور، سہسرام، بدایوں علی گڈھ، بنارس، الٰہ آباد، مراد آباد، بھیونڈی، احمد آباد وغیرہ نہ جانے کتنے شہروں کے غریب مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے کم و بیش ۹ کروڑ مسلمان متاثر ہوئے ہیں ان فسادات میں جو جانیں تلف ہوئی ہیں اور جو مالی نقصان ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اور پاکستان میں مہاجرین کو جس ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کے گواہ گذشتہ برسوں کے ہنگامے اور فسادات ہیں۔ چاہے عقل باور کرے یا نہ کرے مگر اتنا طے ہے اگر تمام مسلم قوم متفقہ طور پر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں جد و جہد کرتی تو آج حکومت کا نقشہ کچھ دوسرا ہی ہوتا۔ مساجد و مقابر کے تحفظ کے علاوہ مذہب کی اشاعت کی ہمیں ہر طرح آزادی ہوتی ہر معاملے میں ہمیں برابری کا حق ملتا ہماری حیثیت ہندوستان میں وہی ہوتی جس طرح انسان کے رخسار پر دونوں آنکھوں کی ہوتی ہے۔ غیر قوموں کی طرح بڑے فخر سے ہم بھی کہتے کہ ہم مسلمان ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی رہی سہی عزت ان علماء نے خاک میں ملا دی جو کانگریس سے وابستہ ہو کر ہر جائز و ناجائز امر میں حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ ان علماء نے اپنی کرسی کی خاطر ضمیر فروشی کرنے کے ساتھ ساتھ مذہب کا بھی سودا کر ڈالا۔

مسٹر ابوالکلام آزاد نے ناگپور میں خلافت کانفرنس کے پنڈال میں جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں مسٹر گاندھی کی صداقت و حقانیت پر قسمیں کھائیں (۱)

شیخ دیوبند مولانا حسین احمد مدنی نے ۱۹۳۸ء میں دہلی کے اندر برسر منبر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ فتویٰ دیا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نظریات و عقائد کی بنیاد پر (۲)

ان دنوں علامہ اقبال بستر مرگ پر تھے جب آواز ان کے کانوں تک پہنچی تو تڑپ اٹھے اور فرمایا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است (۳)

ایسے پرفتن ماحول میں مردان حق آگاہ کی ایک جماعت نے کانگریس، مسلم لیگ، اور آل انڈیا سنی کانفرنس سے وابستہ علماء کی مخالفت کی حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی

(۱) معارف رضا ص ۱۹۷ مطبوعہ ۱۹۸۹ء
(۲) نور محمد قادری اقبال کا آخری معرکہ لاہور
(۳) کلیات اقبال ص ۶۹۱ لاہور

حضرت مولانا رحیم الدین قادری، حضرت مولانا ظفر الدین فاضل بہاری، مولانا سراج الہدیٰ گیاوی اور حضور حافظ ملت (علیہم الرحمۃ والرضوان) کے علاوہ سینکڑوں علماء نے اس نظریہ کی تائید کی جس کے علمبردار شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (۱)

مولانا حشمت علی خاں جس نظریہ کے علمبردار تھے اس کے لئے ان کی تصنیفات جیسے "ستر باادب سوالات" اور "اجمل انوار الرضا" کا مطالعہ ضروری ہے اس سلسلہ کی دیگر تفصیلات کے لئے راقم کی غیر مطبوعہ کتاب "مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان" اور "مولانا حشمت علی حیات وخدمات" کا مطالعہ کرنا چاہیے جن علماء نے ان کا ساتھ دیا ان کی تفصیلات موضوع بحث نہیں ہے یہاں حافظ ملت کے اس سیاسی شعور وآگہی کی نشاندہی کیجائے جس کا وہ اس افراتفری کے ماحول میں سہارا لیکر اساتذہ، معاصرین اور احباب کی پرواکئے بغیر حق کی حمایت میں ثابت قدم رہے۔ کانگریس، مسلم لیگ اور سنی کانفرنس کے کردار پر حافظ ملت جو خون کے آنسو روئے ہیں اس کے دھبے ان کی اس کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جس کی نقل حضرت مولانا جمال الدین احمد رضوی قادری کے ذاتی کتب خانے سے مجھے دستیاب ہوئی ہے۔ کتاب کے مندرجات پر بحث کرنے کے بجائے ان سرخیوں اور عنوانات کا جائزہ ہی کافی ہوگا جس کے تحت انھوں نے حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے جیسے "مسلمانوں کی کجروی"، "مسلمانوں پر کانگریس کا بھوت"، "کجروی کی سزا"، "لیگ کا اسلام کاغذی ہے"، "لیگ کی شرکت واعانت ناجائز وحرام ہے"، "لیگ اہلسنت کی دشمن ہے"، "لیگ میں سنیوں کی حیثیت اور غلامانہ اکثریت"، "لیگ میں بد دینوں کی فرمانروائی"، "لیگ میں بد مذہبوں کا مستقل وجود"، "بدنصیب اکثریت کی بیکسی"، "سنی کانفرنس نے جسے زیادہ لیگ کا ساتھ دیا لیگ نے سنی کانفرنس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا"، "لیگی عقیدت کا عبرتناک منظر" وغیرہ۔

اسی کش مکش کے عالم میں حافظ ملت نے جس سیاسی شعور کا ثبوت دیا وہ اپنی جگہ بالکل مسلم ہے اسی دوران آپ نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ "ارشاد القرآن" کے نام سے مرتب فرمایا۔ اس رسالہ کے بارے میں ایک صاحب لکھتے ہیں:

"یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب انتہائی پر آشوب دور میں مسلمانان ہند اپنے دین سے کوچ کر رہے تھے علاوہ ازیں مغربیت اور الحاد کا طوفان بھی ہر طرف کوچ کا نقارہ بجا رہا تھا ایسے مختصر رسالے نے قریب پہنچ جانے کے باوجود مسلمانوں کے لڑکھڑاتے قدم کو استقامت پامردی، ثابت قدمی، اعتماد وتوکل کی دولت سے مالامال کر دیا۔" (۲)

جس پر آشوب ماحول میں وہ رسالہ مرتب کیا گیا اس پر آشوب احوال کی ہولناکیوں کا صحیح اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنھوں نے وہ منظر دیکھا ہے۔ حافظ ملت نے جن آنکھوں کی نگاہوں سے وہ منظر دیکھا اور پھر اپنے تاثرات کو جو رسالہ میں قلم بند کیا اسی رسالہ میں ایک مقام پر "مسلمان کا مقصود" کی سرخی کے تحت مسلم قوم کی مقصدیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسلمانو! تمہارے دنیا میں آنے کی غرض اور تمہارا مقصود حقیقی اللہ عزوجل کی عبادت ہے تمہارا رب فرماتا ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" یعنی میں نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے لہذا مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت

---

(۱) غلام حسن قادری ۔ فتاوی اہل السنۃ بحکومۃ اہل الفتنہ مطبوعہ ۱۳۶۵ھ

(۲) اشرفیہ ۔ حافظ ملت نمبر ص ۱۷۵ مبارکپور ۱۹۷۶ء ۔

رہیں تاکہ جو شہادا مقصود و مطلوب ہے اُس کی صحت میں
ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور اگر خدا نخواستہ
تم اپنے رب کی عبادت سے روک دیے جاؤ اور اس
مقصود کے حاصل کرنے سے مجبور کر دیے جاؤ تو ایسی
صورت میں بشرط استطاعت ترکِ وطن فرض ہے
اور محض دار الحرب ہو جانے سے ضروری ہے نہ تو مستحب
عزم ترک ہے اس لیے کہ کسی ملک اور کسی خطہ زمین کی تخصیص
نہیں جہاں بھی امن کے ساتھ اپنے رب کی یاد کر سکو وہیں
جا کر اپنے رب کی عبادت کرو اگرچہ جنگل اور پہاڑ
ہی کیوں نہ ہو۔ (۱)

اس عبارت سے واضح ہے کہ حضرت حافظ ملت ترکِ
وطن کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے تھے جب ایسی وحشتناک
صورت پیدا ہوئی کہ کچھ نظریاتی اختلافات کی بنا پر علمائے اہلسنت
کے درمیان محاذ آرائی ہونے لگی مولانا حشمت علی لکھنوی نے
سنی کانفرنس سے وابستہ مقتدر علماء کی جناب میں استفتاء اور
سوالات کے ذریعہ مسئلہ کا تصفیہ کرنا چاہا مگر مرکز کی جانب سے
انھیں کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا جب انھوں نے اپنے اس
نظریے کی وضاحت فتویٰ کی شکل میں "اجمل الانوار الرضا" نامی
کتاب سے کی۔ تو علماء کے ایک طبقے نے کافی مواد اس سے
پر آشوب ماحول میں بھی ستر کے قریب علماء نے اس نظریے کی واضح
لفظوں میں تائید کی اور کھلے دل سے قبول کیا۔ لیگ سے
متعلق اجمل الانوار الرضا میں شائع شدہ فتویٰ جب حافظ ملت
کی نظر سے گزرا تو انھوں نے اس سے جو تاثر قائم کیا وہ قابلِ
ذکر ہے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب
کے پاس بھیجے گئے ایک خط میں اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

۔ حضور والا کے فتویٰ "اجمل الانوار الرضا" کا مطالعہ
کیا واقعی لیگ کی شرکت و اعانت تو حرام و ناجائز
تھی ہی مگر سنی کانفرنس کی لیگ نوازی والے

سے بھی یہ سمجھا کر دیا جاتا ہے کہ جواب
ہے اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تو حضرت
صدر الشریعہ تو دعوت دیتے ہیں سنی کانفرنس
کے شمول میں تردد کی گفتگو کرنے کے ناقابل تسلیم
کرنا اعتقادی تھا کہ شاید ... سنی کانفرنس
سنی کانفرنس اگر ایسا ہوتا تو حضرت
کے لیے لگا اور اس سے جیسا کہ ... ہوگا
حضرت صدر الشریعہ لیگ ہو یہ شریعت یا کہ
شریعت سے لگے تھے ... کہ ... عقلا
ہے اور ... شریعت سے ... لگتا ہے
... ہے ... ہوگیا ہے تک
شریعت ... اور ... کی ... کا
کانفرنس کے ... کا ... ہے ...
ہو ... لگتا ہے ... حکومت ...
سے ... ہے ... میں ... کانفرنس
... شریعت ... ہو گئے اور پاکستان
اور لیگ بھی ... کا ... ہیں۔
پاکستان اور ... شریعت اسلامیہ کی ...
تھی ... پاکستان ... حکومت کا مطالبہ۔
مسلم لیگ اور ... ہے ... تھے
اسلام اور ... کو ... سنی کانفرنس
مسلم لیگ ... کی ... اور ... تائید
کرتی ہے اور ... سنی کانفرنس
مسلم لیگ اور ... کی ... بھی ...
کا ... ہے اور کسی ... کا ... نہیں۔
لیکن سنی کانفرنس ... ہے ...
لیگ ... کے ... تھے اور ... تھی
اور شیعہ اختلافات تھا لیکن ... تھی کہ ... ہے

آل انڈیا اجلاس میں اس کو نافذ نہ ہوسکے مگر یہاں
بھی وہی صورت نظر آتی ہے اس سے وہ امید ختم
ہوگئی اور آج سے پہلے سنی کانفرنس سے علیحدگی
اختیار کر کے استعفا داخل کردیا۔ وجوہ استعفا
سنی کانفرنس کو لیگ نواز بن قرار دیتے ہوئے
لکھا کہ جب تک سنی کانفرنس لیگ سے اپنی علیحدگی
اور بیزاری کا اعلان نہ کردے میں اس کی
خدمت سے قاصر ہوں۔ (۱)

حافظ ملت اس دور کے سیاسی زعما اور لیڈروں سے اس درجہ نالاں تھے کہ اس ملک میں جا بجا قتل و خون اور غارتگری کا ماحول تھا اس کے پیچھے سیاسی داؤ پیچ کے علاوہ اور کوئی چیز کارفرما نہیں تھی مسلمانوں کو بے دردی سے [illegible] بنا کر انکی عزت و آبرو سے [illegible] کیا جا رہا تھا اس زمانے کے اخبارات و رسائل میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ ان حالات سے دوچار ہوکر حافظ ملت نے صرف اپنا استعفا داخل نہیں کیا بلکہ اس کی اشاعت بھی کرادی جب ان سے بعض لوگوں نے اس اشاعت کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

- میرا ارادہ اس کو شائع کرنے کا نہ تھا لیکن میری علیحدگی
سے بہت سے احباب کو غلط فہمی ہے۔ بہت سے غلط فہمی
پیدا کرتے ہیں بہت کو حیرت ہے بہت سے استفسار
کرتے ہیں اور علیحدگی کی وجہ دریافت کرتے ہیں چونکہ
میں [illegible] سے اپنے استعفا کو جو [illegible]
[illegible] کو داخل ہے شائع کرنا ضروری سمجھتا ہوں
تاکہ غلط فہمی دور ہو اور صحیح وجہ معلوم ہوسکے۔

لیکن حافظ ملت نے ایسا کیوں کیا اس سلسلہ میں خود ہی انکی تحریر ہے ایک رسالہ لکھا جس کا اجمالی تعارف گذر چکا ہے اس رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں:
[illegible]

واضح ہوگیا کہ جس طرح کانگریس کی شرکت و اعانت
ناجائز اور حرام ہے اسی طرح بحکم شرع لیگ کی
شرکت و اعانت بھی ناجائز و حرام ہے اور ثابت
ہوگیا کہ سنی کانفرنس لیگ کی مؤید ہے مسٹر جناح
پر اسے مکمل اعتماد کا اعتماد کرتی ہے اسلئے میں
سنی کانفرنس سے مستعفی ہوگیا۔

بنارس سنی کانفرنس کی صدارت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھی اسلئے حافظ ملت نے اپنا استعفا انہی کے نام ارسال کیا اور اس کی ایک کاپی آل انڈیا سنی کانفرنس کے ناظم اعلی صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ارسال کی۔ چونکہ اس استعفا سے حافظ ملت کی سیاسی آگہی سمجھنے میں کافی مدد ملے گی اور ان کے سیاسی موقف کی [illegible] کے ساتھ ان کی سیاسی کارگذاریوں پر طائرانہ نظر بھی پڑے گی اسلئے ذیل میں اس استعفا کی نقل بعینہ پیش کیجارہی ہے۔

نقل استعفا

سیدی و سندی حضرت مخدوم صاحب قبلہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس دور پر فتن میں سنی کانفرنس کی نئی زندگی سے روحانی مسرت تھی بڑی امید تھی کہ یہ خالص دینی و مذہبی جماعت کانگریس، لیگ، احرار وغیرہ سب سے بے تعلق اور علیحدہ رہکر اہلسنت کی تنظیم کرے گی اور تمام بے دینوں بد مذہبوں سے مسلمانان اہلسنت کو علیحدہ اور محفوظ رکھتے ہوئے انکی تنظیم فرمائے گی اسلئے یہ خادم اپنے عقیدتمندانہ جذبات کے ساتھ سنی کانفرنس کی خدمت کے لئے تیار ہوا حسب الحکم حضور والا مبارکپور میں ضلع سنی کانفرنس قائم کی اطراف میں اس کی شاخیں پھیلائیں نہایت جدوجہد سے کام ہوا چنانچہ ڈھائی ہزار سنی مسلمانوں کو اس کے ممبر بنائے مگر جب سے ہندوستان میں الیکشن کا دور

(۱) غلام حسین : [illegible] ص ۹

شروع ہوا کارکنان سنی کانفرنس نے لیگ کی حمایت شروع کردی منفرداً و مجتمعاً ہر طرح لیگ کی تائید کرتے رہے بڑے بڑے عمائد کانفرنس نے پوری طاقت سے لیگ کا ورک کیا چنانچہ انکی محنتوں کا نتیجہ یہ شائع ہوا کہ نوّے فیصدی کامیابی کا سہرا سنی کانفرنس کے سر ہے کارکنان سنی کانفرنس کی اس لیگ نوازی سے خادم متاثر ضرور تھا تاہم اس کی تاویل کرتا تھا اور اس کو ان حضرات کی شخصی اور وقتی خصوصیت پر محمول کرتا تھا یہ خیال کرتا تھا کہ سنی کانفرنس کا مقصد لیگ کی تائید نہیں ہے اس لئے امید ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے اجلاس میں اس کی تلافی ہو جائے گی مگر بنارس کے اجلاس کا دعوت نامہ آیا تو اس میں بھی مقاصد سنی کانفرنس میں پاکستان اور لیگ شامل ہے اگرچہ پاکستان کی تفسیر بایں الفاظ ہے (آئین شریعۃ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کا مطالبہ) لیکن سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لئے صرف دعائیہ ہو سکتے ہیں بطور مطالبہ ہرگز نہیں اس لئے پاکستان لیگ کا مطالبہ ہے جو تمام مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی مدعی ہے اور سنی کانفرنس نے اپنی تائید سے لیگ کے اس دعوی کو حکومت برطانیہ سے منوا دیا ہے لہذا اگر سنی کانفرنس کی تائید و حمایت سے بالفرض پاکستان ملا بھی تو لیگ کو ملے گا اور وہ لیگی پاکستان ہوگا جس کی تشریح مسٹر جناح نے بارہا کی ہے کہ پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز نہیں قائم ہو سکتی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا جس میں غیر مسلموں کا بھی حکومت میں حصہ ہوگا لیگی اخبار "تنویر" ۱۲ اپریل میں ہے قائد اعظم نے کہا ہے کہ:

پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی اب پاکستان کی وہ تفسیر جو سنی کانفرنس کر رہی ہے کیا معنی رکھتی ہے اگر کوئی معنی ہو سکتا ہے تو یہ کہ اس کی تفسیر سے مسلمان متاثر ہو کر حمایت پاکستان میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں پیش کریں اور بس!

اس طرح لیگ کی تائید میں دینی امور کی قید. اس قید کی عملی حقیقت آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشاہیر علماء کرام کے متفقہ فیصلے سے ظاہر ہو جاتی ہے الکشن کیلئے فیصلہ یہ تھا (مسلم لیگ جس سنی مسلمان کو بھی اٹھائے سنی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں) اس فیصلہ میں لیگی نمائندہ کی تائید مقید ہی تھی کہ اگر لیگ نے سنی نمائندہ کو منتخب کیا ہے تو اس کی سنی کانفرنس کے اراکین و ممبران تائید کریں گے مگر عملاً یہ قید بالکل ہی نظر انداز کر دی گئی اور غیر سنی نمائندوں کی بڑی قوت کے ساتھ تائید کی گئی بڑے بڑے عمائدین سنی کانفرنس نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ نمائندہ ہرگز سنی نہیں ہے اس کا ورک کیا اور نہایت ہی عرق ریزی سے اس کی تائید کی لہذا عمائدین سنی کانفرنس کے اس عمل نے ثابت کر دیا کہ سنی کانفرنس کے متفقہ فیصلہ میں سنی کی قید احترازی نہ تھی تو اب لیگ کی تائید میں یہ دینی امور کی قید علی ہذا القیاس۔ نیز لیگیوں نے تقریراً و تحریراً شور مچایا اور عوام سنیوں کو دھوکہ دیا کہ سنی کانفرنس چونکہ لیگ کی تائید کرتی ہے لہذا سنی مسلمان لیگ کو کامیاب بنائیں تو میں نے ایک مختصر مضمون بعنوان "غلط فہمی کا ازالہ" الفقیہ میں بھیجا جس کا حاصل یہی تھا کہ سنی کانفرنس نے صرف سنی نمائندے کی تائید طے کی ہے سنی کانفرنس مطلقاً لیگ کی مؤید نہیں تو اولاً اس مضمون کو بے اثر کرنے کے لئے اسے گمنام چھاپا پر سنی کانفرنس اس بے اثر کو بھی برداشت نہ کر سکے بلکہ اٹاوہ سنی کانفرنس سے اس کی بڑی مبسوط تردید شائع ہوئی اس پر مرکز کے سکوت نے اور واضح کر دیا کہ فیصلہ میں سنی کی قید احترازی نہ تھی ایسی صورت میں عملاً لیگ کی تائید مطلق ہی رہ جاتی ہے اور عملی طور پر ان قیود کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا پھر ان باریکیوں کو عوام بے چارے کیا سمجھیں ان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ سنی کانفرنس کے مشاہیر علمائے کرام متفقہ فیصلہ لیگ کی تائید میں شائع ہو گیا تو پھر کیا تھا جھک پڑے جس کے زہریلے نتائج مذہب پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ تصلب فی الدین کا خاتمہ ہو گیا اور انکی خوش عقیدگی لیگ سے اس قدر بڑھی کہ خواہ قادیانی ہو ہو یا رافضی، دیوبندی ہو یا خارجی اگر وہ لیگی ہے تو سنی مسلمان اس کی تعظیم و توقیر کے لئے تیار ہے مبارکپور کے سنی اپنی مذہبی

خصوصیت میں ممتاز ہے مگر لیگ کی خوش عقیدگی نے ان سے
رشید اشرفعلی تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی کا استقبال کرایا
اس کا لکچر سنوایا اس کے پیچھے نماز پڑھوائی اس کے پیر کے
موزے دھلوائے غرضیکہ بڑی تعظیم و تکریم کرائی اس کی صفائی
میں کہتے ہیں کہ ہم مذہبا ظفر احمد تھانوی کو نہیں مانتے صرف
سیاسی رہنما ہونے کی حیثیت سے مانتے ہیں اگر مسلمانان مبارکپور
پر لیگ کا بھوت نہ سوار ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے یہ ہیں لیگ
کی تائید کے زہریلے نتائج لہٰذا جب کہ آل انڈیا سنی کانفرنس
کے اجلاس میں بھی لیگ کی تائید ہو رہی ہے تو اب میرے نزدیک
نہ کسی تاویل کی گنجائش نہ اس کی تلافی کی امید باقی اس لئے سنی
کانفرنس کی خدمت سے معذور ہو کر نہایت ہی افسوس کے ساتھ
اس تحریر کو بطور استعفا، پیش کرتا ہوں اور نہایت ہی ادب سے
مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ اگر سنی کانفرنس نے لیگ سے اپنی
علیحدگی اور بے زاری کا اعلان کر دیا تو میں بسر و چشم اس کی
خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

فقط عبدالعزیز عفی عنہ
۱۲ر جمادی الاولیٰ ۶۵ھ

بقیہ صـ۳۲ کا

کی کمی کی وجہ سے ان کی تبلیغ و تقریر مؤثر و کارآمد ثابت نہیں
ہو پاتی ہے آخرش عوام برملا ان سے بیزاری کا اظہار کرنے
لگتے ہیں۔

المختصر حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنی انفرادی صلاحیتوں
اور اپنی امتیازی خصوصیتوں کی وجہ سے اپنے نظریۂ تعلیم میں بیحد
کامیاب تھے۔ اسی لئے آپ کا کارنامہ کل بھی زندہ تھا۔ آج بھی
زندہ ہے اور آپ کے متعینہ خطوط پر چل کر کل آئندہ بھی زندہ
رہ سکتا ہے۔

رب قدیر اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
صدقے آپ کے مرقد انور پر صبح و شام رحمت و نور کی بارش
فرمائے۔ اور ہمیں دین و سنیت پر سچی تڑپ عطا کر دے۔ (آمین)

حافظ دین وملت

واصف عزیزی مراد آبادی

زینت بزم اہل زبان و قلم صاحب علم و حکمت کی یاد آگئی
جب کہیں بھی سجی بزم علم و ادب حافظ دین و ملت کی یاد آگئی

رس بھرے بول تھے اور شیریں زبان اب نظام وہ ہم آپ میں ہیں کہاں
دیکھ کر انکے روضے کی جلوہ گری ساکن باغ جنت کی یاد آگئی

باعث فخر اہل سخن آپ تھے حامئ دین اہل سنن آپ تھے
باخدا عاشق پنجتن آپ تھے حامئ اہلسنت کی یاد آگئی

انجمن شریعت کے روشن قمر آپ کی ہے سجی آج محفل ادھر
دیکھکر آپ کا شہر علم و ہنر آپکی شان و شوکت کی یاد آگئی

مونس بیکساں مشفق و مہرباں جس طرف چل دیئے کھل اٹھا گلستاں
جب ہوا انکی نیچی نظر کا بیاں ہمکو چشم عنایت کی یاد آگئی

پیرہن علم کا جب پہنکر چلے حافظ دین و ملت وہ بن کر چلے
سامنے منکر دیں کے تن کر چلے ماحئ دین بدعت کی یاد آگئی

ہر قدم پاسبان شریعت تھے وہ ہر نفس نگہبان طریقت تھے وہ
ناشر دین فخر رسالت تھے وہ آج واصف کو حضرت کی یاد آگئی

قطعہ

نہ مجھکو خوف اجل کا نہ شوق جینے سے
الٰہی میرا تعلق رہے مدینے سے
حضور حافظ ملت کا فیض تو دیکھو،
کہ نعت پڑھنے لگا میں بھی اب قرینے سے

[illegible]

حافظ ملت اور ان کی سیاسی بصیرت

احمد القادری مصباحی پرنسپل مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بنارس

سیاست کا معنی ہے انتظام، معاملات کی دیکھ بھال، تدبیر ملکی، معاملاتِ ملکی، پالیسی، حکمت عملی، سیاسی، سیاست داں۔ تدبیر ملکی سے متعلق یا تدبیر والی۔

حافظ ملت اس دور کی ایک عظیم شخصیت کا نام ہے جس کے بچپن، جوانی، بڑھاپا، حالت علمی اور زمانۂ تعلیم و تدریس جس دور کو بھی دیکھا جائے وہ شان دار و تابندہ نظر آتا ہے۔

حافظ ملت ایک ایسے مرد قوم کا نام ہے جس نے اپنی زندگی کی ساری پونجی قوم کے لئے وقف کر دی۔

حافظ ملت علم و شعور کے اس ماہتاب عالم کا نام ہے جس نے علم و فن کے حصول اور اس کی ترویج و اشاعت میں اپنا تن، من، دھن سب قربان کر دیا۔

حافظ ملت اس محبت رسول اللہ سے ہو لیے رسول کی ادا پر اپنی جان قربان کر دینے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہے۔ محبت رسول کے آئینے ہمیشہ ان کی پیشانی پر چمکتے رہے۔ اطاعت رسول سے ہر موج تعلیمات شریعت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے انھیں سیدھا دکھایا۔

حافظ ملت اس مرد مجاہد قوم کا نام ہے جس نے ہمیشہ اپنی قوم کو سربلند دیکھنے کے لئے مسلسل جدوجہد میں قربانیاں صرف کر دیں۔

حافظ ملت بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، بے شمار صفات کے حامل ہیں بے شمار خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان کی ہر خوبی پر بہت اس لائق ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جائے۔

حافظ ملت کی زندگی کے جس گوشے کو میں زیر عنوان لانا چاہتا ہوں وہ حافظ ملت کا سیاسی تدبر ہے۔

حافظ ملت کی اس صفت کے ساتھ کم لوگ روشناس ہیں۔ کچھ لوگ تو سیاست کو مذہب سے جدا تصور کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دینی مذہب کو سیاست سے الگ رہنا چاہئے۔ آج کل کے کچھ سیاسی افراد سیاست میں قدم رکھنے کے بعد مذہب کو دور ہی سے سلام کرتے ہیں، اور مذہب پر ثابت قدمی کو سیاست کا دشمن سمجھتے ہیں۔

ایک اخبار میں ہے کہ سیاست کا ٹھیکیدار سمجھے جانے والے ایک لیڈر کا بیان جب میری نظر سے گذرا تو میں متحیر رہ گیا۔ آئیے آپ بھی وہ بیان پڑھئے، لکھتے ہیں......

یہ سیاست ہے مذہبی رہنما اور مولویوں کو اس سے کیا کام، انھیں قطعاً سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہئے اور انھیں اس سلسلے میں کوئی مشورہ دینا چاہئے۔

اس طرح کا خیال رکھنے والے افراد کو میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ قطعاً مذہب اسلام سے سیاست و حکومت جدا نہیں کسی اور مذہب سے جدا ہو تو ہو۔ اسلام ہرگز اپنے ماننے والوں کو سیاست و حکومت سے الگ نہیں کرتا — بے شمار قرآنی آیات، احادیث کریمہ، اقوال صحابہ و تابعین اور ارشادات سلف، نظم و نسق سیاست و حکومت کی جانب رہنمائی کرتے ہیں، اور اپنے متبعین کو اس کے صحیح طریقہ کار سے روشناس کراتے ہیں۔

خود نبی اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکومت اسلام کی داغ بیل ڈالی اور سیاست و حکومت کا سچا طریقہ سکھایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشین صحابہ کرام نے دور خلافت راشدہ میں اسلامی سیاست

حکومت کو [illegible] سے کہیں [illegible] ہو چکا تھا ۔

مولانا [illegible] [illegible] حضرت [illegible] ارشاد [illegible] [illegible] سیاست [illegible] حکومت [illegible] کے خلاف برسر [illegible] ہو سکے گا ۔

حضرت [illegible] حضرت [illegible] اسلام [illegible] تعالیٰ عنہ [illegible] خلافت کی [illegible] [illegible] حقیقت اسلامی سیاست کی اساس [illegible] ہے ۔

سلطان [illegible] حضرت [illegible] الدین چشتی [illegible] حضرت [illegible] سلطان شمس الدین التمش [illegible] حافظ [illegible] [illegible] ۔

اسلام اور سیاست تو ایک [illegible] [illegible] ۔

[illegible] اس وقت حضرت حافظ ملت کا سیاسی [illegible] [illegible] سیاست سے الگ کرنے کا [illegible] ۔

قیام [illegible] حافظ ملت [illegible] سیاست [illegible] [illegible] حافظ ملت [illegible] سیاست [illegible] الارشاد [illegible]

تصنیف فرمایا ۔

یعنی اس وقت آپ کو ہندوستان کی سیاست کے اس موڑ سے [illegible] جو حضور حافظ ملت [illegible] جانا جاتا ہے ۔ [illegible] سے قبل ہندوستان نے سیاست کے بڑے بڑے کھیل دیکھے ہیں ۔ کبھی تحریک خلافت تھی تو کبھی ترک موالات ، کبھی کانگریس [illegible] کی غلامی سے نجات دلانے والی تنہا مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی تو کبھی مسلم لیگ مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتی تھی ۔ [illegible] سیاست [illegible] مسلمانوں کو [illegible] [illegible] قوم [illegible] کے سامنے پیش کر دیا ہے ۔

حصول آزادی کی کوشش اور مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے [illegible] آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا ۔ اس تنظیم نے سیاست اور حصول آزادی میں بھرپور حصہ لیا ۔ اس سے متعلق [illegible] کے بارے میں حافظ ملت [illegible] تحریر فرماتے ہیں :

> [illegible] جذبات کے ساتھ سنی کانفرنس کی خدمت کے لئے تیار ہوا ۔ جب [illegible] مبارک پور میں ضلع سنی کانفرنس قائم [illegible] [illegible] جماعت سے [illegible] چنانچہ [illegible] سنی مسلمان [illegible] ۔
>
> (الارشاد ص [illegible])

اس وقت ہندوستان میں دو عظیم سیاسی جماعتیں ابھر کر سامنے آ چکی تھیں ۔ ایک انڈین نیشنل کانگریس ، دوسری مسلم لیگ ۔ باقی سبھی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ان ہی میں سے کسی کے ساتھ ضم ہو گئیں ۔

---

۱ [illegible] حافظ ملت [illegible] سید [illegible] [illegible]

کانگریس کا دعویٰ ہندوستان کو انگریزوں کے پنجے سے چھڑا کر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، سبھی ہندوستانیوں کی ملی جلی جمہوری حکومت کا قیام تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ باہر سے آکر انگریز ہم پر زبردستی حکمراں بن بیٹھے ہیں۔ اور ہمیں غلام بنالیا ہے۔ لہٰذا ہندوؤں کے ساتھ سارے مسلمان مل کر ان کو بھگائیں اور ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کردیں ——
انگریزوں کو ہٹانا تنہا ہندوؤں کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ تو ہزار برس سے محکوم چلے آرہے تھے مگر مسلم حاکموں نے انھیں اتنی مراعات دے رکھی تھیں کہ ان کے دورِ حکومت کو انھوں نے اپنے لئے آزادی سے بہتر اور غنیمت شمار کیا۔ مگر جب انگریزوں نے وہ مراعات ختم کردیں تو یہ یک بیک چیخ پڑے اور غلامی کا جوا اتار پھینکنے کا ارادہ کیا مگر اپنے اندر سکت نہیں پا رہے تھے اسلئے مسلمانوں کا سہارا لیا۔

ادھر مسلم لیڈران جو کانگریس میں شامل تھے کانگریس سے ان کی کیا سیاسی ان بن ہوگئی کہ اس سے الگ ہوگئے۔ وہی کانگریسی مسلم لیڈران جو کل تک کانگریس کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ یک بیک کانگریس کو سخت دشمن کہنے لگے۔ انھوں نے مسلم لیگ کے نام سے الگ ایک تنظیم بنائی اور خود اس کے بانی اور قائد بن بیٹھے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت تو پہلے ہی سے کانگریس کی مخالف تھی، اور ہندوؤں کی دشمنی کا انھیں پہلے ہی سے بارہا تجربہ حاصل ہوچکا تھا مگر کوئی سیاسی تنظیم ابھر کر سامنے نہیں آئی تھی، مسٹر محمد علی جناح کی آواز بلند ہوتے ہی مسلمان لیگ میں فوج در فوج داخل ہونے لگے لیگ میں مسلمانوں کی شمولیت کا اندازہ ذیل کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب اس وقت کی عکاسی اپنے الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

"وہ مسلمان جو کانگریس کے خلاف مصروفِ عمل ہونے کے لئے بےچین تھے مسلم لیگ کی طرف ٹوٹ پڑے، اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید و تقویت کرنے لگے، تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے طول و عرض میں لیگ پھیل گئی اور اس شان سے پھیلی کہ بیشتر خانقاہوں سے مشائخ کرام تسبیح و مصلی پھینک پھانک کر اس کی صف میں آنے لگے۔ بیشتر مدرسوں سے علماء بغلوں میں قرآن و حدیث دبائے ہوئے دوڑ پڑے۔"

(اشک رواں ص ۲۰)

لیگ کی جانب اس بھاگ دوڑ میں سنی کانفرنس کے نمائندے بھی شامل ہوئے۔ انھوں نے اپنی تحریر و تقریر، تدبیر و تجویز، جان و مال، ہر طرح سے لیگ کی حمایت کی —— لیکن بھلا ہو سنی کانفرنس کے ضلعی نمائندے حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ان کی دور بیں نگاہوں نے لیگ کو فوراً بھانپ لیا۔ لیگ کانگریس سے جدا کوئی نظریہ نہیں رکھتی۔ جو فرق ہے وہ صرف دکھاوے کا ہے۔

کانگریس اور لیگ میں یکسانیت

کانگریس کو خیال تھا کہ تمام ہندوستانیوں کی ملی جلی ایک جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آئے جس میں مذہب، ذات، رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہ ہو۔
لیگ کا خیال تھا کہ ہندوستان سے الگ کرکے پاکستان ایک حکومت وجود میں آئے جس میں غیر مسلم اور مسلمانوں کے تمام فرقوں، شیعہ، سنی، دیوبندی، وہابی، غیر مقلد، نیچری وغیرہ ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہو ——
مسٹر جناح نے اس کی تشریح یوں کی۔

"پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہوسکتی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا۔ جس میں غیر مسلموں کا بھی حصہ ہوگا۔ پاکستان میں ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی۔" (الارشاد ص ۱۱)

دونوں نظریات پر غور کیا جائے۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟۔ دونوں جمہوری اسٹیٹ کے قیام کے خواہاں ہیں، دونوں ہر مذہب کو مذہبی آزادی دلانے کے خواستگار رہیں۔ کوئی بھی اسلامی

نظامِ حکومت کا خواہشمند نہیں ۔

پھر اس پر عمل بھی ہوا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد آج تک وہاں اسلامی احکام و فرائض نافذ نہ ہوسکے ۔ اس وقت تو مسلمانوں کو زبانی اسلامی حکومت کا خواب دکھا کر لیگ کیلئے مسلم ووٹ حاصل کر لیے ۔ لیکن کیا وہاں کے مسلمان مطمئن ہوگئے ؟ کیا وہاں ہندوستان کے ہندو مسلم فساد کی طرح مہاجر، پنجابی اور سندھی کے نام پر مسلمانوں کا قتلِ عام نہیں کیا جارہا ہے ؟ کیا وہاں خود مسلمانوں کے ہاتھوں اسلامی احکام کی بے حرمتی نہیں ہورہی ہے ؟ ـــــــ بلکہ میرا خیال ہے کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے اب تک ہندوستان کے فسادات میں مسلمانوں کا جتنا قتل ہوا تھا مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کا قتلِ عام سب سے زائد ہے ۔

حافظِ ملت کی دور بیں نگاہیں اسی وقت دیکھ رہی تھیں اور قیامِ پاکستان کے حربہ کو بخوبی سمجھ رہی تھیں ۔ کہ یہ صرف سیاسی قیادت کی جنگ ہے ۔ نہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی نہ ہندوستان میں ۔ کانگریسی کھل کر جمہوریت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور اہلِ لیگ اسلام کا لیبل چسپاں کرکے جمہوری اسٹیٹ قائم کرنے کی فکر میں ہیں ۔

اسلامی نظام اور جمہوری نظام میں کتنا عظیم فرق ہے ۔ اہلِ علم پر مخفی نہیں ۔ اسلام کی درپردہ اور منافقانہ دشمنی کھل کر دشمنی کرنے سے بدتر ہے ۔ منافقین سے ہمیشہ اسلام کو زیادہ نقصان پہونچا ہے ۔

بانیانِ پاکستان نے بڑے زور و شور سے اسلام اور مسلمانوں کا نعرہ بلند کیا جس کے نتیجے میں یقیناً پاکستان بن گیا ۔ مگر یہ بتایا جائے کہ کیا وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی ! کیا وہاں احکامِ اسلام جاری ہوگئے ؟ کیا وہاں کے اسکولوں اور کالجوں میں دینی اور مذہبی تعلیم ہی دی جاتی ہے ؟ کیا وہاں شراب نوشی پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں ؟ کیا وہاں عریانیت اور بے پردگی کا خاتمہ ہوگیا ؟ کیا وہاں طوائف و رقص و سرود کے اڈے مسمار کر دیئے گئے ؟ کیا وہاں بے نمازیوں کو کسی قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں ؟ کیا وہاں اسلامی احکام برسرِ عام پامال نہیں کئے جارہے ہیں ! کیا وہاں اذان ہونے کے بعد مسجدوں کے باہر بے نمازیوں کی گشت جاری نہیں رہتی ! کیا وہاں سرکاری ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر منہیاتِ شرعیہ کھلے طور پر پیش نہیں کئے جارہے ہیں ؟ کیا وہاں نسلی تعصب پورے طور پر جنم نہیں لے چکا ہے ۔ ! غرضیکہ کون سی برائی ہے جو وہاں پورے عروج پر نہیں ؟

اسلام کے نام پر لیگیوں کی حمایت ان کے ہر کردار و عمل کی حمایت تھی ۔ جب حضرت امام حسین نے اپنی جان قربان کر دی مگر یزید کی حمایت کے لیے تیار نہ ہوسکے تو انہیں کا ایک شیدائی و فرمانبردار عاشق ملت کا نگہبان کیسے لیگی فاسقین کی حمایت کرتا !

سنی کانفرنس کے نمائندوں نے لیگ کی بھرپور حمایت و تائید کی اس دور میں لیگ کے لیڈروں کو اسلام کا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا ۔ انھوں نے مسلمانوں کو مذہب ہی کے نام پر اکٹھا کرکے بدمذہبی پھیلائی ۔

حافظِ ملت بھی سنی کانفرنس کے خصوصی نمائندہ تھے ۔ مگر سنی کانفرنس کی اس روش پر سخت برہم تھے ۔ تقریراً و تحریراً ہر طرح ناراضگی اور برأت کا اظہار فرمایا ۔ اگر سنی کانفرنس خود خالص مسلمانوں کا نمائندہ بنکر اسلامی اسٹیٹ کی کوشش کرتی تو حافظِ ملت یقیناً ان کے شانہ بشانہ نظر آتے جیسا کہ ان کی تحریروں سے ظاہر ہے ۔ لیکن اس وقت لیگ کا سب پر بھوت سوار تھا ان کی باتوں پر کیو نکر کوئی کان دھرتا

سنی کانفرنس نے بھی لیگ کی پرزور حمایت کی ۔ لیکن خود لیگ نے اس کو یکسر نظر انداز کر دیا ـــــــ سنی علماء و مشائخ کو کہیں بھی نمائندگی نہیں دی گئی ۔ لیگ میں سنیوں کی حیثیت کیا تھی اس کا نقشہ ایک مقام پر حافظِ ملت نے یوں کھینچا ہے :

"سنیوں کا کام یہ ہے کہ لیگ کے جھنڈے اٹھائیں لیگی لیڈروں کا شاندار استقبال کریں ، مسلم لیگ زندہ باد ، قائد اعظم زندہ باد ، کے نعرے لگائیں

لیگ کے جلسوں کا پنڈال سجائیں۔ کمر بستہ ہو کر جگہ صاف کریں۔ فرش بچھائیں، لیگ کے جلسوں کو خوب کامیاب بنائیں۔ الکشن میں لیگ کا ورک کریں۔ خوب دوڑ دھوپ کریں، بڑی جد و جہد کے ساتھ سنی مسلمانوں سے لیگ کیلئے بڑے بڑے چندے کریں، لیگی نمائندوں کی کامیابی کے لئے گرانقدر رقمیں صرف کریں۔ ہر امکانی کوشش ختم کر کے لیگ کو کامیاب بنائیں۔

..... اور بس۔ (الارشاد ص ۸)

غیر سنیوں کا حال یہ ہے کہ:

"وہ لیگ میں فرماں روا ہیں، حاکم ہیں، مخدوم ہیں، سنی اکثریت کی تمام خدمات انھیں کے اعزاز و اقتدار کی نذر ہیں، وہ مختار ہیں، سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔"

(الارشاد ص ۱۴)

جس وقت لیگی لیڈروں کو عام مسلمان مذہبی اور روحانی مسیحا خیال کرتے تھے اور ان سے اسلامی حکومت کی خام توقع وابستہ کئے تھے اس موقع پر حافظ ملت کی سیاسی بصیرت کا ایک ایمان افروز بیان ملاحظ فرمائیے:

جب سے الکشن کا دور شروع ہوا۔ کارکنان سنی کانفرنس نے لیگ کی حمایت شروع کر دی، منفرداً مجمعاً ہر طرح لیگ کی تائید کرتے رہے بڑے بڑے عمائد کانفرنس نے پوری طاقت سے لیگ کا ورک کیا۔ چنانچہ ان کی محنتوں کا نتیجہ شائع ہوا کہ لیگ کی نوے فی صد کامیابی کا سہرا سنی کانفرنس کے سر ہے۔ کارکنان سنی کانفرنس کی اس لیگ نوازی سے خادم متاثر ضرور تھا تاہم اس کی تاویل کرتا تھا۔ اور اس کو ان حضرات کی شخصی اور مقامی خصوصیت پر محمول کرتا تھا۔ یہ خیال کرتا تھا کہ سنی کانفرنس بنارس کے اجلاس میں اس کی تلافی ہو جائے گی مگر بنارس کے اجلاس کا دعوت نامہ آیا تو اس میں مقاصد سنی کانفرنس میں پاکستان اور لیگ شامل ہے۔ اگرچہ پاکستان کی تفسیر بایں الفاظ ہے۔

"آئین شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کا مطالبہ"، لیکن سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لئے صرف دعائیہ ہو سکتے ہیں بطور مطالبہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ پاکستان لیگ کا مطالبہ ہے جو تمام مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی مدعی ہے۔ اور سنی کانفرنس نے اپنی *کی تائید و حمایت سے بالفرض پاکستان ملا بھی تو لیگ کو ملیگا اور وہ لیگی پاکستان ہوگا، جس کی تشریح مسٹر جناح نے بارہا کی ہے ــــ پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہو سکتی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا۔ جس میں غیر مسلموں کا بھی حکومت میں حصہ ہوگا۔

لیگی اخبار تنویر ۱۲؍ اپریل میں ہے۔ قائد اعظم نے کہا پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی"، لہذا اب پاکستان کی وہ تفسیر جو سنی کانفرنس کر رہی ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر کوئی معنی ہو سکتا ہے تو یہ کہ اس تفسیر سے مسلمان متاثر ہو کر حمایت پاکستان میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں پیش کریں۔ اور بس۔ (الارشاد ص ۱۶، ۱۷)

*لیگیوں کے ایک پرانے لیڈر راجہ محمود آباد نے اپنے بیان میں یوں کہا ـــــ "افسوس ہے کہ آج چالاکی سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے سوالات اٹھا کر مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر ہاں سیاست میں ہے آج مذہب کے نام سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے ...... ہمارے مولوی مولانا کہلانے والے ہم کو ملیامیٹ کر رہے ہیں۔ انھوں نے مذہبی دوکانیں کھول رکھی ہیں۔ ان سے ہم کو بچنا چاہیے"۔

(روزنامہ اخبار انقلاب بمبئی مورخہ ۱۳؍ جولائی ۱۹۴۶ء نمبر ۱۰ حاشیہ الارشاد ص ۱۷ از علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی)

اب آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا ہوگا کہ لیگ کا نظریہ قطعاً اسلامی حکومت کا قیام نہیں تھا بلکہ اپنے اقتدار کی کوشش

اور جوڑ توڑ تھی۔

سنی کانفرنس نے جب پاکستان کے لئے "آئین شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کا مطالبہ" کا اعلان کیا تو حافظ ملت نے اسی وقت کتنا صاف صاف بیان کر دیا کہ سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لئے صرف دعائیہ ہو سکتے ہیں بطور مطالبہ ہرگز نہیں۔ پھر آنیوالے وقت نے یہ ظاہر کر دیا کہ یقیناً پاکستان اسلامی حکومت نہیں بلکہ لیگی حکومت ہے اور ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی حدیثیں اور صحابہ کرام و ائمہ مجتہدین کے اقوال پیش کرنے والے شخص کو نا اتفاقی پھیلانے والا، اختلاف کرنے والا کہہ کر اس طرح نظر انداز کیا گیا کہ سنی کانفرنس کے ارکان بھی دنگ رہ گئے۔

لیگ نے مسلمانان اہلسنت کے عقائد و نظریات پر کس قدر برا اثر ڈالا اس کا ایک مقام پر حافظ ملت نے یوں ذکر کیا۔

> "جس کے زہریلے نتائج مذہب پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ تصلب فی الدین کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کی خوش عقیدگی لیگ سے اسقدر بڑھی کہ خواہ قادیانی ہو یا رافضی، دیوبندی ہو یا خارجی اگر وہ لیگی ہے تو سنی مسلمان اس کی تعظیم و توقیر کے لئے تیار ہیں ——
> مبارکپور کے سنی اپنی مذہبی خصوصیت میں ممتاز تھے مگر لیگ کی خوش عقیدگی کی آن سے مرتد اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی کا استقبال کرایا اس کا لیکچر سنوایا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھوائی، اس کے پیر کے موزے دھلوائے۔ غرضیکہ بڑی دھوم سے اس کی تعظیم و تکریم کرائی۔
> .... اگر مسلمانان مبارکپور پر لیگ کا بھوت سوار نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔
>
> (الارشاد ص ۱۸)

لیگ کے ان برے اور زہریلے اثرات متاثر ہونے اور اس کے عواقب وانجام پر غور و فکر کرنے کے بعد آخر کار حافظ ملت نے ۱۳ر جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو سنی کانفرنس کی لیگ نوازی کی بنیاد پر اس کی نمائندگی سے استعفاء پیش کر دیا۔

حافظ ملت میں دور اندیشی، معاملہ فہمی، نکتہ سنجی، انجام رسی، قوت فکر، مستقبل پر نظر حد درجہ تھی۔ بعض پیش گوئیوں کو تو آپ اس اذعان و یقین سے بیان کرتے کہ گویا لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہے۔ معاصرین میں سے کسی کی جگہ گہرائی و گیرائی تک سوچ بھی نہیں پہونچ سکتی حافظ ملت کی نظریں وہاں جمی رہتیں۔

آج کل کی سیاست مذہب بیزاری، دروغ گوئی، کذب بیانی، وعدہ خلافی، مکر و فریب، ظلم و ستم، جبر و استبداد، دریوزہ گری، ناانصافی، رشوت ستانی، غرضیکہ بیشمار برائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ اور سیاست کی خوبیاں ان برائیوں کے ساتھ اس طرح حل مل گئی ہیں کہ اچھے اور برے سیاسی نیتاؤں کو پہچاننا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔ جس کو ہم رہبر سمجھتے ہیں رہزن نکل جاتا ہے۔ لیکن۔ حافظ ملت ان نیتاؤں کی خوبیوں اور خامیوں کے پرکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور دودھ کا دودھ یا پانی کا پانی الگ کر دینے پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔

اگر تمام سنیوں اور سنی کانفرنس کے نمائندوں نے حافظ ملت کی بات مانی ہوتی اور ان کی رائے پر عمل کیا ہوتا تو آج کا پاکستان سنی اسلامی پاکستان ہوتا۔ آج فرمان مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے وہاں مطالبہ اور لڑائی نہ کرنا پڑتی بلکہ فرمان مصطفےٰ وہاں خود نافذ ہوتا۔

حافظ ملت کا خیال تھا کہ سنی کانفرنس تمام سنیوں کی حمایت سے خود اپنے طور پر اسلامی حکومت کا مطالبہ کرے۔ لیگ میں ہرگز شامل نہ ہو نہ اس کی حمایت کرے۔ یہ کوئی مشکل نہ تھا یہ فیصلہ کثرت تعداد کی بنیاد پر مبنی تھا اور سنیوں کی کافی اکثریت موجود تھی اس وقت سنیوں کی اکثریت کا اندازہ ذیل کے جلوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

مسلمانانِ اہلسنت کی اتنی اکثریت ہے کہ اگر ایک دم سارے سنی مسلمان خلافت کمیٹی (یا مسلم لیگ) سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ خلافت کمیٹی (یا لیگ) کسے کہا جائیگا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟ ان حقائق میں کیا اس دعوی کی روشنی نہیں کہ خلافت (اور حکومت) صرف سنیوں کو قائم کرنا ہے۔ (الارشاد ص ۷)

غرضیکہ حافظ ملت جہاں دیگر علوم و فنون میں کافی مہارت اور دسترگاہ رکھتے تھے سیاست میں بھی ان کی بصیرت و بصارت ممتاز نظر آتی ہے۔

سیاسی رہنمائی کا ایک اہم واقعہ جو مندرجہ بالا واقعات ہی کا ایک جز ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

والد گرامی بیان کرتے ہیں:

۱۹۴۷ء سے قبل جب خوب لیگ کانگریس کی سیاسی جنگ چھڑی ہوئی تھی ہر ایک شخص کسی نہ کسی پارٹی سے جڑا ہوا تھا اور اپنی پارٹی کی حمایت اور مقابل پارٹی کی مخالفت میں جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھا۔ ہمارے وطن بھیرہ میں بھی جمعیۃ العلماء اور کانگریس کی حمایت کا بڑا زور و شور تھا۔ گاؤں کا ہر فرد اپنی جگہ کانگریس کا بڑی شد و مد سے ورک کر رہا تھا۔

اس وقت یہاں لیگ میں والد صاحب تنہا تھے یا ان کے ساتھ دو ایک آدمی اور۔ یہ لیگ کی ہر طرح حمایت کرتے اور گاؤں کے لوگ کانگریس کی۔ اس طرح والد صاحب کے سامنے گاؤں کی کانگریسی (دیوبندی) پارٹی سے مذہبی مخالفت کے ساتھ ایک سیاسی لڑائی کا اضافہ ہو گیا۔ مگر والد صاحب اپنی ذاتی ہمت و جرأت کی وجہ سے کبھی کسی سے دبے نہ تھے۔

انھوں نے اہل سنت کے مقتدر علمائے کرام مثلاً حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی اور مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی علیہما الرحمہ سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کیا۔ سب نے لیگ کو حق بتایا۔ اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی۔ آپ سنی علماء کے دل سے معتقد تو تھے ہی ان کے فرما دینے سے لیگ کے ساتھ اعتقاد راسخ ہو گیا۔ ساتھ ہی کانگریسی اہل وطن سے مخاصمت میں بھی اضافہ ہوا۔

اسی درمیان حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی عرض حال کیا عین موقع پر حافظ ملت نے رہنمائی کی۔ فرمایا: لیگ اور کانگریس پہ کوئی مذہبی لڑائی نہیں۔ دونوں برابر ہیں۔ ادھر مرتد کا ساتھ اُدھر مشرک کا ساتھ۔ اس لئے کسی سے مخالفت مول لینا بے سود ہے۔ گاؤں کے لوگ جدھر ہوں اُدھر رہئے۔

یہ بات دل سے نکلی تھی دل میں اتر گئی۔ اسی دن سے لیگ کی حمایت ترک کر دی اس معاملہ میں گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ہو گئے۔ مگر کانگریس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔

البتہ مذہبًا بہ مذہب اہل وطن سے جدا رہے اور اپنے تصلب فی الدین پر قائم رہے۔ اور آج تک اس پر مسلسل قائم ہیں۔

حافظ ملت ہی کی یہ دستگیری تھی کہ جو تصلبِ مذہب کے بجائے جھوٹی سیاست کے لئے استعمال ہو رہا تھا پھر مذہب کی طرف مڑ گیا۔

یہ حافظ ملت کی سیاسی و دینی بصیرت کے چند گوشے تھے۔ اسی طرح دیگر مواقع کے گوشوں کو اگر یکجا کیا جائے تو معلوم کتنے اہم سیاسی واقعات حافظ ملت کے دامن سے وابستہ ملیں گے۔

حافظ ملت اور تعمیر انسانیت

رضوان احمد شریفی مصباحی استاذ دارالعلوم شمس العلوم گھوسی

آج ہم جس شخصیت کا ذکر کرنے جا رہے ہیں، وہ محتاج تعارف نہیں۔ دنیا سے حافظ ملت کے نام سے جانی جاتی ہے آپ کی مثال اس شخص کی ہے۔ جو ایک پر خار وادی سے پھول چن کر نکل جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس کے دامن کو بھی تھام نہیں پاتے۔ آج دنیا کو ایسے ہی افراد کی ضرورت ہے کیونکہ آج چاروں جانب برائیوں کا جال بچھا ہے اور انسانیت کا فقدان نظر آ رہا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان انسانیت سے وابستہ ہو کر دوسروں کو آراستہ کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آئیے دیکھا جائے کہ تعمیر انسانیت کے لئے ضروری ہے کہ معمار خود بھی انسانیت کا حامل ہو۔ انسانیت کو ترقی و عروج دینے کیلئے حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان خود بھی انسانیت سے متصف تھے۔ اور انسانیت کی تعمیر بھی کر رہے تھے۔ ضروری ہے کہ پہلے انسانیت کا مفہوم واضح کیا جائے۔

انسانیت

انسانیت انسان کی خصوصیات کو کہتے ہیں۔ مگر اصطلاح انسانیت کا مفہوم اکثر و بیشتر اخلاق حسنہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور یہاں یہ اخلاق حسنہ ہی مراد ہے۔ [illegible] قرآن و حدیث میں [illegible] بیان کیا گیا ہے۔ [illegible] کو بہتر بنایا جائے۔ [illegible] سلام [illegible] کرنا [illegible] [illegible] حقوق [illegible] والدین کا ادب [illegible] کرنا، حضرت کا خیال ہونا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، فروتنی کے ساتھ زمین پر چلنا، مسکینوں اور غریبوں کی حاجت روائی کرنا، مہمانوں کی عزت کرنا، بڑوں کی تعظیم کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، سلام کرنا، وغیرہ وغیرہ بے شمار اخلاق حسنہ قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی حیات طیبہ کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں۔ تو آپ کی مبارک زندگی مذکورہ اخلاق حسنہ کا پیکر معلوم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک خدا ترس انسان تھے۔ اور بفضل خدا ایک عمدہ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ایک جلیل القدر عالم و محدث بھی۔ اس لئے قرآن و حدیث میں بیان کردہ اخلاق حسنہ آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔ اور آپ نے اخلاق حسنہ میں اپنی زندگی کو ڈھال کر دنیائے انسان کو انسانیت کی تعلیم دی۔ چنانچہ ذیل میں آپ کے چند اخلاق حسنہ بیان کئے جاتے ہیں۔

نماز کی پابندی

آپ شروع ہی سے نماز کی پابندی کرتے رہے۔ حضرت نماز باجماعت محلہ کی مسجد میں ادا کرتے، اور سفر میں بھی حتی المقدور جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے۔ کبھی آپ نے نماز ترک نہ فرمائی حتی کہ جب آپ کے موتیابند کا آپریشن کرایا گیا تو ڈاکٹر نے رکوع و سجدہ کرنے سے منع کر دیا۔ تاکہ آنکھ کو ضرر نہ پہنچے مگر اس وقت بھی آپ باقاعدہ رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ نماز کے ارکان انتہائی خشوع و خضوع اور تعدیل کے ساتھ بجا لاتے۔

نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد کے بھی پابند تھے۔ سفر و حضر دونوں میں نماز تہجد فوت نہیں ہوتی۔ جلسہ وغیرہ میں عموماً تیسرے آرام فرمانے کا موقع ملتا۔ مگر تہجد کے لئے بیدار

ہو جاتے تھے ۔ ایک مرتبہ مجھ سے حاجی عبد الحکیم صاحب بنارسی کلاتھ مرچینٹ نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں گیارہویں شریف کی تقریب میں حضرت برابر تشریف لاتے ۔ ایک سال کافی تاخیر سے حضرت کو آرام کرنے کا موقع ملا ۔ اس رات میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آج کافی دیر ہو گئی ہے ۔ حضرت نماز تہجد کے لئے کیسے بیدار ہوں گے ۔ مگر کچھ دیر کے بعد میں نے حضرت کو نماز تہجد ادا کرتے ہوئے دیکھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو نیند پر کنٹرول ہے جب چاہتے بیدار ہو جاتے ۔

راہ خدا میں خرچ کرنا

آپ اپنے وقت کے دولتمند نہ تھے ۔ کسی طرح گذربسر کرتے تھے پھر بھی آپ کی نگاہ میں اگر کوئی طالب علم نادار ہوتا تو آپ حتی الوسع اس کی اعانت فرماتے ۔ اور دین کے کاموں میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے ۔ چنانچہ استاذی الجلیل حضرت بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ جس طرح لوگ دوسروں کے وہاں چندہ کے لئے جاتے اسی طرح باضابطہ حضرت کے در دولت پر بھی حاضر ہوتے ۔ اور حضرت انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ حسب استطاعت چندہ سے نوازتے ۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا

پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ غنائے نفس اور قناعت پسندی آپ کا مزاج بن گئی تھی کوئی بھوکا ہوتا تو آپ اسے کھانا کھلا دیتے چنانچہ حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ہوا ایسا کہ آپ کھانا تناول فرمانے کا ارادہ کر رہے تھے ۔ اور اتفاق سے روٹی بھی ایک ہی تھی ۔ اتنے میں ایک سائل نے کھانے کا سوال کر دیا ۔ آپ نے وہ روٹی سائل کو دیدی ۔ اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا ۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذل درویشاں کند نیم دگر

مہمانوں کی عزت

پرانے مدرسہ قیام گاہ پر جو بھی حاضر ہوتا ، حاضر ہونے والا عالم ہو کہ جاہل امیر ہو کہ فقیر کے باشد انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے سلام و دعا کے بعد خود ہی چائے وغیرہ تیار کر کے آنے والے مہمان کی عزت افزائی فرماتے ۔ اور اس دلکش انداز سے گفتگو فرماتے کہ مہمان بےحد متاثر ہوتا ۔ اور جب مہمان رخصت ہوتا تو اس کے ساتھ دروازہ تک بھی تشریف لیجاتے ۔ ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث میں مہمان کے ساتھ دروازہ تک جانے تک کی تعلیم دی گئی ہے یا نہیں ۔ اور اگر دی گئی ہے تو اس میں حکمت کیا ہے ؟ اس سلسلہ میں میں نے مشکوٰۃ شریف الضیافۃ کا مطالعہ کیا ۔ جس میں یہ حدیث نظر آئی ۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من السنۃ ان یخرج الرجل مع ضیفہ الی باب الدار ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کا ایک مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک جانا سنت ہے جس کی حکمت یہ ہے کہ مہمان کی عزت بھی ہو جائے گی اور مہمان کے ساتھ میزبان کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ کر کوئی غیر چور نہ سمجھ بیٹھے ۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کس درجہ سنت کے پابند تھے ۔ اور آپ کو کس قدر مہمانوں کی عزت و آبرو کا خیال تھا ۔

آپ کے تمام محاسن پر روشنی ڈالنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے ۔ خوف طوالت سے بقیہ محاسن کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے مختصر یہ ہے کہ آپ کی شخصیت انسانی محاسن کی جامع تھی جس طرح آپ اخلاق حسنہ کے پیکر تھے ۔ چاہتے تھے کہ دنیا کا ہر انسان انسانیت کے سانچے میں ڈھل جائے ۔

تعمیر انسانیت

اسی لئے دور طالب علمی سے تادم آخر درس و تدریس کے ذریعہ انسانیت کی تعمیر فرماتے ہوئے ۔ ایک سے ایک لعل و گہر دنیا کو عطا فرمایا ، وعظ تقریر کے ذریعہ انسانیت کی تعمیر کرتے ہوئے نہ جانے کتنے چوروں کو امین بنا دیا ، قاتلوں کو مسیحائی کا گر سکھا دیا ، راہزنوں کو صلح و آشتی کا معلم بنا دیا ، کج خلقوں کو متواضع کر دیا ، اور حلقۂ ارادت میں داخل فرما کر ہزاروں افراد کے

[illegible]

ہیں

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

[illegible]

اور آپ کی [illegible] جلد پوری ہو جائے ۔ آمین
بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ۔

نتیجہ فکر انیسؔ مبارکپوری

"حافظ ملت" الجامعۃ الاشرفیہ

بالیقیں یہ علوم و فن کا جو گلزار ہے
حافظ ملت ترے جذبات کا شہکار ہے
با ادب ہو کر نہ آئے کیوں یہاں پر کائنات
اشرفیہ شہریار علم کا بازار ہے
حافظ ملت نے چھلکائی جو صہبائے خرد
معرفت کا جام پی کر ہر بشر سرشار ہے
پوچھتے کیا ہو کہ کیا ہے اس چمن کی داستاں
گلستاں کا گلستاں گلزار کا گلزار ہے
دور تک پھیلی ہوئی ہے اس گل تر کی شمیم
جس کی خوشبو سے معطر کوچہ و بازار ہے
آفتاب علم کی ہر سمت پھیلی ہے ضیا
روشنی سے جسکی روشن ہر در و دیوار ہے
جامعہ کا رہنما آرام فرما ہے یہاں
اس جگہ ہر دم نزول رحمت غفار ہے
تاجدار اہلسنت کا ہے لازم احترام
لائق عظمت غلام احمد مختار ہے
کر کے محکم جامعہ کو سونے والا سو گیا
اشرفیہ کا مقدر آجتک بیدار ہے
جس قدر بھی ناز ہو ہم کو بجا ہے اے انیس
زندۂ جاوید اپنی قوم کا سردار ہے

علم کا دریا پیار کا ساگر ناز کرے جس پہ اخلاق
پیکرِ شفقت حافظِ ملت فیضِ مجسم زندہ باد

اخلاق و صفات

حافظ ملت کے اخلاق عالیہ کی جھلکیاں

عبد الحکیم عزیزی مصباحی استاذ شعبہ قرأت دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

انسان تمام مخلوقات میں اشرف واکرم اور افضل و اعلیٰ بنایا گیا ہے مگر اس کے شرف بزرگی کا اطلاق صرف اسی انسان پر ہوگا جو شرعی احکام پر عمل پیرا ہو اور اسلامی حدود میں رہ کر زندگی گذارے، نیز عظیم انسانی اخلاق کا جامع ہو، اسلامی نظریات و اخلاق سے جدا ہو کر انسان، انسان نہیں رہ جاتا، بلکہ انسانی شکل و صورت میں رہتے ہوئے بہائم کے درجے میں شمار کیا جاتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے ؎

گر گھٹے تو بس اک مشتِ خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے

اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گذارنے کے لئے جو خطوط متعین فرمائے ہیں انہیں خطوط پر جو لوگ چلے اور صحیح معنی میں ان پر گامزن رہے انہیں حضرات کی زندگی کا ہر ہر گوشہ سنہری حروف سے لکھا گیا اور لکھا جائے گا، انہیں اعیانِ امت اور عظیم شخصیات میں سیدی و مرشدی حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز مرادآبادی متوفی ۱۳۹۰ھ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا نام نامی و اسم گرامی بھی آتا ہے۔ حافظ ملت علمائے متقدمین اور سلف صالحین کے سچے جانشین و مظہر، مثالی بندۂ رحمن اور عظیم انسان تھے۔ حضرت کی پوری زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق گزری ہے وہ عظیم انسانی اخلاق و اقدار کا مبارک پیکر تھے۔

احقر تقریباً ساڑھے آٹھ سال تک دار العلوم اشرفیہ کے شعبۂ حفظ و قرأت کی تدریسی خدمت پر مامور رہا مدرسۂ قدیم (پرانا مدرسہ) جہاں ہمارے مرشد گرامی علیہ الرحمہ کی قیام گاہ تھی، اسی جگہ پر غلام بھی قیام پذیر تھا، میں نے اس طویل مدت میں حضرت کا کوئی بھی عمل خلافِ سنت نہیں پایا، ذیل میں حضرت کے اخلاق و اوصاف کی کچھ جھلکیاں واقعات کی روشنی میں پیش کیجا رہی ہیں۔

سادگی

حضرت کی پوری زندگی بالکل سادہ اور درویشانہ طرز پر گذری ہے، لباس جو زیبِ تن فرماتے وہ موٹا سوتی کپڑے کا ہوتا، کرتا لمبا، پائجامہ شرعی، ٹوپی دو پلیہ، عمامہ ہر موسم میں، شیروانی بھی ہمیشہ، جوتا ناگرہ، عصا بھی اپنے دستِ مبارک میں لیکر چلتے، چلتے وقت نگاہ نیچی رکھتے، تیز چلتے اور چلنے کا انداز یہ ہوتا کہ جیسے فراز سے نشیب کی طرف آرہے ہوں، مدرسۂ قدیم جہاں حضرت سکونت پذیر تھے، مکان کھپریل، کسی آرائش و زیبائش کا نام تک نہیں، الکٹرک کا بھی انتظام نہیں تھا، حالانکہ حضرت کے جانثاروں نے ہر چند کوشش کی کہ الکٹرک کا انتظام کر دیا جائے لیکن حضرت نے پسند نہیں فرمایا، اندر داخل ہونے کے بعد چند مٹی کے برتن، معمولی بوسیدہ دری، جاڑوں میں نصف چارپائی تک بچھنے والا گدّا، گھر کا یہی سارا اثاثہ تھا، اس کے علاوہ کرّوفر کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔

مہمانوں کا اعزاز

جب بھی کوئی مہمان آجاتا تو حضرت خود چولھا جلاتے اور چائے کا اہتمام فرماتے، پانی پینے کے لئے میٹھا رکھتے، آنے والے سے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ حالات اور خیریت دریافت فرماتے، آنے والے مہمانوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے،

مثلاً معاصرین، تلامذہ، اور مریدین و متوسلین مگر میز بانی اور بشاشت کا معاملہ سب کے ساتھ یکساں ہوتا۔ بعض تلامذہ کے آجانے پر حضرت کی خوشی کا عالم دیکھنے کے لائق ہوتا، اس درجہ شفقت فرماتے کہ آنے والا محو حیرت رہ جاتا، کبھی کبھی اس حد تک اعزاز فرماتے کہ حضرت کھڑے ہوجاتے اور اپنی جگہ پر بیٹھانے کی کوشش کرتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کہیں باہر سے کچھ مہمان آگئے، میں خود بھی اس موقع پر موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خود چولھا پھونک پھونک کر چائے تیار کر رہے ہیں، میری یا آنے والے مہمانوں کی جرائت نہ تھی کہ حضرت کے اس کام میں ہاتھ بٹائے۔

اسراف سے پرہیز

عزیز محترم جناب مولانا نصیر الدین صاحب بلاموی (جو اس زمانہ میں متوسطات کے طالب علم تھے، اور اب الجامعۃ الاشرفیہ کے مؤقر استاذ ہیں) اندر آگئے، میں نے اشارہ کیا کہ چائے تیار کیجئے، چولھے میں حضرت لے گئے کی جتنی کھونی لگائی تھی، مولانا نے کچھ زیادہ مقدار میں لگادی، اس پر فرمایا کہ میاں اتنے میں چائے بن جائے گی، یہ اسراف ہے"۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں عشا کی نماز کے بعد حضرت کی بارگاہ میں ایک ضرورت سے حاضر ہوا، ٹین کا چراغ، جس کو ہمارے گونڈہ، بستی کی زبان میں ڈھبری "کہتے ہیں، جل رہا تھا، پہونچتے ہی میں نے چراغ کی لو تیز کردی، حضرت نے فوراً لو کم کردی اور فرمایا.... قاری صاحب! اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس روشنی میں، میں متن کی عبارت کے ساتھ حاشیہ بھی پڑھ لیتا ہوں۔ اسی کو اسراف کہتے ہیں، اس کا حساب دینا پڑے گا"۔

حضرات! قارئین کرام، غور فرمائیں کہ بظاہر یہ کتنا معمولی واقعہ ہے مگر حضرت تقویٰ کے کتنے عظیم مرتبہ پر فائز تھے، اس طرح کے واقعات سلف صالحین اور بزرگان دین سے متعلق کتابوں میں بس پڑھے گئے تھے، دیکھنے میں نہیں آئے تھے، واقعہ تو یہ ہے اس صدی کے لوگوں میں اسطرح کی باتوں کا فقدان نظر آتا ہے۔

طلبہ کی رازدارانہ مالی امداد

حضرت، طلبہ پر حد درجہ شفقت فرماتے، اگر معلوم ہوجاتا کہ فلاں طالب علم غریب ہے یا اس کے گھر کی معاشی زندگی تنگی و عسرت میں گزر رہی ہے، تو حضرت اپنی جیب خاص سے اسے ماہانہ کچھ روپے عطا فرماتے۔ حضرت کا یہ فعل بہت ہی رازدارانہ ہوتا، جن طلبہ کو روپے دیے تھے ان سے پتہ چلتا تھا کہ حضرت فلاں فلاں کو ماہانہ عطا فرماتے ہیں۔

بچوں پر شفقت اور مریضوں کی مزاج پرسی

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو چھوٹے بچوں کو پیسے دیتے اور ان کے سروں پر دست شفقت پھیرتے، پیار کرتے اور درازیٔ عمر کی دعا فرماتے، کوئی بیمار پڑتا تو عیادت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے، مریض کو تسلی دیتے اور دعائے صحت فرماتے، اسی طرح کسی کے انتقال کی خبر سنتے تو تعزیت میں جاتے، اہل خانہ کو صبر و شکر کی تلقین فرماتے اور میت کے لئے دعائے مغفرت بھی کرتے، ایک مرتبہ ۱۹۶۲ء میں مبارکپور کے زمانۂ قیام میرے شکم میں شدید درد پیدا ہوا، جب حضرت کو خبر ہوئی تشریف لائے، کچھ پڑھ کر مجھے دم کیا مگر افاقہ نہ ہوا تو گھر کے اندر تشریف لے گئے دوا لائے اور پینے کا تعویذ بھی دیا، اور بار بار آکر خیریت معلوم کرتے رہے، آپ کے چہرے سے بڑی پریشانی کے آثار نظر آرہے تھے، کچھ دیر بعد مجھے افاقہ ہوا تو حضرت مطمئن ہوئے، یہ درد مجھے بار بار ہوا کرتا تھا، اس کے ازالہ کے لئے حضرت نے مجھے معوذتین پڑھنے کی ہدایت فرمائی، جس کا میں نے ہر نماز کے بعد التزام کیا، اور بحمد للہ اس مرض سے مجھ کو نجات مل گئی۔

جانوروں اور پرندوں کا خیال

حضرت کے دروازے پر ایک کتا رہتا تھا، صبح و شام اسے روٹی دیتے، جب کبھی باہر تشریف لے جاتے

تو اپنے پڑوسی حاجی سلامت اللہ صاحب سے بتاکید کہہ جاتے کہ "حاجی صاحب! اسے کو روٹی دیا کریں گے" ، گھر کے آنگن میں چڑیوں کو روزانہ صبح وشام چاول ڈال دیتے اور پیالے میں پانی رکھ دیتے ، باہر تشریف لے جاتے تو کسی طالب علم کو گھر کی چابی دیکر ارشاد فرماتے کہ "تھیلے سے چاول نکال کر چڑیوں کے لئے چاول ڈال دینا ، اور پانی بھی رکھ دینا" ، واقعہ یہ ہے کہ میرے حضرت انسانیت کے عظیم رتبہ پر فائز تھے ۔ جو انسانوں کے ساتھ دیگر بے زبان جانداروں کا بھی ازحد خیال رکھتے تھے ۔

صحیحین کی ایک حدیث میں کتے کو پانی پلانے سے متعلق ایک واقعہ کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد رسالت مروی ہے فی کلِّ ذاتِ کبدٍ رطبۃٍ صدقۃٌ ہر ترجگر والی مخلوق میں صدقہ ہے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۸/۱)

اور شعب الایمان امام بیہقی میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان نبوی مروی ہے کہ افضل الصدقۃ ان تشبع کبدًا جائعًا ۔ کسی بھوکے جگر کو سیر کرنا بہترین صدقہ ہے (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۲/۱)

حافظ ملت قدس سرہ کی زندگی ان احادیث کریمہ کا عملی نمونہ تھی اور سب سے زیادہ اہم عظیم اور حیرت انگیز امر اس کا التزام اور زمانۂ غیر موجودگی کے لئے بھی اس کا حسن انتظام ہے ۔ آج کون ہے جو اپنے بے شمار معمولات ومشاغل کے ہجوم میں ان باتوں کی ایسی سخت تر پابندی کر سکے ۔

غیبت سے احتراز اور کچھ دیگر خصوصیات

ان جیسا محتاط ، شریعت وسنت کا پابند ، عالم باعمل اور درویش صفت انسان کم ازکم میری نظر سے نہیں گزرا ، ہمارے حضرت صالحین کے مکمل نمونہ تھے ، اس دور میں ایک دوسرے کی غیبت کی بلا عام ہے ، عالم ہو یا عامی دونوں اس بلا میں ملوث نظر آتے ہیں (الا ماشاء اللہ) بلکہ اس دور میں وہ مجلس بے کیف سمجھی جاتی ہے جس میں ایک دوسرے پر غلط تبصرہ اور دوسرے کی برائی نہ ہو ، میں ایک بات بلاخوف لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ ہمارے حضرت کے کچھ معاصرین ان کے عظیم دینی کارناموں سے اُلجھن سی محسوس کرتے تھے ، بلکہ حسد کی حد تک اختلاف رکھتے تھے ، اور پس پشت غلط تبصرہ کرتے تھے ، مگر حضرت کی مجلس میں ان حضرات کے لوگوں کا ذکر آجاتا ، تو بڑی فراخ دلی کے ساتھ ذکر فرماتے ، میں نے کبھی حضرت کی زبان سے کسی کی برائی یا غیبت نہیں سنی ، وہ نہ تو ایسی گفتگو فرماتے اور نہ ہی سننے کے روادار ہوتے ، زبان ذکرالٰہی میں مصروف رہتی ، سفر ہو کر حضر ، قرآن عظیم کی تلاوت زیادہ کرتے ، کسی سے کوئی گفتگو فرماتے تو بھی دین دائرے سے باہر ہو کر گفتگو نہ فرماتے ، اپنے بڑوں کا بیحد احترام فرماتے ، اسی طرح نسبت کا بھی بڑا لحاظ کرتے ۔

طلبہ کو کبھی کبھی اکٹھا کرکے ان کی اچھی تعلیم وتربیت پر زور دیتے ، اور فرماتے کہ تمہیں مستقبل میں قوم وملت کی خدمت کرنی ہے ، غلط کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے ، تضیع وقت کرنے سے تمہارا ہر طرح سے خسارہ ہوگا ۔ اپنے اسلاف ومشائخ کی عملی زندگی کا اچھے انداز میں بیان فرماتے ، میں نے دیکھا کہ اس دور کے طلبہ پر حضرت کی ہدایتوں کا بہت اچھا اور کافی اثر مرتب ہوتا تھا ۔"

بقیہ ص۲۰ کا

رقص کرنے لگی ، تھوڑی دیر بعد دیکھا گیا کہ سوٹ اور بوٹ میں ملبوس نوجوان آپ کے قدموں پر گرے عشق رسول کی بھیک مانگ رہے تھے ۔ محفل برخواست ہوئی تو سبھوں کی زبان پر بیک وقت یہی بول تھی کہ جس یونیورسٹی کا بانی ایسی شخصیت ہوگی اس کی رفعت وعظمت کے سامنے بھارت کے کشورکشاں علم وفن ہی نہیں بلکہ یورپ کے دانشکدوں کے پروردہ بھی سر نیاز جھکانا اپنے لئے باعث فخر ومسرت محسوس کریں گے ۔"

حافظِ ملت اور ان کے اخلاق

سید محمد ولی الدین رضوی چیف ایڈیٹر ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ

فطرتِ انسانی کے بہترین عکاس اس کے اخلاق ہوا کرتے ہیں ـــ اخلاق ہی وہ صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں ایک آدمی کی فطرت کا صحیح خدوخال دیکھا جا سکتا ہے ـــ اخلاق ہی وہ جوہر ہے جسکے ذریعہ انسان معزز ہوتا ہے ـــ اگر کوئی شخص علم و دانش کا پہاڑ ہے تو ضروری نہیں کہ وہ اخلاق و کردار کا بھی دھنی ہو ـــ یہ وہ منزل ہے جہاں کے لئے رختِ سفر تو سبھی باندھتے ہیں مگر رسائی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے ـــ اور جو لوگ اس منزل تک پہنچ جاتے ہیں ان کے وجود صفحۂ ہستی پر انمٹ نقوش بن کر ابھرتے ہیں ؎

آتی ہیں روز روز کہاں ایسی ہستیاں
بستی ہیں جن کے دم سے محبت کی بستیاں
دیتی ہیں جو دلوں کو وفاؤں کی مستیاں
کرتی ہیں عام دھر میں جو حق پرستیاں

سیدنا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کا شمار بھی ایسے ہی خوش نصیبوں میں ہوتا ہے ـــ یوں تو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی ہمہ گیر شخصیت ہر پہلو سے عظمت و وقار کا ایک روشن منارہ نظر آتی ہے ـــ تاہم آپ کے اخلاق و کردار کی بات ہی کچھ اور ہے ـــ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور حافظِ ملت جہاں علم و حکمت، فکر و نظر اور شعور و آگہی میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے وہیں اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کے میدان میں آپ نے ایسے ناقابل فراموش اور لائق تقلید نمونے چھوڑے ہیں جو پوری دنیائے اسلام کے لئے عموماً اور علمائے عصر کے لئے خصوصاً مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں ـــ آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ جہاں اپنے بزرگوں اور کرم فرماؤں کی بارگاہ کے کاسہ نیاز مند تھے وہیں اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کی دلجوئی و خاطر جمعی آپ کا طرۂ امتیاز تھا ـــ آپ کا کوئی بھی سلوک ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جو ان کی ناراضگی کا سبب بنے ـــ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ۔ میاں! جس سے کام لیا جاتا ہے اسے ناراض نہیں کیا جاتا ـــ"۔

میرے خیال میں یہی وہ مطمح نظر تھا جس کی بنا پر خواہ وہ دارالعلوم اشرفیہ کی ترقی ہو یا الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام ہر جگہ کامیابیوں نے آپ کے قدم چومے ـــ آپ کی صحبت بافیض سے شرف پانے والے خوش نصیبوں کی اجتماعی رائے یہ ہے کہ آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص یہ گمان کرتا کہ آپ سب سے زیادہ اسے چاہتے ہیں ـــ اس سے بڑھ کر کوئی بھی آپ سے قریب نہیں اور یہ کم بات نہیں ہے ـــ بیک وقت اپنے تمام ماتحتوں اور ملنے والوں کو خوش رکھنا اور یہ تأثر دینا کہ ہم تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں چاہتے، میرے خیال میں ایک ایسا امر ہے کہ اگر کوئی انسان اس کی اداکاری بھی کرنا چاہے تو وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتا ـــ مگر وہ حافظ ملت کی ذات تھی جن کے اخلاق جوہر کا یہ رنگ ہر خاص و عام نے ملاحظہ کیا ـــ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام نے جو ہمیں مساوات کا درس دیا ہے اسے ہر موقع پر یاد رکھا جائے۔ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب سب کو برابری کا درجہ دیا جائے۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ کی مقدس ذات اس سنہری اصول کی مکمل عملی تفسیر تھی بلکہ دوسروں کے لئے بھی آپ کا یہی پیغام تھا ـــ فرماتے ہیں:

"حقیقی مساوات صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

بلا شبہ اسلامی تعلیم یہی سبق دیتی ہے کہ بھائی کو
کم از کم اپنے برابر بلند سطح پر رکھنا چاہئے اپنے آرام
کی فکر ہو تو اپنے بھائی کے آرام کو بھی یاد رکھے
ملازموں کے ساتھ بھی نرمی اور خوش اخلاقی سے
پیش آئے ،، (معارف حدیث)

ایک دوسرے مقام پر اسی سبق کا اعادہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"مومن کے جوہر اخلاق سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے۔ اپنی برتری و تفوق کا خواب نہ دیکھے۔ لہٰذا جو اپنے لئے پسند کرے دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی وہی پسند کرے۔ یعنی جیسی اپنی عزت پسند کرے دوسروں کی عزت بھی پسند کرے یہی مسلمانوں کی شان ہے ،،

(معارف حدیث)

حلم و بردباری اور برداشت کا مادہ بھی ایک انسان کے خلیق ہونے کی دلیل ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ذات کو اس پہلو سے سمجھنے کے لئے آپکا یہ قول ملاحظہ ہو:

"میں لوگوں کو رکھتا ہوں ہٹاتا نہیں ہوں"

مطلب ظاہر ہے کہ جو لوگ اصول کے پابند تھے وہ تو اس بارگاہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے ہی جاتے ـــــ ساتھ ہی وہ لوگ جو اپنی ذمہ داریاں محسوس نہیں کرتے۔ لغزشوں اور خطاؤں کے مرتکب ہوتے انھیں بھی عفو و درگذر سے سرفراز کر کے بار بار سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ـــــ یہ حضور حافظ ملت کی قوت تحمل اور نیک خوئی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

آپ اپنے ماتحت مدرسین و ملازمین کی گزارشوں التجاؤں اور درخواستوں کو بطیب خاطر سماعت فرماتے ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور جتنا جلد ممکن ہوتا اثبات و نفی میں جواب عنایت فرماتے۔ تاکہ کوئی شخص اندھیرے میں نہ رہے اور نہ ہی کوئی کسی فریب کا شکار ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ملازمین کی درخواستوں پر جلدی غور کرنا چاہئے ،،

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جس کی اچھائی کے سب لوگ معترف ہوں۔ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک ہر دور میں بزرگوں سے متعلق یہی تاریخ ملتی ہے۔ کہ جب بھی انھوں نے دین و ملت کا کوئی ناقابل فراموش کارنامہ انجام دینا چاہا۔ تو مخالفین پیدا ہوئے۔ اعتراضات کئے گئے اور ہر دور میں ان کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا مگر حافظ ملت نے اپنے مخالفین کا جس انداز سے جواب دیا ہے۔ اس پر انسان تو کیا فرشتے بھی رشک کریں گے۔

آپ نے اپنے مخالفین کے سامنے یہ اصرار نہیں فرمایا کہ میں جو کر رہا ہوں وہی اچھا ہے آپ اس بات کے تحت حامی تھے کہ:

مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ لوگ جو شروع سے مخالف تھے رفتہ رفتہ قریب آتے گئے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کھلے لفظوں میں آپ کے خلوص و ایثار کا اعتراف تو نہ کر سکے مگر دل سے وہ بھی اقرار کرتے تھے۔ کہ حضور حافظ ملت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیا ہے۔ وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"میرے نزدیک مخالفتوں کا جواب کام ہے"

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ بجلی گرتے گرتے آپ خود بیزار ہو جائے

(الغرض) جس طرح حضور حافظ ملت کے خلوص و وفا سے بھرپور قول و فعل سے ایک عرصہ تک خلق خدا روشنی حاصل کرتی رہی، اسی طرح آج جب کہ حسن اخلاق کا وہ پیکر مجسم ہم میں موجود نہیں مگر انکے روحانی فیوض و برکات کے ساتھ ساتھ انکا یہ درس اخلاق بھی تا قیامت ملت اسلامیہ کی رہبری کرتا رہے گا۔

"آدمی کو باوقار رہنے کی کوشش کرنی چاہئے وقار وضع اور رکھ رکھاؤ سے نہیں بلکہ مستحکم وقار عمدہ اخلاق سے قائم ہوتا ہے ،، (اشرفیہ فروری ۱۹۷۹ء)

حافظ ملت کا تقویٰ

غلام محمد مصباحی بھیردی الوار القرآن ۔ بلرام پور۔ گونڈہ

یوں تو دنیا میں بے شمار شخصیتیں گذری ہیں اور ایک سے ایک باکمال ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جن کی انوکھی زندگی صبح قیامت تک کے لیے مشعل راہ ہے۔ انھیں برگزیدہ ہستیوں میں مرشد برحق، آفتاب علم و فضل، شیخ الاسلام والمسلمین حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان بھی ہیں۔ جن کی پوری زندگی سراپا نمونہ تھی اور ظاہر و باطن کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ ایسے تقویٰ شعار نگاہوں کے سامنے خال ہی خال نظر آتے ہیں۔ حضر میں فرائض و نوافل کی پابندی قدرے آسان ہے لیکن سفر میں پابندی کرنا بڑا مشکل نظر آتا ہے، چونکہ زمانہ طالب علمی میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی معیت میں زیادہ تر سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن میری نگاہوں نے کبھی مستحبات کو بھی قضا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، اس سے زیادہ حیرتناک واقعات خود زمانہ طالب علمی میں میرے ساتھ پیش آئے۔ جو آج بھی مجھے محو حیرت بنائے ہوئے ہیں۔

دورہ حدیث کے سال موسم سرما میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان صبح کے وقت مدرسہ جانے کے لیے نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے ہولیا جیسا کہ میرا معمول تھا حضرت جب راستہ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین سمٹتی جارہی ہے لوگ ہزار کوشش کرتے لیکن حضرت سب کے آگے ہی رہتے تھے۔ اس لیے کہ انھیں (طی ارض کی صفت حاصل تھی) میں نے بھی کوشش کی کہ قریب ہو جاؤں لیکن نہ ہو سکا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان لال چوک کے قریب پہونچ گئے تھے۔ حضرت کی رفتار میں غیر معمولی تبدیلی دیکھ کر میں تیزی سے آگے بڑھا۔ جب قریب پہونچا تو حضرت نے مجھ سے سوال فرمایا کہ دیکھو ان دونوں سایوں میں کیا فرق ہے یک بیک ایسا سوال جس کا جواب سوچنے کا بھی موقع نہیں تھا۔ میری زبان سے برجستہ نکل گیا کہ بہت بڑا فرق ہے پھر سوال فرمایا کہ کیا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ حضور کا سایہ ہے اور یہ آپ کے غلام کا ہے۔ فرمایا یہ نہیں ان دونوں سایوں کے سروں کو دیکھو کیا فرق ہے۔ اب جب میں نے غور سے دیکھا تو ایک نمایاں فرق نظر آیا میں نے عرض کیا کہ حضرت کا سر مبارک چلنے میں متحرک نہیں نظر آتا ہے بلکہ بغیر ارتعاش کے آگے بڑھتا جارہا ہے۔ اور میرا سر چلنے میں متحرک نظر آرہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ میاں یہی تو بات ہے یہ میں نے چلنا بھی حضرت صدر الشریعہ سے سیکھا ہے۔ چلا اس طرح جاتا ہے، اب ذرا غور کیجیے کہ چلنا فطری انداز ہے اور جو انداز شروع شروع میں اختیار ہو جاتا ہے اس کے برخلاف چلنا بڑا دشوار ترین امر ہے بلکہ قریب المحال ہے۔ لیکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے روش میں بھی بزرگوں کا انداز روش اختیار فرمایا اور اپنے انداز روش کو بزرگوں کے انداز روش میں (جو عین سنت کے مطابق ہوتی ہے) ڈھال لیا ——

میرے گاؤں میں دیوبندیوں کا غلبہ تھا اور میرے سامنے دیوبندی مکتب فکر کے لوگ اکثر و بیشتر دیوبند کی فضیلت اور دیابنہ کی کرامتوں کو بیان کرکے مجھے اشرفیہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے تھے اور حافظ ملت پر طنز بھی کرتے تھے کہ دیکھو حافظ ملت پر حج فرض ہے لیکن ابھی تک وہ حج جیسے اہم فرض کے تارک ہیں۔ سنتے سنتے عاجز ہو گیا اور ایک بار میں نے حضرت سے عرض ہی کر دیا کہ حضور آپ حج کے لیے تشریف لیجائیں کیونکہ دیوبندی لوگ طعنہ دیتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ تو دیکھیے

اور کھینچانے کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب اعتراض اتنا جزئی نہیں ہے کہ جس نے فوٹو کو حرام کیا ہو اسی کے سامنے اسی کا قانون توڑ کر جائے اور میرا ایمان ہے کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جہاں پر حکومت ہے وہ جب بھی چاہیں گے دنیا کے سارے قانون دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور وہ مجھے بلا تو اپنی بارگاہ میں بلا لیں گے اور ہوا بھی یہی جس کی دھمک ایوان باطل میں آج بھی زلزلہ پیدا کئے ہوئے ہے۔

اسی طرح قصبہ کے کچھ مسلمانوں نے ایک دن دار العلوم اشرفیہ کے دفتر میں حضرت سے حج کے لئے درخواست کی حضرت نے فرمایا۔ میرے فریضہ حج کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے وہ ہے تصویر کی حرمت۔ حج کرنا فرض ہے اور تصویر نہ کھنچوانا بھی فرض ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ بغیر تصویر کھنچوائے مجھے سعادت نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور جاؤں گا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا۔ حضور اس زمانے میں بغیر تصویر کے حج کے لئے جانا ایسے ہی ہے جیسے سورج کا پچھم سے نکلنا۔ یہ سن کر حضرت کو جلال آ گیا ارشاد فرمایا۔ کیا سورج اپنی مرضی سے پورب سے نکلتا ہے یا اس کو پورب سے نکالنے والی کوئی اور ذات ہے۔ جو ذات والا صفات سورج کو پورب سے نکالتی ہے وہ اسے پچھم سے بھی نکالنے پر قادر ہے۔ اسی وقت سمجھدار لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت کی بات آنے والے واقعہ کے لئے مرضی مولیٰ تعالیٰ کا اشارہ دے رہی ہے چنانچہ اسی سال حضرت نے بغیر فوٹو حج وزیارت کے لئے جانے کی درخواست حکومت ہند کو بھجوائی وہ درخواست چند در چند رکاوٹوں کے باوجود منظور ہوئی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ ایک بین الاقوامی قانون (پاسپورٹ کے لئے تصویر کا التزام) کو ایک اللہ والے کے لئے قانون الٰہی کا پابند ہونا پڑا۔ اور حضرت نے اس زمانے میں بغیر فوٹو کے حج فرما کر پوری دنیا کے لئے ایک مثال قائم کر دی۔

میں ما قبل ہی میں یہ عرض کر دیا ہے کہ حضرت کے معمولات عبادت میں سفر وحضر میں کبھی بھی کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

ایک مرتبہ ٹرین سے سفر فرما رہے تھے عصر کا وقت بہت کم رہ گیا تھا ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ حضرت نے اتر کر وضو فرمایا۔ اتنی دیر میں سگنل ہو گیا گارڈ نے وسل بھی بجا دی۔ ٹرین نے رینگنا شروع کر دیا۔ ہمسفر نے کہا حضور ٹرین چل پڑی ہے۔ آپ فوراً سوار ہو جائیں لیکن حضرت نے ٹرین پر سوار ہونے کے بجائے پلیٹ فارم پر نماز عصر کیلئے مصلیٰ بچھا دیا۔ سامان ٹرین پر تھا۔ اسلئے ہم سفر فوراً ٹرین پر سوار ہو گیا۔ ٹرین نے اسپیڈ لے لی۔ اور حضرت بڑے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے۔ ہمسفر کا بیان ہے کہ نماز کے لئے حضرت نے ٹرین کو چھوڑ دیا اور بات ہے کہ ٹرین نے حضرت کو نہیں چھوڑا۔ اسلئے کہ آگے آؤٹر سگنل پر پہنچ کر ٹرین رک گئی۔ پتہ چلا انجن فیل ہو گیا ہے۔ حضرت نماز سے فارغ ہو کر مسکراتے ہوئے آئے اپنے ڈبے میں تشریف لے گئے جیسے ہی حضرت ٹرین پر سوار ہو گئے انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

بقیہ صفحہ ۴۶ کا

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا علماء سے عوامی رجحان کے تنفر میں اس کا بڑا دخل ہے عدم تربیت جہاں بدنامی کا سبب بنتی ہے دینی تعلیم کی مقصدیت کو بھی فوت کر دیتی ہے آزادروی اور خودسری کی مسموم فضا پیدا کر دیتی ہے حافظ ملت نے اپنے اکثر مکتوبات میں اس پر افسوس کا اظہار فرمایا ایک مکتوب میں وہ اس طرح رقمطراز ہیں:

- بلاشبہ ایسی تعلیم جس میں تربیت نہ ہو آزادی وخودسری ہی کی مسموم فضا ہو بے سود ہی نہیں نتیجۃً مضر ہے

اسی کے ساتھ ہم اپنے اس مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے نظریہ تعلیم کو پھیلانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

حافظِ ملت ایک درویش کامل

محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی ایم۔ اے

یہ چہرے پر نورانی جلوؤں کی سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں نگاہوں کی حیا میں تقدس کا وقار سمٹا ہوا۔ قدم قدم پر اتباع سنت نبوی کا پُرجلال مظاہرہ، تن و توش میں جسامت کا بار خفیف ضرور تھا مگر علم و حکمت کی دولتِ بے بہا نے اتنی قیمتی بنا دیا تھا جس کی قیمت دنیا کے جواہرات سے نہیں ادا ہو سکتی تھی۔ آواز وں کا پُر وقار صوتی آہنگ دلوں پر رعب و داب کا ایسا اثر چھوڑتا کہ لوگ سر و قد ادب کا مجسمہ بن جاتے تھے۔ ایسا نہیں کہ مدرسہ کا مدرس اور طالب علم ہی اس شکوہ و دبدبہ سے متاثر تھا بلکہ قصبہ میں جس طرف نکل جاتے لوگ مؤدب کھڑے ہو جاتے اور جب تک حجابات آڑے نہ آتے کھڑے ہی رہتے۔ کسی نے پوچھا بیٹھتے کیوں نہیں؟ اب تو حافظ صاحب آگے بڑھ گئے۔ مؤدب وجود نے کہا مگر ابھی تو سامنے نظر آ رہے ہیں۔ یہ تھی اس درویش کامل کی ذات جس کو استاذ العلماء جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری جیسے حسین کلمات سے یاد کیا جاتا تھا۔

ان بوریہ نشینوں کا بھی عجیب حال ہوتا ہے۔ جامۂ فقر میں استغنار کی بھیک دنیا ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔ ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر کجکلاہان زمانہ کو جھکا دیتے ہیں۔ وہ ایک سخت کوشش اور جفاکش وجود میں رازی کی نکتہ آفرینی، غزالی کا مکاشفۂ قلبی، جنید بغدادی کی نفس کشی، امام اعظم کے فقہی تفکر، امام بخاری کے محدثانہ جلال اور امام ترمذی کا نقد و جرح نیز امام احمد رضا کی احیاء سنت و دین کا ایک تراشیدہ پیکر تھے۔ خلوتوں کے کنج خمول میں بیٹھ کر لا الٰہ الا اللہ کی ضرب بھی لگائی اور مسند تدریس پر فائز ہو کر قال اللہ و قال الرسول کا نغمۂ دل کش بھی سنایا۔ کتنی یگانگت تھی جلوت و خلوت میں، کار خود بدست خویش کی جیتی جاگتی تصویر۔ کہا جاتا ہے کہ مہمانوں کی ضیافت اپنے دستِ ولایت سے کرتے اگر کوئی ہاتھ بٹاتا تو منع فرما دیتے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو کا اصل موضوع تھا۔ شرع کی پاسداری زندگی کو محیط تھی۔ حدیث نبوی پر اس قدر عمل پیرا کہ کوئی کام ہو رسول گرامی قدر کا اسوہ نصب العین رہتا۔ چاہے کتنی نازک گھڑی ہو مگر سیرت پاک کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوٹتا۔

حریم ناز میں پاکیزہ نفسی کا جلوہ دیدنی ہوتا ہے جب وجود کی ساری توانائیاں سمٹ کر ایک نقطۂ عشق پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ عشق نہ تھا کہ حرم کی سرزمین پر ننگے قدم چلتے رہے جب کسی نے پوچھا۔ حضرت! جوتے کیوں اتار دیئے؟ عشق کا جذبہ اُبل پڑا جواب ملا۔۔۔ یہ محترم خطۂ ارضی اس لئے نہیں ہے کہ اس پر جوتے پہن کر چلا جائے۔ جہاں کا ہر ذرہ نقش پائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا متحمل ہے۔ وجدان و شعور کبھی کبھی عشق کے سامنے سپر انداز ہو جاتے ہیں۔ عقل کہہ رہی تھی کہ فریضۂ حج کے لئے ملکی قانون کو عمل میں لایا جائے کہ بغیر تصویر حد و د مملکت کو پار کرنا دشوار ہے۔ مگر عشق کی بالادستی نے در رسول پر خفا میں عقیدتوں کے کتنے نذرانے لٹائے کہ بارگاہ رسالت سے اذن حضوری ملا اب کون تھا جو سد راہ بنتا۔ موانع ایک ایک کر کے ختم ہو گئے اور ہند کی سرزمین کا عاشق کوچۂ جاناں کی طرف چل پڑا۔ پابندیاں صاحبانِ ہوش پر

لگائی جاتی ہیں اور جس کا ہر ہر لمحہ محبوب کی یاد میں وقف ہو گیا ہو اس فرزانے کو کسی قدغن سے پابند نہیں کیا جا سکتا۔

کہتے ہیں کہ خاصان خدا جب آلائش نفس کی کدورت کو ذکر خفی و جلی سے دور کر لیتے ہیں تو سوز کا ایسا چشمہ سیال اُبلتا ہے جس کے ہر ہر قطرہ سے سرمدی منصور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جلوتوں میں رشد و ہدایت کی شمع جلی تو جلتی رہی یہاں تو خلوتوں میں گوشۂ قلب کے ہر دریچے میں شمعوں کا اجالا نور بکھیر رہا تھا۔ مشہور ہے کہ حافظ ملت قرآن پاک بہت پڑھا کرتے تھے۔ لیجئے اس حقانیت کا استشہاد ملاحظہ فرمائیے کوئی ۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے دارالعلوم اہلسنت تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی میں سالانہ امتحان کی تیاری زور و شور پر ہے۔ استاذ العلماء جلالۃ العلم کی آمد آمد ہے۔ ہم گداگران بارگہ کجکلاہ علم کے در حکمت پر اپنا اپنا کشکول تمنا لئے کھڑے ہیں۔ امتحان ختم ہو گیا۔ نماز فجر کے بعد راقم (محمد قمر الحسن عفی عنہ) کو بھی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد خاں صاحب قبلہ اعظمی دام اللہ ظلالہ نے میرا نام لیا اور میں جھٹ تیل کی شیشی لیکر حاضر بارگاہ ہوا۔ کتنی خوش نصیب ساعت تھی میرے لئے جب ایک مومن کامل کے سر پر روغن آمیزی سے میں اپنے بخت خفتہ کو جگا رہا تھا۔ سر پر علمی حرارتوں کا اثر نمایاں تھا۔ بال بہت خفیف رہ گئے تھے۔ میں نے مالش شروع کی اور چند منٹ بعد حضرت کو نیند آگئی۔ لیکن یہ کیا!

..... نیند میں بھی تلاوت قرآن مقدس کا فریضہ انجام پا رہا ہے۔ توجہ سے سنا تو ساتویں پارہ سورہ انعام کی آیت شریفہ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی تھی جو بکثرت حفظ کر رہا تھا اس لئے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ساتواں پارہ ختم کے قریب ہے۔ اس وقت شعور بالیدہ نہ تھا۔ مردان خدا کی داخلی کیفیات سے واقف نہ تھا اس لئے اس کو ایک واقعہ سمجھ کر بھول گیا۔ مگر آج ان لمحات کو یاد کرتا ہوں تو عارفین کے نقوش ذہن و دماغ میں مرتسم ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ذہن و دماغ، قلب و جگر میں محبوب کی یاد بس جاتی ہے تو سوتے جاگتے وہی نغمہ زبانوں پر چہکار رہتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بزرگ جب انتقال کر گئے اور لوگ ان کی تدفین سے فارغ ہوئے کیا دیکھا گیا کہ قبر پھیل رہی ہے لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ قبر میں قصیدہ بردہ شریف پڑھ رہے ہے۔ اسی طرح ایک مومن کامل کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے اور ایک دوسرے عارف کو ان کی قبر میں تلاوت کرتے دیکھا گیا۔ ہاں۔ ہاں یہ جلووں کی وہ دلفریبیاں ہوتی ہیں جس سے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کا تصدیقی پہلو راجح ہوتا ہے۔ نحیف و نزار بدن، سفر کی صعوبتیں، آرام کی خواہش کس قدر ابھارتی رہی ہوگی نفس نے کتنی بار راحت گیری کا مطالبہ کیا ہوگا لیکن یہاں تو کچھ اور ہی حال تھا۔ "کار بر روئے زمین آرام در زیر زمین" کتنا بجا ہے یہ مقولہ — زندگی بھر کام کرتے رہے۔ اپنا بھی اور غیروں کا۔ نہیں نہیں بلکہ ان عرفاء کی بارگاہ میں غیریت کیسی؟ یہاں تو جو آتا ہے اپنا بن جاتا ہے۔ اس لئے سب کا کام کرتے رہے۔ اور یہی نہیں کہ کام کرتے رہے بلکہ کھوٹے کو کھرا کرنے کا کام، ناقص کو کامل کرنے کا کام۔ ادنیٰ کو اعلیٰ کرنے کا کام۔ مگر کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ آتا کیسے کہ ان زبانوں کو شکایات و شکوؤں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ کہ بندگان خاص کے اعضاء و جوارح خدائی جلووں کے مظاہر ہوتے ہیں ..... یاد آیا ..... وصال سے ایک یا دو سال قبل الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی تشریف لائے۔ صدر بلڈنگ کے پاس پہونچے۔ ایک ہجوم ہے جو گرد اگرد سمٹتا چلا جا رہا ہے۔ زبان رب کی ثنا میں متحرک ہوئی اور انابت کے پاکیزہ ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھ گئے۔ دعا دیتے رہے۔ ادارہ کے فلاح کی دعا، متعلمین کے کمال کی دعا، اراکین کے ایمان و استحکام کی دعا۔ وہ جملہ آج بھی یاد ہے جب علم و حکمت کی زبان ہلی تھی ....

آؤ پہلے اللہ کی مقدس بارگاہ میں دعا کر لیں کہ فرمایا ہے

مسافر کی دعا مقبول بارگاہ الٰہی ہوتی ہے...... غور کیجیے
تعب و تکان کا جذبہ انگڑائی لیتا رہا، ہوگا کہ جلد آرام کیا جائے
مگر قوم و ملت کے محافظ کو یہ کب گوارہ تھا کہ ایک ساعت
برگزیدہ جس کی تقدیس میں زبان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم متحرک ہوئی بے فائدہ حاصل کئے بغیر گذار دی جائے۔
نفس نے منہ کی کھائی اور وجود کا تطہیراتی رنگ وجذبہ بارگہ
ایزد تعالیٰ میں امتنان و تشکر کے موتی چشمان بصیرت سے
برساتا رہا۔ گرد وغبار میں اَٹا ہوا وجود خلوص و للہیت
کا پیکر محو دعا ہے اور حاضرین کی زبان آمین آمین کے حسین
نغموں کا رس گھول رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دعا رباب
مستجاب سے شرف اجابت پا چکی ہو کہ دعا کے بعد دلوں
کو سکون میسر تھا۔"

حدیث نبوی تو آئین حیات تھا۔ قدم قدم پر عمل کا
یہ جذبہ کہ بیان سے باہر۔ کہنے سے پہلے عمل کر کے خود دکھا
دیتے۔ یہی حال تو تھا سیدی غوث اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں کہ ضعیفہ نے عرض کیا حضور! یہ لڑکا
میٹھا بہت کھاتا ہے۔ فرمایا تین روز بعد لے کر آنا۔ جب
ضعیفہ تین روز بعد حاضر بارگاہ ہوئیں ارشاد ہوا، صاحبزادے
میٹھا زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔ ضعیفہ کی تیوریاں چڑھ گئیں
بولیں اتنا ہی کہنا تھا تو اسی روز کہہ دیئے ہوتے.....
فرمایا تم ٹھیک کہتی ہو مگر پہلے میں نے خود اس پر عمل کر لیا ہے
اس لئے اب اس کو منع کیا ہے۔ لے جاؤ بچہ اب زیادہ میٹھا
نہیں کھائے گا۔ بچہ کثرت شیرینی خوری سے باز آ گیا۔

ایک مزاج ہے لوگ اولیائے کاملین میں کرامتوں
کا سراغ لگاتے ہیں۔ خرق عادت فعل صادر ہوا کرامت
تسلیم کر لی گئی... مگر یہ معیار مسلمات سے نہیں.. حضرت
ابو محمد مرتعش علیہ الرحمہ سے لوگوں نے کہا حضور! فلاں شخص
ہوا میں اڑتا ہے اور پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہوائے
نفس کی مخالفت کرنے والا اس سے اچھا ہے......
اس قول کی روشنی میں اس مرد قلندر کا جائزہ لیجیے۔ اُس
مومن کامل، مرد یگانہ کی کرامتوں کو مت دیکھو۔ ان کی
کرامتیں تو ایسی عام ہیں کہ چشم بینا ہر موڑ پر اس کا مشاہدہ
کر سکتی ہے۔ یہ کرامت ہی تو ہے کہ کتنے نا واقف کاروں
کو صاحب کرامت بنا دیا۔ دارالعلوم مصباح العلوم
اور الجامعۃ الاشرفیہ کا وجود خود ہی منہ بولتی کرامت ہے۔
اس پر نگاہ کیوں نہیں "ڈالتے" کہ علم نبوی کو بندگان خدا میں
فروغ دینے کا جذبہ کامل کتنا دل کش تھا۔ ہزاروں کی تعداد
میں میکشان علوم کو سیراب کرنا کیا یہ کرامت نہیں! ارے
یہ تو بہت بڑی کرامت ہے۔ شرع مبین پر خود عمل کرنا اور
عمل کرانا یہ دونوں اپنی اپنی جگہ عظیم کرامتیں ہیں۔ کہ نفس
و شیطان کی مخالفت ہی تو کرامت کی بنیاد ہے۔

قوم و ملت کا درد ہر فرد کا حصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ
تو رب کی بارگاہ کا عطیہ ہے۔ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے
حافظ ملت کو قوم و ملت کا درد دے کر نہیں بلکہ درد بنا کر پیدا
کیا گیا تھا۔ کروٹ کروٹ اپنی قوم کی ترقی، اپنے مذہب
کے ارتقاء کا درد بے آرام کئے رہتا۔ مسند تدریس پر
جلوہ باری کے عالم میں اپنے جگر کا لہو پلاتے۔ اور جلسوں
کی بزم میں فلاح قوم کے لئے اپنے خون کا سرمایہ قربان کرتے۔
کہا جاتا ہے گورکھپور کے کسی جلسہ کی دعوت قبول فرمائی مگر وقت
پر طبیعت علیل ہو گئی کہ سفر مشکل ہو گیا۔ لیکن جذبۂ
صادق القولی کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا کہ بخار
سے تپتا ہوا بدن۔ بس کا دشوار گذار سفر تاہم شریک اجلاس
ہوئے... حالانکہ لوگوں نے منع کیا۔ حضور! بخار شدید
ہے سفر نقصان دہ ثابت ہو جائے گا۔ آرام فرمائیں:
مگر جو جذبۂ صادق کے ساتھ خدمت خلق کی بیچینیاں رکھتے
ہیں ان کے راستوں میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی....
آپ نے ارشاد فرمایا.... ہاں رک جانا چاہئے۔ مگر میں نے
وعدہ کر لیا ہے۔ نہیں پہونچوں گا غریبوں کا دل ٹوٹ
جائے گا، مذہب کا نقصان ہوگا۔ ہاں ہاں یہ ایفائے
وعدہ ہی تھا... اور کیوں نہ ہوتا کہ الکریم اذا وعد وفیٰ!

کریموں کی شان ہی یہی ہوتی ہے کہ کلفتیں حملہ آور ہوں اور وعدہ وفا کرنے کے لیے ان الفتوں کا خیر مقدم کریں . . . ذرا سوچیئے بلکہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکیے، کہ ہمارا کیا حال ہے قدم قدم پہ وعدہ خلافی ہمارا عمل ہوگیا ہے، مگر جن کو شراب عشق پلادی جاتی ہے ان سے کلفتوں کا احساس اٹھالیا جاتا ہے . بیان کیا جاتا ہے:

عارف کامل قطب وقت سیدی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اگر رات بھر جگے ہوئے پھر نماز فجر کے بعد سوتے . آنکھ لگی ہی ہوتی کوئی تعویذ چاہنے والا آتا تو فوراً اٹھتے تعویذ لکھتے دعا کرتے مگر اپنی ذات کا سکون قطعاً ملحوظ نہ ہوتا . اگر کوئی کہتا کہ ، حضرت ابھی سو رہے ہیں اور انھیں بیدار نہ کیا جاتا . پھر کہیں آنے والا نامراد لوٹتا تو آنکھ کھلنے کے بعد معلوم ہونے پر برہمی کا اظہار فرماتے . چونکہ رہروانِ عشق کو کائنات کا کرب بخش دیا جاتا ہے اور ان کی راحتیں عقیدت کیشان وفا کو ہبہ کر دی جاتی ہیں .

جن کی نگاہیں زمانۂ نبوت و رسالت کے انوار پر مرتکز ہوتی ہیں وہ زر نگاری دنیا کی فریب کاریوں کو خاطر میں نہیں لاتے اسلیے کہ حسن حقیقت پر لمعانِ انوار کی پیچ کاری کے مشاہدہ کے بعد اب ضرورت نہیں رہ جاتی کہ دنیا کی مصنوعی دلفریبیوں کو دیکھا جائے . کہاں حسن ازل کے شاہکار جلووں کا طمطراق ، اور کہاں حسنِ بے التفات کی فتنہ سامانیاں . . . پھر ان کی طرف کیا نظر کی جائے کہ:

وگر سالکی محرم راز گشت
بہ بندند بروئے درِ باز گشت

وہاں یقینیات کے اجالے ہوتے ہیں نہ کہ تخیلاتی موزونیت کہ جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں . وہ بوئے عشق کی مستانہ خوشبو سے اتنے سرشار ہوتے ہیں کہ غیریت کا احساس مٹ جاتا ہے:

گر بوی از عشق مستت کند
طلبگار عہد الستت کند
بدر دیقیں پردہ ہائے خیال
نماند سرا پردہ الا جلال

حافظ ملت بھی اسی بزم محبت کے مصاحب تھے . زمانہ کے عصری ماحولیات سے ان کا وجود بھی محفوظ تھا جہاں فقر سادگی اور بھولا پن تھا . مولانا محمد انور علی بستوی صاحب کی روایت ہے . ایک بار حضرت کو سائیکل پر بٹھا کر ستھیاؤں اسٹیشن لے گیا . حضرت کو کہیں جانا تھا . آپ آگے بیٹھے تھے . اسٹیشن سے کچھ دور ہی تھا کہ آپ چلتی سائیکل سے اتر گئے ، سائیکل الٹ گئی ، حضرت بھی گر گئے . میں نے جلدی سے اٹھایا اور صاف کیا . عرض کیا حضور! چلتی سائیکل سے آگے بیٹھنے پر نہیں اترا جاتا . پھر بٹھایا اور اسٹیشن پہونچا . اتر کر سائیکل لیے کھڑا ہوں — انتظار کر رہا ہوں کہ حضرت اتریں گے مگر دیر ہو گئی . . . . میں سائیکل لیے کھڑا اور حضرت اس پر تشریف فرما جب دیر گذری . میں نے عرض کیا . حضرت ! اب اتر جائیں . . . ارشاد ہوا . . . . تو اب اتروں پہلے بتا دینا چاہیے تھا . کتنی سادگی ہے اس حیات سرمستی میں .

کہا جاتا ہے کہ مولوی نذرانہ وصولتا ہے . ممنوع نہیں . . . مگر جسے اپنی عنایتوں کو بخش کر غنی بنا دیا جاتا ہے . وہ کاہے کو دست غیر کی طرف نظر اٹھائے . حافظ ملت اگر چاہتے تو ان کا بھی شیش محل ہوتا . ان کے یہاں بھی دنیوی جاہ و جلال ہوتا . ان کے یہاں بھی آرائش زندگی کی رعنائیاں بکھری ہوتیں . ردائے فقر اوڑھ کر استغنار کی منزل پر بار فرمانے والوں کا انداز جداگانہ ہوتا ہے . ان کا دل غنی کر دیا جاتا ہے اور یہ استغنار اتنا عظیم ہوتا ہے کہ مردانِ وفا کیش کی نظریں پھر دنیوی جاہ و جلال کی طرف نہیں اٹھتیں . حضرت ابو الحسن نوری علیہ الرحمہ سے سلطان محمود غزنوی نے بار بار اجازت مانگی

کہ شرف حضوری بخشا جائے ... جواب ملتا فقیر کے یہاں جائے سلطان نہیں .... اس مرد مومن کا بھی یہی حال کہ چالیس سال ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھکر فقیروں کو صاحب ثروت بناتا رہا، مگر کبھی بھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہ فرمایا بلکہ عبائے فقر سے جودوسخا کی خیرات بٹتی رہی ۔ مولانا عبدالرحیم فیض آبادی روایت کرتے ہیں ... جب کہ میں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کا طالب علم تھا ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ مضافاتِ اعظم گڈھ میں ایک جلسہ میں گیا حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اور حضرت مولانا علی احمد مرحوم بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔ جلسہ ختم فرماکر صبح کی نماز ادا کرکے ٹرین پکڑی ۔ جب ٹرین اعظم گڈھ رکی حضرت اتر کر نیچے تشریف لے گئے، دیر ہوئی ۔ پھر مفتی صاحب بھی گئے ... اور بعد میں مولانا علی احمد مرحوم بھی چلے گئے ۔ میں اکیلا بیٹھا رہا ۔ میں نے سمجھا کہ حضرت استراحت کیلئے تشریف لے گئے ہیں تھوڑی دیر بعد دیکھتا ہوں کہ بہ نفس نفیس ناشتہ ہاتھ میں لئے چلے آرہے ہیں ۔ میرے اندر عقیدت و پشیمانی کے ملے جلے جذبات ابھرے .... مگر پیشانی کی لکیریں دیکھنے کے بعد حضرت نے فرمایا ... چلا گیا تھا تاکہ تمہارے لئے ناشتہ لیتا آؤں ۔ پھر سٹھیاؤں اترنے کے بعد کوئی سواری نہ تھی مفتی صاحب اور مولانا مرحوم نے باربار عرض کیا حضرت ابھی کوئی تانگہ آجائے گا ... مگر ارشاد ہوا مجھے ۸ بجے سے پہلے مدرسہ پہونچنا ہے ورنہ تعلیم کا نقصان ہوگا ۔ پھر پیدل چل کر مدرسہ آئے ۔ درس گاہ میں حاضری دی تو حضرت نے اپنی جیب خاص سے دس روپیہ کرم کیا ۔ جب کہ یہ جلسہ بغیر نذرانہ کا تھا، کیوں نہ ہو کہ اناغریم لهم کی سنت پر عمل اللہ کے دوستوں کا وطیرہ ہے ۔ واقعہ کے تنوعات پر غور کیجئے اور درویشوں کی دنیا کا جائزہ لیجئے کہ خاصان خدا کے اطوار کتنے نرالے ہوتے ہیں ۔

سنیئے ! لیبیا عرب جماہیریہ میں قیام کے دوران ایک واقعہ پیش آیا ۔ المؤتمر العالمی منعقد ہوئی عالم اسلام کی عظیم شخصیت مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد نورانی بھی شریک کانفرنس تھے جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ کے زیر انتظام چلنے والے عظیم ادارہ کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ کی جدید عمارت میں کلیہ کے پرنسپل عثمان المبروک کے کمرہ میں ہندی وفد موجود ہے راقم (محمد قمر الحسن) بھی ہے۔ شاہ احمد نورانی بھی جلوہ بار ہیں ۔ میں نے اشرفیہ کے متعلق گفتگو شروع کی ۔ نابغۂ روزگار شخصیت حافظ ملت کا ذکر نکل پڑا ۔ تو عثمان المبروک صاحب نے شاہ احمد نورانی میاں سے پوچھا من هو حافظ الملۃ (حافظ ملت کون ہیں) نورانی میاں کا جواب تھا کان حافظ الملۃ قد درس الحدیث اربعین سنۃ (حافظ ملت وہ تھے جنھوں نے چالیس سال درس حدیث دیا ہے) اتنا سننا تھا کہ شیخ عثمان کے چہرے پر مسرت واستعجاب کی سرخی ابھری اور انتہائی تعجب خیز انداز میں مخصوص عربی طور پر بار بار کہتے رہے یاسلامی درس الحدیث اربعین سنۃ ۔ یاسلامی درس الحدیث اربعین سنۃ (کیا تعجب ہے چالیس سال درس حدیث دیا ہے) میں نے شیخ عثمان کے چہرے پر شگفتگی کے جو اثرات دیکھے وہ حیطۂ تحریر سے باہر ہے ..... کیوں نہ ہو کہ جگر کے لہو سے کاشانۂ الفت کی تعمیر ہوتی ہے ۔ سوز قلب سے آبگینۂ الفت کو جتنی جلا دی جائے گی اسی قدر شستگی اور نکھار پیدا ہوگا ۔

حافظ ملت کی درویشانہ دنیا کسی شاہی تمکنت کی مظہر نہ تھی بلکہ :

منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے
جز من و چند کتابی و دواتی قلمی

کی آئینہ دار تھی ۔ انھوں نے ذرات کی تابکاریوں کو صیقل کیا یہاں تک کہ وہ زر کندن بن گئے ۔ ان کی فقیرانہ زندگی میں بایزید بسطامی، جلال الدین رومی، امام اعظم کوفی

جنید بغدادی، ابوتراب بخشی، خواجہ معین الدین چشتی، امام احمد رضا بریلوی وغیرہم علیہم الرحمہ والرضوان کی سطوت منظر آئے گی کہ وہ وارث نبی تھے۔ اور ایک وارث کامل ایسا ہی ہوتا ہے.... فرمان نبوی ہے۔ حکماء و علماء اپنی فقہ کی وجہ سے اس امر کے قریب ہوئے کہ نبی ہو جائیں۔ حدیث شریف ہے کہ اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جسے اسلام کی ہدایت ملی اور وہ اپنی معمولی گذر اوقات پر راضی رہا۔ (مکاشفۃ القلوب صفحہ ۵۲) وہ توکل کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے اسی لئے تو دنیا سے بے اعتنائی تھی۔ اسلام کی خدمت کے لئے سرمایہ حیات کا ذرہ ذرہ وقف تھا۔ وقت سے مدد، مال سے مدد، قال سے مدد، خدمت سے مدد، لہو سے مدد۔ ہر طرح گلشن اسلام کی آبیاری فرماتے رہے۔ مجھے یاد ہے.... میں بہت چھوٹا تھا، مدرسہ عربیہ برکاتیہ مؤیدالاسلام گمہر ضلع بستی کا سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت سید العلماء علیہ الرحمہ اور حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ شریک اجلاس تھے۔ سید العلماء نے آخری شب میں مدرسہ کی تعمیری امداد کے لئے اپیل کی۔ سب سے پہلے جس شخص نے اسلام پر اپنا اثاثہ قربان کیا کوئی اور نہ تھا۔ حافظ ملت تھے۔ مرد قلندر اٹھا۔ شیروانی کے جیب میں ہاتھ ڈالا غالباً ساری رقم جو جیب میں تھی نکالی اور سید العلماء کے دامن میں ڈالدی۔

جو لوگ رب کے ہو کر زندگی گذارتے ہیں انھیں رزق نہیں تلاش کرنا پڑتا۔ بلکہ رزق انھیں خود تلاش کرتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بندے کا بغیر طلب کئے رزق پالینا اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کو بندے کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب سے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو؟ اس نے کہا مجھے اس کی خبر نہیں۔ رب جلیل سے پوچھو کہ وہ مجھے کہاں سے کھلاتا ہے۔

یہ درویشوں کی دنیا ہے جو فقر و استغناء کی دولت لازوال سے آراستہ ہوتی ہے۔ ان کے جہاں کا رنگ و بو الگ، ان کی وسعتیں لامحدود، انکی منزل خیالوں سے ورے، ان کا طریق کار برہان حتمی، انکی آرائش نقر بے ریا۔ ان کی توجہ الی اللہ، ان کا مرجع سید الانبیاء، ان کی ادا دلیل وفا، صحرا کو گلشن کس نے بنایا؟ وادیٔ بے اماں میں محبت کی شبنم کس نے چھڑکی؟ علم و حکمت کا قصر معلیٰ کس نے سجایا؟ حافظ ملت نے! مبارکپور کی دھرتی حافظ ملت کی محافظ ہوئی اور حافظ ملت مبارکپور کے محافظ۔

کہتے ہیں وجود فنا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کیا ہے حافظ ملت کے جملہ مظاہر میں ان کا ظہور۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک شئی کی فنا ہی اس کی بقا کی ضامن ہوتی ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

حافظ ملت بھی آغوش لحد میں سو گئے۔ مگر فنا کے بعد بقا کے مظاہر کی وسعتیں ان کی سرمدی زندگی کی دلیل ہیں۔ اب حافظ ملت کو فردی پیکر میں نہ تلاش کیا جائے بلکہ ابنائے اشرفیہ کے خد و خال، بنائے اشرفیہ کے فن و کمال، اور مبارکپور کی فضائے پُر جلال بلکہ ارجائے معمورہ میں بکھرے ہوئے ان تمام علماء، شیوخ، محدثین، فقہاء، خطباء، حفاظ، قراء، شعراء، نقاد، اور محررین میں ان کی جستجو کی جائے۔ کیا کیا نہ ملے گا۔ فقہ کی چاشنی، علم کا طنطنہ، شیخیت کی وضعداری، حفظ کا جمال، قراءۃ کی شگفتگی۔ صحافت کی دل آویزی سب کچھ ملیگی۔ وہ جس نے چودہویں صدی ہجری کے نصف اخیر کی دہائیوں میں ہند کے درماندہ کارواں کو منزل مقصود تک پہونچنے کا حوصلہ بخشا۔ آج بھی اس کی ضریح خاکی سے جہد مسلسل اور سعی پیہم کی ہدایت کے بے صوتی نشریئے فضاؤں میں تحلیل ہو رہے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۳۵ پر

حافظ ملت اور مبارک پور

ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی جامعہ ملیہ دہلی

استاذ العلماء جلالۃ العلم شیخ الحدیث حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے مبارکپور کے لوگ حافظ صاحب کہتے تھے۔ چھوٹے بڑے مرد عورتیں مسلمان ہندو سب اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ حافظ صاحب مبارکپور میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد سے آخری دم تک یہاں کے شریک کار تھے، نغمۂ شادی نوحۂ غم تک ہر ہنگامے میں لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف ہوتی تھیں۔

یوں تو مدرسہ اشرفیہ میں بہت سے مدرسین آئے اور گئے اہل قصبہ کو کسی کے آنے کی خبر ہوئی تو جانے کی نہیں اور جانے کی خبر ہوئی تو آنے کی نہیں لیکن ایک وقت میں حافظ ملت نے مبارکپور سے جانے کا ارادہ کرلیا تھا کہ پورے قصبہ میں کہرام مچ گیا۔ کیا مرد کیا عورتیں کیا جوان کیا بوڑھے سب حواس باختہ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مبارکپور کے حافظ صاحب نہیں جارہے ہیں بلکہ برکتیں جارہی ہیں رحمتیں اٹھ رہی ہیں۔ یہ عزت، یہ پذیرائی اور یہ عقیدت مبارکپور کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے اور کیوں نہیں حافظ صاحب کی شفقت اور ان کا کرم بھی تو بے مثال تھا۔

ایک ولی کامل حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے لائق و فائق شاگرد کو دارالعلوم اشرفیہ کا معلم اور مبارکپور کا مربی بنا کر بھیجدیا اس دن سے آخری سانس تک شاگرد نے دارالعلوم اشرفیہ کے ساتھ ساتھ مبارکپور پر جو عنایت کی نظر ڈالی اور پھر اہل قصبہ نے حافظ صاحب پر جو عقیدت کے پھول نچھاور کئے اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ایک طرف اشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لئے حافظ صاحب نے جب جب مبارکپور کی طرف دیکھا لوگوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھولدیئے اور جسم و جان کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے۔ دوسری طرف قصبہ کے مخلص اور بے لوث عوام پر جب بھی کوئی ارضی یا سماوی آفت آئی حافظ صاحب اپنے جہد و عمل اور کشف باطن کی پوری قوتوں کے ساتھ سینہ سپر ہوگئے۔

آج دارالعلوم اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں پورے امتیازی شکوہ کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہے اور مبارکپور اخلاص و ایثار کا پیکر بن کر ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے۔ یہ صرف اور صرف حافظ صاحب کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے۔

بہ تقاضائے فطرت ہر گھر کا ایک سرپرست ہوتا جس پر پورے گھر کو ڈھارس رہتی ہے مگر حافظ صاحب تو ہر گھر کے سرپرست تھے اور ہر گھر کے محافظ تھے، شادی کی تقریب ہو، کوئی بیمار ہو، کسی کو مقدمہ میں بے گناہ پھنس جانے کا اندیشہ ہو یا کسی کے گھر میت ہوگئی ہو غرضیکہ ہر سکھ دکھ میں حافظ صاحب یاد کئے جاتے تھے۔

۱۹۵۵ء کے ہولناک سیلاب کو کون بھلا سکتا ہے آج بھی اس کے تصور سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور موت سر پر منڈلانے لگتی ہے محلہ کٹرہ چاروں طرف سے پانی میں گھر گیا تھا اور یہ خطرہ تھا کہ اگر پانی فٹ دو فٹ اور اونچا ہوا تو پورا محلہ جل تھل ہو جائے گا اثاثے تباہ ہو جائیں گے اور اس میں دیر بھی کیا تھی جو پانی ٹونس ندی سے پھیلتا ہوا قصبہ تک آچکا تھا، گھر کی دیواروں سے ٹکرانے لگا تھا اس کو فٹ دو فٹ اور بڑھنے میں کیا مانع تھا، اس قیامت خیز اور نفسی نفسی کے عالم میں قریب تھا کہ اہل محلہ کسی محفوظ مقام پر منتقل ہونے کا ارادہ کرتے یکایک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی کہ حافظ صاحب آگئے ہیں یہ سننا تھا کہ لوگوں کی آنکھیں اشک برسانے لگیں اور دلوں میں ایک غیر شعوری اطمینان جنم لینے لگا۔ حافظ صاحب میرے غریب خانہ پر آئے شیروانی اتار کر مولوی شاہد رضا ابن

شیر بیشۂ سنت) کو دی اور والد محترم سے کہا کہ عبد السمیع صاحب پھاوڑا ہو تو مجھے دیدیجئے۔ اتنا سننا تھا کہ موقع پر موجود لوگ خود پر قابو نہ پا سکے اور زار و قطار رونے لگے گھگھیاں بندھ گئیں۔ لوگوں نے رندھی ہوئی آوازوں میں کہا کہ حضور آپ آگئے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ دعا فرماتے رہیں۔ شاید حافظ ملت نے گھر پر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ صحن کو پاٹ پاٹ کر اونچا کیا گیا ہے وہ خود بھی ہاتھ بٹانا چاہتے تھے۔ بہر حال سیلاب کا زور اسی دن ٹوٹ گیا اور پھر رفتہ رفتہ پانی دریا کے پیٹ میں چلا گیا۔ یہاں مجھے حافظ ملت کی کرامت کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی نازک گھڑی میں جب کہ اہل محلہ کی جان کے لالے پڑے تھے اور قریب تھا کہ محلہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے حافظ ملت اپنی جانِ عزیز کی پروا کئے بغیر موت کے منہ میں چلے آئے تھے۔

یونہی مبارک پور میں جب کبھی وبائی امراض پھیلتے تو ہمارے بزرگوں نے دیکھا ہے کہ حافظ صاحب رات میں قصبہ کا گشت کرتے تھے کوئی کہتا میں نے حافظ صاحب کو ایک بجے رات میں اپنے محلے میں دیکھا تھا کوئی کہتا میں نے دو بجے اپنے محلے سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ اہل مبارک پور حافظ صاحب کو اپنی جان کا مسیحا سمجھتے تھے اور آج بھی انھیں کے تصرفات روحانی کے سائے میں خود کو ہر بلا سے محفوظ کہتے ہیں۔"

بقیہ صفحہ ۱۰۴ کا

اپنی زندگی کی چوالیس بہاریں قربان کیں۔

ابتداءً مدرسہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات قبول کیں اور اسے بحسن وخوبی انجام دینے کے علاوہ حالات اور ماحول کا مقابلہ کر کے لوگوں کے اذہان وقلوب کی صفائی کرتے ہوئے ایک عظیم دینی وعلمی درسگاہ کے قیام کے لئے راہ بھی ہموار کردی۔ یہاں تک کہ مدرسہ اشرفیہ سے دار العلوم اشرفیہ پھر الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کر کے دین کے خادموں کی تعلیم وتربیت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم فرما دیا۔

اس طرح حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عملی میدان میں ایک نمایاں اور پائدار کام کر کے اپنے آخری امتحان میں کامیابی حاصل کرلی — اور — زبردست کامیابی — جس کے نقوش آج نہ صرف یہ کہ جامعہ اشرفیہ کے در و دیوار اور سرزمین مبارکپور کے گلی کوچوں میں ثبت ہیں۔ بلکہ عالم اسلام اور دنیائے معمور کے لئے بے شمار شہروں میں انمٹ اور لازوال بن چکے ہیں ؎

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

اس مرد مجاہد کی ضرورت ہے جہاں کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

حوالے کی عبارتیں یا ان کے مفاہیم حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور شمارہ ۷۷ سے ماخوذ ہیں۔

حافظِ ملت کی چند عبرت آموز یادیں

الحاج محمد حسین عزیزی خازن جامعہ اشرفیہ

۱۔ سرزمین مبارک پور میں حضور حافظ ملت کی معیت میں جو چندا ہوتا تھا۔ اس سے قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں۔ جلوس کی شکل میں جب انقلابی نظمیں پڑھتے ہوئے گذرتے تھے۔ تو ہر فرد پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ چندہ کا جلوس ایک حاجی صاحب کے دروازے پر پہنچا تو ان پر عشق و وارفتگی کا ایسا عالم طاری ہوا، کہ برابر دیئے جا رہے تھے، ہاتھ روکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ حضور حافظ ملت نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ حاجی صاحب کہنے سے نہیں مان رہے ہیں انھیں پکڑ کر کہو کہ بس کریں۔ میں نے انھیں زبردستی پکڑ لیا۔ حاجی صاحب نے بے قابو ہو کر کہا۔ حضرت تمنا ہے کہ حشر کے میدان میں آپ کا ساتھ ہو۔ فوراً نگاہ نیچے کر کے سر کو گود میں کر لیا۔ اس پر میں نے بھی کہا آمین۔ ہماری سب کی بھی یہی دعا ہے۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ حضور حافظ ملت نے فرمایا۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ اگر تم لوگ اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے۔

۲۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ گیارہ کے عدد کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے میاں ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو نیاز کرنا چاہئے۔ حضرت کا جب وصال ہوا۔ تو سوچا گیا کہ فی الحال قبر شریف کا کچھ حاشیہ اینٹوں سے بنوا دیا جائے۔ اس وقت میں اور چند لوگ اور ساتھ میں تھے۔ مٹی برابر کر کے مستری سے کہا گیا اتنا لمبا چوڑا بنا دو۔ جب مستری نے فیتا لے کر ناپا تو گیارہ فٹ چوڑا اور گیارہ فٹ لمبا ہوا۔ یہ ہے گیارہویں شریف سے محبت کا ثمرہ۔

۳۔ حضرت کی خواہش تھی کہ دار الحدیث کا گنبد بن جانا چاہئے۔ جب آپ دنیا سے جانے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس گنبد کی تعمیر تم لوگوں کے سر پر فرض ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ گنبد کی تعمیر بھی گیارہ برس بعد عمل میں آئی۔

۴۔ منوا گردال کی متنازعہ زمین کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے۔ "یہ زمین انشاء اللہ ضرور ملے گی" آپ کو یاد ہوگا کہ مولانا عبید اللہ خاں اعظمی سے جو اس زمین کا سب سے پہلا معاہدہ ہوا تھا وہ گیارہ برس بعد ہی ہوا تھا۔ اس کے ایک سال بعد قیمت طے ہو گئی اس کے ایک سال بعد رجسٹری بھی ہو گئی۔ اور حضرت کے فرمانے کے مطابق زمین مل کر رہی۔

۵۔ حضرت جب بنارس چندہ کرنے تشریف لیجاتے تھے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے تھے یا رمضان شریف میں گھر آنے تو مجھے بذریعہ خط مطلع فرما دیتے کہ میں فلاں تاریخ میں بنارس پہنچ رہا ہوں تم بھی بنارس پہنچ جاؤ۔ ایک مرتبہ رمضان شریف میں حضرت سخت علیل تھے امید نہیں تھی کہ حضرت تشریف لائیں گے۔ مگر خط آگیا اور میں متعینہ تاریخ میں بنارس پہنچ گیا۔ دیکھا تو حضرت سخت بخار میں تھے۔ میں نے عرض کیا حضرت روزہ سے بھی ہیں ایسی صورت میں کام کیسے ہوگا۔ فرمانے لگے "میاں کام کرنا ہے میں ٹھیک ہوں اللہ کا فضل ہے"

۶۔ ایک مرتبہ چندہ کر کے دیر سے آئے میں گھر چلا گیا حضرت آرام گاہ پر چلے گئے۔ پھر صبح ہی حضرت تشریف لائے اور کہنے لگے چلئے پیسہ جمع کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا حضرت اس میں میری کیا ضرورت ہے۔ مجھے کام تھا میں نے

بقیہ صـ۱۲۴ پر

حافظِ ملت بارگاہِ رسول میں مقبول ہیں

عبدالمنان کلیمی مصباحی سربراہ اعلیٰ جامعہ اکرم نعیمیہ انسٹی ٹیوٹ مرادآباد

بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کا واحد اور آخری زینہ عشقِ رسول ہے۔ انسان کے اندر جس قدر عشقِ رسول ہوگا اسی لحاظ سے وہ دربارِ نبی میں محبوب نظر ہوگا۔ کیونکہ عشقِ رسالت ہی مدارِ ایمان اور معیارِ اسلام ہے۔

جب ہم اس زاویے سے حضور حافظ ملت اور آپ کے والد مکرم حضرت حافظ محمد نور قادری قدس سرہما العزیز کی زندگی ان کے ارشادات وخیالات اور عمل وکردار کا معلوماتی جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہیں رہتے کہ ملت کے یہ دونوں فرزند بہت بڑے عاشقِ رسول تھے۔ اور ان کے دلوں میں عشق وعرفانِ رسول کا ایک موجِ بے کراں تھا جو ہمہ وقت اخلاص وعمل کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا تھا اور ہر ہر قدم پر دعوتِ فکر وعمل دیتا تھا۔

حضرت حافظ محمد نور قادری علیہ الرحمہ کی زندگی کے جہاں بہت سارے معمولات تھے۔ وہیں آپ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ باسی روٹی تناول فرماتے تھے۔ یہ نہیں کہ صرف اتفاقیہ طور پر بلکہ قصداً وعمداً آپ باسی روٹی کو ترجیح دیتے تھے حتیٰ کہ اگر تازی روٹی بھی ہوتی تو آپ باسی روٹی کا تقاضا فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ کے جانباز اور عقیدتمند شاگردوں نے سوال کیا کہ حضور تازی روٹی کی موجودگی میں باسی روٹی کو کیوں ترجیح دیتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے آبدیدہ ہوکر جواب دیا کہ:

"چونکہ باسی روٹی کا زمانہ آقائے دوعالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک سے زیادہ قریب ہے اسلئے میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں"[1]

اللہ اللہ کیا عشقِ رسول ہے جو اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں زمانۂ رسول سے قرب۔ عشقِ رسول۔ اور محبت نبی کا اس قدر پاس ولحاظ رکھتا ہے تو اس کے نزدیک فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کا عالم کیا ہوگا۔ چنانچہ اب بھی بھوجپور اور اس کے نواح میں حضرت حافظ محمد نور صاحب کے تلامذہ موجود ہیں جو آپ کی تعلیم وتربیت اور شرفِ تلمذ پر ناز کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کے معترف ہیں کہ آپ کو کلامِ الٰہی سے بے پناہ عشق تھا۔ آپ کی پوری زندگی عشقِ رسالت، محبتِ نبی اور پھر اتباعِ پیغمبر کی آئینہ دار تھی۔

سیدی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی عشقِ رسالت میں گذری اور اپنے تلامذہ وخلفاء اور مریدین ومتوسلین کو آخر دم تک اسی کا درس دیا اور ہر ہر لمحہ عملی طور پر اس کا مظاہرہ فرمایا۔ چنانچہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ اقدس کے حاضر باشوں کے ذہن میں اب تک وہ واقعہ نقش ہوگا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حج وزیارت کی ادائگی کے لئے تصویر نہیں کھینچوائی۔ جب حلقہ بگوشان بارگاہ خصوصاً آپ کے مخلص اور چہیتے مرید حضرت بیکل صاحب عزیزی نے عرض کیا۔ حضور یہ عالمی قانون ہے۔ بغیر تصویر کشی کے ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا بڑا مشکل ہے تو آپ نے کیا جواب دیا سننے کے قابل ہے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جاؤں اور انہیں کے حکم کی نافرمانی کروں اگر سرکار کو بلانا منظور ہوگا تو بغیر اسکے بھی غلام کو

---

[1] بھوجپور کے دوران قیام یہ بات ناچیز کو معلوم ہوئی ۱۲ کلیمی

بلا لینگے [1]

یہ صرف ایک صدا نہیں تھی بلکہ یہ ایک حقیقت تھی جو ایک عاشقِ رسول کے قلب پرسوز سے عیاں تھی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس عاشقِ رسول کا عشق دربارِ رسول میں مقبول ہوا اور بغیر اس حکم ممنوع کے بھی کشاں کشاں آپ دربارِ رسول پہنچے اور واپس آئے۔

ان دنیا والوں کو جو خود ساختہ قوانین کے غلام ہیں یہ بتادیا کہ انسان اگر اپنے اندر سچا عشقِ رسول پیدا کرلے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ پاک اور احکام الٰہیہ کو اپنا نصب العین بنالے تو بلاشبہ وہ دنیا کے قانون کی زنجیروں کو توڑ سکتا ہے اور اب بھی صداقتِ صدیق، عدلِ فاروقی، سخاوتِ عثمانی، اور شجاعتِ حیدری کے جلوے بکھیرے جاسکتے ہیں۔

سیدی حضور حافظ ملت کے اس ارشاد و عمل سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ بلاشبہ سچے عاشقِ رسول تھے اور دربارِ رسالت میں آپ کا یہ عشق مقبول و منظور تھا۔ دوسری یہ کہ حافظ ملت نے شریعت کے احکام صرف دوسروں کو سناکر تسلی نہ کرلی بلکہ سب سے پہلے انھیں خود اپنی زندگی پر منطبق کرکے دکھا دیا اور دنیا کو بتادیا کہ عالم ربانی اور سچا نائب رسول وہ ہوتا ہے جس کا عمل اس کے علم کی تصدیق کرتا ہوا نظر آئے۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ عشق جنون ہی تھا کہ آپ سفر و حضر اور تحریر و خطابت میں یہ والہانہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ العالمین اپنے اس بندہ کو یہ توفیق عطا فرما کہ اس کی پوری زندگی درس حدیث میں گذرے۔

فقیر کلیمی نے خود محلہ کٹرہ مبارکپور کے ایک اجلاس میں آپ کی زبان حق ترجمان سے ان دعائیہ کلمات کو سنا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی آپ درس حدیث اور اس کی فضیلت و خصوصیت بیان فرماتے تو اس موقعہ پر سیدنا امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضور صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر جمیل ضرور فرماتے اور اس روحانی واقعہ کا تذکرہ بھی کرتے جب برسات کے موقعہ پر ان دونوں مقتدر اسلاف کی قبر شریف کی مٹی ہٹ جانے سے بڑی عطر بیز خوشبو پھیلی تھی اور یہ فرماتے ہوئے اپنی گفتگو مکمل فرماتے کہ یہ سب درس حدیث کے برکات ہیں۔

نیز اپنے استاذ الاستاذ حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ کے حفظ بخاری کا ذکر بھی ایسے موقعوں پر ضرور فرماتے، جب ہم سیدی حضور حافظ ملت کی اس دعائے پاک کے تناظر میں آپ کی مبارک زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کی پوری زندگی درس حدیث میں گذری، زندگی کے آخری دور میں کثرتِ مصروفیات کی بنا پر اگرچہ آپ نے اجتماعی طور پر درس حدیث دینا ترک فرمادیا تھا۔ لیکن انفرادی طریقہ پر کبھی بھی آپ اس سے غافل نہیں ہوئے حتیٰ کہ جس شب آپ کا وصال ہوا اس دن بھی آپ نے اپنے لخت جگر حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ کو نہایت بصیرت افروز اور رقت انگیز انداز میں درسِ حدیث دیا۔

اب ہم آپ کی اس دعا اور عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بلاشبہ دربارِ رسول میں آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور خداوند قدوس کی رحمت بے پایاں سے یہ امید واثق ہے کہ آپ کی قبر شریف بھی درس حدیث کی برکتوں سے متجلی ہوگی اور مشک و عنبر کی خوشبو سے آپ محظوظ و لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔

اسلام میں رویائے صالحہ کی بڑی اہمیت ہے جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ خصوصاً عشق رسول کی دنیا میں رویائے صالحہ کے بہت سارے انوار و تجلیات ہیں جو محسوس کیے جاتے ہیں، درحقیقت ان سطور کے قلمبند کرنے کا میرے لیے جو داعیہ بنا ایک بزرگ کا خواب ہے جو اظہارِ مسرت و شادمانی کی خاطر ہدیۂ قارئین ہے۔

شہر مرادآباد محلہ اصالت پورہ میں ایک نہایت معمر

---

[1] متعدد تذکروں میں یہ واقعہ آچکا ہے ۱۲ کلیمی

صاحب علم، قابل اعتماد بزرگ ہیں آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ شیریہ کی نہایت مرنجامرنج شخصیت کے مالک ہیں آپ کا نام نامی جناب حافظ قاری صوفی مولوی عبدالمتعالی عرف حافظ پیارے میاں صاحب ہے۔ فخر ملت حضرت علامہ مولانا محمد نذیر الاکرم صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کے خاص دوستوں میں ہیں بسیدنا حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ والرضوان کی علمی و روحانی مجلس میں بھی بارہا شریک ہو چکے ہیں بسیدی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے بھی حافظ صاحب کے دیرینہ خصوصی مراسم تھے"۔

حضرت حافظ ملت اور فخر ملت علیہما الرحمہ سے علمی و روحانی نسبت کی وجہ سے حافظ صاحب موصوف ناچیز کلیمی سے بھی بے پناہ محبت فرماتے ہیں اور اکثر و بیشتر حضور حافظ ملت قدس سرہٗ العزیز کا تذکرہ بھی ہوتا رہتا ہے۔

۱۷ر دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ پیر کی صبح کو موصوف ناچیز کے پاس تشریف لائے اور رات کے چار بجے کا اپنا یہ مبارک اور مسرت بخش خواب سنایا۔ وہ یہ کہ۔

میں نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو نہایت فرحاں و شاداں پایا اور آپ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جلوہ افروز ہیں اور آپ دربار رسالت سے مسجد نبوی کے امام مقرر کیے گئے ہیں۔ اس خوشی میں ہر چہار طرف سے لوگ ان کو مبارکباد دینے کے لئے مسجد نبوی پہنچ رہے ہیں۔ اور جو بھی جا رہے ہیں بے پناہ مسرت و شادمانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اور جانے والے ٹرک، بس اور بیل گاڑیوں کا استعمال کر رہے ہیں۔ میں نے جب یہ سہانا منظر دیکھا تو میرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی مسجد نبوی پہونچوں اور حضرت حافظ ملت سے ملاقات کروں اور مبارکباد دوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ دشواری بھی سامنے تھی کہ آخر اتنا طویل سفر میں کیسے طے کروں گا۔ پھر بھی میں نے ہمت کی اور مسجد نبوی پہونچ گیا وہاں پہنچ کر یہ دیکھا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک نہایت عالیشان مکان میں جلوہ افروز ہیں اور سامنے ایک بڑا گراؤنڈ ہے جس میں ہرے بھرے درخت ہیں۔ تیار ملاقات

سے مشرف ہو کر جب میں باہر آیا تو دیکھا ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضرت سے ملاقات کے لئے دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب میں نے اس شخص سے کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے اپنا مدعا بیان کیا تو پھر میں ان کو یہ کہتے ہوئے اندر لے گیا اور حضرت قبلہ سے ملاقات کرائی کہ یہ دربار عام ہے آپ کو آ جانا چاہئے تھا۔

اس شخص کے ساتھ حضرت قبلہ نے بے حد مسرت اور خوشی اور اخلاق کریمانہ کا برتاؤ فرمایا اور پند و نصائح کے انداز میں آپ نے اس شخص کو کچھ ہدایت بھی فرمائی۔ اتنے میں فقیر کی اہلیہ کی علالت کی وجہ سے کراہنے کی آواز بلند ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی [1]

جب خواب کے راوی ثقہ ہوں تو بلاشبہ خواب کی ثقاہت پر اعتماد کرنا پڑتا ہے وہ بھی جب کوئی خواب آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہو تو اس کی خصوصیت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

علم تصوف سے واقفیت رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بعد وصال بھی اولیاء اللہ کے درجات میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور دربار رسالت سے ان کو فرائض اور ذمہ داریاں تفویض ہوتی ہیں۔ دیگر اولیاء اللہ کے واقعات و مشاہدات کی روشنی میں اگر یہ رائے قائم کی جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ممکن ہے مسجد نبوی میں ان دنوں اولیاء اللہ کی روحانی و عرفانی امامت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی ہو۔

بلاشبہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک سچے عاشق رسول تھے اور آپ بارگاہ رسول میں مقبول تھے ــــ رب کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہم سبکو اپنے محبوب کا سچا عاشق بنائے اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

آمین ثم آمین

---

[1] ناچیز کلیمی نے اس واقعہ کو قلمبند کر کے موصوف حافظ پیارے صاحب زید مجدہ سے دستخط لے لیا ہے جو میری ڈائری میں تا دم تحریر محفوظ ہے ۱۲ کلیمی

اہلِ دانش کی بصیرت، اہلِ دل کے سر کا تاج
آشنائے رمزِ قرآں، بزمِ ملت کا سراج

خیالات وتاثرات

حافظ ملت اور جہان اہل خرد

مبارک حسین مصباحی

کاروبار ہستی رواں دواں ہے۔ کہیں آمد شب کہیں نمود سحر۔ کائنات کا ہر ذرہ مصروف عمل ہے۔ مادر گیتی عقیم نہیں۔ اس کے آغوش میں بھی سلسلہ آمد و رفت جاری ہے۔ کچھ آتے ہیں اپنا سب کچھ لے جاتے ہیں۔ عناصر کے پریشاں ہونے سے قبل ہی انکے نام و نشاں مٹ جاتے ہیں۔ کچھ آتے ہیں رہ جاتے ہیں۔ وہ نہیں انکے حسین کارنامے۔ انکے فکر و عمل کے دلکش جلوے۔ ان کے اخلاص و للہیت کے پرکیف تحفے۔ وہ مٹانے سے مٹتے نہیں بلکہ ابھرتے ہیں۔ ہر دل ان کا شیدائی، ہر طرف مدح و سرائی اور ہر روح سرشار عقیدت نظر آتی ہے۔ اپنے، بیگانے، دیوانے، فرزانے سبھی انکی عظمتوں کا اعتراف کرتے گئے ہیں۔

۱۳۹۶ھ کے حوالے سے چودھویں صدی کی البم کے اوراق الٹو ایک معمار انسانیت نظر آئیگا۔ علم و فضل زہد و تقوی کا ایک نیر تاباں نظر آئیگا۔ فلک پیما ہمتوں کا امین نظر آئیگا۔ کردار اسلاف کا پر شوق آئینہ نظر آئیگا۔ ایک قدآور ہر دل عزیز وجود مسعود نظر آئیگا۔ مگر آہ وہ تو ۱۳۹۶ھ کی ایک سوگوار شب میں داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی کی رحلت پر پوری سنی قوم کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے۔ ہر طرف سے یتیمی کا احساس ابھرا تھا۔ ہزاروں اہل شعر و سخن نے دردناک مرثیے لکھے تھے۔ کیا یہ سچ ہے کہ رشتہ حیات کے ساتھ رشتہ کائنات بھی ٹوٹ گیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مر کر بھی کہیں ٹوٹا ہے سلسلۂ تار حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

وہ گیا نہیں جاتے جاتے رہ گیا۔ نقش دوام چھوڑ گیا۔ دلوں میں اسکی یادیں آج بھی زندہ ہیں۔ زمیں پر اسکے نشاں آج بھی تابندہ ہیں۔

ہیں۔ اسکے انمٹ کارنامے عالم سے آج بھی خراج تحسین وصول کر رہے ہیں۔ اسکی تحریکیں آج بھی عروج کی جانب پا بہ رکاب ہیں۔ اسکے ہاتھوں کا لگایا ہوا "باغ فردوس" آج بھی پھل پھول رہا ہے۔ اسکی عطر بیز خوشبوؤں سے آج بھی پورا عالم مہک رہا ہے۔ وہ کہتا تھا زندگی کام کا نام ہے۔ وہ چلا گیا مگر اس کے سارے کام آج بھی جاری ہیں اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہیں گے۔ اس لئے وہ کل بھی زندہ تھا۔ آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہیگا۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

یہ ہیں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) مبارکپور

- جو نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پر سوز کا حسیں پیکر تھا۔
- جس نے مردہ قالبوں میں یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی روح پھونک کر رواں دواں کر دیا۔
- جس نے نئی نسلوں کو علم و فن اور تحریر و تقریر سے سرفراز کرکے رہبر و رہنما بنا دیا۔
- جس کی پرشکوہ عظمت کے قائل و معترف اغیار و اخیار اکابر و اصاغر سبھی ہیں۔

نوازشات اکابر

اکابر و شیوخ بھی اسے اپنی شفقتوں سے نوازتے تھے۔ انہیں نیک مشوروں سے سرفراز فرماتے تھے۔ کیونکہ وہ انکے فکر و عمل کا امین تھا۔ انکے علم و دانش کا سچا وارث تھا۔ انکے کردار و روش کا حامل تھا۔ انکی تحریک و مشن کا خادم تھا۔ انکے افکار و عقائد کا ہیرو اور ترجمان تھا۔

حضرت مفتئ اعظم ہند

کہتے ہیں کہ جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتئ اعظم ہند تک پہنچی تو

"چند منٹ تک سکتہ ہوا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ گئے۔ اور تیرہ نصیبوں کی تقدیر سنوارنے والی چشم کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی۔ سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے خدمت اقدس میں حاضر خدام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جا رہے تھے۔ اور حضرت کی شفقت اور محبت دینی تعلق کے ساتھ حضور حافظ ملت کی بزرگی و عقیدت انکے دلوں میں اور زیادہ ہو گئی۔ کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت حالت اضطراب سے عالم سکون میں آئے۔ تو دیر تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پیاری پیاری باتیں کرتے رہے۔ انکی جلالت علمی زہد و تقویٰ۔ اور تقدس و بزرگی کے گیت گاتے رہے اور آخیر میں فرمایا "اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں۔ انکی جگہ خالی رہتی ہے خصوصاً مولانا عبد العزیز علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر عالم اور مومن و مجاہد عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پر ہونا تو بہت مشکل ہے یہ خلا پر نہیں ہو سکتا۔"

برہان ملت علامہ شاہ برہان الحق صاحب قبلہ

"عزیز العلماء جلیل الفضلاء حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اور ان کے ذکر خیر کے حامل انکے علمی اور عملی شاہکار اولاً تو ان کے شاگرد اور تلامذہ ہیں جنکے ذہن اور قلوب ظاہر و باطن حافظ ملت کی تعلیمات اور انکے ارشادات اور انکی ہدایات کا مظہر ہیں۔ دوسرا مرکز علم مصدر علم منبع علم ہے۔ جو بصورت عمارت عظیمہ دار العلوم قائم ہے۔ جسے حال کے محاورے میں یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔ گو حافظ ملت قدس سرہٗ واصل رحمت الٰہی ہوئے اور ظاہری اعمال سے معطل لیکن حسب ارشاد قرآن مجید ویحییٰ من حی عن بینۃ جسکی تفسیر اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں فرمائی تو حیئ من بینۃ نکیت بموت —— وہ اپنی اس کھلی نشانی کے ساتھ زندہ جاوید ہیں۔ اور حسب ارشاد حدیث شریف۔ اذا مات الانسان انقطع عنہ الا من ثلثۃ —— صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو اللہ بالخیر۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا صدقہ جاریہ دار العلوم اشرفیہ دیدہ زیب دلکش تعمیر ہے۔ اور علم ینتفع بہ دار العلوم میں علوم دین و شرع متین کی تعلیم اور ولد صالح یدعو اللہ بالخیر۔ حافظ ملت کے صاحبزادہ حضور علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب جانشین صاحب سجادہ حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ اور اولاد علمی و روحانی شاگرد و تلامذہ ہیں۔ رب العزت تبارک وتعالیٰ ان تمام مبارک یادگاروں کو دین متین و شرع مبین۔ اشاعت اسلام اور ترقی مسلمین کے لئے بقاء دوام عطا فرمائے آمین۔ وصلی اللہ علیٰ مظہر لطفہ و قاسم نعمہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و علماء ملتہ اجمعین۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قبلہ

"میری زندگی میں دو ہی باذوق پڑھنے والے طلبہ ملے ایک مولوی سردار احمد (ابو الفضل محدث اعظم پاکستان) اور دوسرے حافظ عبد العزیز (حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب بانی الجامعۃ الاشرفیہ)

حضرت مفتی اجمل شاہ صاحب سنبھلی

۲۶ شعبان ۱۳۶۳ھ میں جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کا امتحان لیا آپکے تاثر کا ایک حصہ ذیل میں پڑھئے۔

"بحمدہ تعالیٰ طلبہ کو بہترین ذی استعداد پایا۔ اور خصوصاً بعض کو بے نظیر اور بے مثل نہایت قابل ٹھہرایا۔ اور یہ کیونکر نہ ہو۔ اس کے مدرسین نہایت جانکاہی اور عرق ریزی سے درس کی خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً صدر المدرسین بدر الطالبین فاضل جلیل، عالم نبیل جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول حضرت مولوی حافظ عبد العزیز صاحب دام فیضہ قابل صد تحسین ہیں۔ یہ ساری بہار انھیں کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ اور اس چمن مصطفوی کی بہار انھیں کی ذات پر موقوف ہے۔"

حضرت مولانا شریف صاحب

موصوف معقولات و منقولات میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ الافاضۃ القدسیہ اور معقولات میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنے [illegible] کے ایک معائنہ میں رقم طراز ہیں۔

"ہمارے عرصہ ہوا اس مدرسہ کا معائنہ کیا تھا۔ اس وقت اس کی ابتدائی حالت تھی، موجودہ صدر مدرس (حافظ ملت) جب سے تشریف لائے مدرسے نے بہت ترقی کی ہے۔ اور دارالعلوم کی صورت اختیار کرلی ہے جملہ اساتذہ اپنے فرائض کو نہایت محنت سے انجام دیتے ہیں" ۳

حضرت علامہ فضل حق رامپوری

موصوف نے اجمیر میں حافظ ملت کا امتحان لیا پہلی ہی کتاب میں بہت سے داخلی اور خارجی سوالات کے جوابات سے مطمئن ہوکر کتاب بند کر کے ارشاد فرمایا۔

"اب ہم ان کا کسی کتاب کا امتحان نہیں لیں گے۔ ان کی قابلیت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے" ۴

حضرت مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتحپوری

موصوف حافظ ملت کے مرادآباد میں دور طالب علمی کے ابتدائی کتابوں کے استاذ ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"(حافظ ملت) مرادآباد پہنچ کر جامعہ نعیمیہ میں داخل ہوکر روز و شب پڑھنے میں مشغول ہوئے اور نمایاں ترقی کرنے لگے......

پھر حافظ صاحب اور انکے ساتھیوں نے مرادآباد سے اجمیر شریف کا قصد کیا میری رائے اور اجازت سے جامعہ نعیمیہ سے رخصت ہو کر اجمیر شریف پہنچے اور وہاں تحصیل علوم میں جب تک رب العزت تبارک و تعالیٰ نے چاہا مشغول رہے بالآخر اسی کے فضل و کرم سے عالم باعمل فاضل بے بدل ہوئے" ۵

معاصرین کا خراج تحسین

"معاصرانہ چشمک" انسانی فکر و خیال کا ایک رستا ہوا ناسور ہے، خاص طور پر ہم پیشہ افراد اور ہم فکر و عمل جماعتوں میں۔ عام طور پر لوگ اپنے سرفرازیوں اور خودستائیوں میں اتنے گم رہتے ہیں کہ معاصرین کی عظمتوں کا اعتراف تو بڑی بات ہے۔ دیکھ دیکھ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔ مگر قربان جائیے اس حافظ ناموس ملت کے جس کی فراخدلی اور کشادہ طبیعت کے سامنے سمندروں کی وسعتیں شرمندہ ہیں۔ اسی لئے اس کے ہم عصر اسکی عظمتوں کے معترف اور اس کے فضل و کمال کی ثناخوانی میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

سید شاہ حسن میاں مارہرہ مطہرہ

حافظ ملت ایسی ذات گرامی ہے جس کے ادنیٰ خوشہ چیں حکمت و دانش علم و معرفت کی چلتی پھرتی یونیورسٹیاں ہیں۔ کچھ لکھنا گویا امتحان دینا ہے۔ یاد آتی ہے سنہ کی وہ صبح جب مارہرہ کی برکاتی خانقاہ میں حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ کے ساتھ پہلی بار حافظ ملت (علیہ الرحمہ) کی زیارت ہوئی تھی۔ انداز گفتگو میں نوجوانوں کی گھن گرج کی سی تھی۔ جوبات منہ سے نکلتی ایک میخ سی گڑ جاتی علم و حکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیاباری سے اقطار ہند و بیرون ہند منور جس کی شعاعیں دور دور تک بکھری ہوئیں۔ جو یقیناً کھانے کے دسترخوان سے لیکر محراب و منبر اور مسند درس و افتاء سے تخت مشیخت تک حافظ ملت تھے۔ ۱

مفتی محمد رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کو فعال و متحرک اسلاف کرام کے نقش قدم پر چل کر جو نمایاں ملی خدمات انجام دے کر مسلمانوں کو موجودہ دور میں دینی خدمات کا جو اسلوب عطا کیا ہے وہ قابل تحسین اور قابل تقلید ہے ۲

مولانا سید شاہ عزیز احمد سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ہمہ گیر تبلیغ اور ٹھوس شخصیت کو عظیم و علیم تسلیم کرنے میں مجھے کبھی تکلف نہیں رہا جب جب بھی ملاقات ہوئی ہے۔ بے پناہ متاثر ہوا ہوں اپنے ہم عصر علماء اور رفقاء کے درمیان ان کی شخصیت ہمیشہ ابھر کر رہی وہ بیک وقت درس و تدریس کے بادشاہ بھی رہے اور وادی پرخار کے بے خوف مسافر بھی۔ آج حافظ ملت کو "المجاہد" کہنے میں مجھے کوئی تکلف نہیں۔ پامردی مجاہدانہ رفتار کی دمک کو میں نے حافظ ملت کی پیشانی پر نمایاں طور پر دیکھا ہے۔ اسکے علاوہ ان کا حسن اخلاق سلوک وفا اور دلکش وضع داری کی جامعیت بھی اپنا الگ معیار رکھتی تھی۔ منکسر المزاجی اور عجز نوازی فطرت میں شامل تھی۔ حلیم الطبعی نے غالباً ہر طبقہ کے افراد کو متاثر کیا ہے ۳

مولانا سید غلام مصطفےٰ حضرت القادری دربار شریف قادریہ کلکتہ

حافظ ملت آسمان علم وفن کے وہ نیر تاباں تھے جنکی ضیا باریوں سے ملک و بیرون ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا ہے۔ آپ عالم باعمل، اور روشن بے بدل اہل دل اور صاحب حال تھے۔ عاشق رسول شیدائے اہل بیت اطہار اور فدائے غوث الابرار تھے۔ آپ کی سراد اخلاق نبوی کی تصویر تھی۔ عجز وانکساری، تواضع وخاکساری آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔

علامہ سید محمد قتیل داناپوری پٹنہ

سند المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سید المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری قدس سرہما دین کے دو آہنی بازو تھے۔

علامہ نظام الدین صاحب الہ آبادی

حافظ ملت یوں تو تمام علوم مروجہ کی تمام کتابوں پر قابو یافتہ ہیں۔ مگر فن تفسیر وحدیث میں ان کو کاملیت حاصل ہے۔

علامہ عبد المصطفےٰ صاحب اعظمی

یہ شرف میرے لئے باعث فخر ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی مبارکپور کے بانی فضیلت مآب استاذ العلماء حضرت مولانا الحاج حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ مرادآبادی اعلی اللہ مقامہ میرے استاد بھائی تھے۔ لیکن وہ علوم واعمال اور زہد وتقویٰ کے فضل وکمال میں مجھ سے بدرجہا بالاتر، بلند مرتبہ اور عظیم الشان عالم نبیل وفاضل جلیل تھے...... میری نگاہ نقد ونظر میں حافظ ملت کا فضل وکمال میراثی فضل وکمال نہیں۔ بلکہ یہ بالکل ذاتی فضل وکمال ہے جسکو انھوں نے اپنی دلدوز اور دماغ سوز محنتوں اور اپنی قوت بازو کے بل پر حاصل کیا۔ اور یہ حافظ ملت کی وہ خصوصیت ہے جو انھیں ان کے ہم عصر مشاہیر سے اس طرح ممتاز کر رہی ہے۔ جس طرح چاند سورج کی روشنی ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ کہ چاند دنیا میں سورج کی بخشی ہوئی روشنی کے بل پر چمک رہا ہے۔ اور سورج خود اپنی روشنی سے عالم کو منور کر رہا ہے۔

جہان اغیار کے اعترافات

حضور حافظ ملت علم وفضل کے مرجع تھے، حکمت ودانائی کے سرچشمہ تھے، تقویٰ وپرہیزگاری کے مخزن تھے، اخلاص وللہیت کے پیکر تھے۔ عزم محکم اور تعمیری فکر وخیال کے حامل تھے، وسیع النظری اور فراخدلی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان حقائق کا اعتراف صرف جانثاروں اور اخیار ہی نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ اغیار نے بھی کیا ہے مخالف افکار وعقائد والوں نے بھی کیا ہے۔ قدم قدم پر تنقید وتنقیص کے تیر ونشتر چلانے والوں نے بھی کیا ہے۔ بلاشبہ کسی کی عظمت وسربلندی کی معراج یہ ہے کہ اسکے قصر عظمت کے روبرو غیروں کے دل جھک جائیں۔ مخالفوں کی نگاہیں خمیدہ ہوجائیں۔ اور اسکی عظمت کے چرچے دشمنوں کے زبان وقلم سے ہونے لگیں۔ کسی کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی ہے۔ الفضل ما شهدت به الاعداء آیئے اگر اس کے مصداق کے پرنور جلووں سے نگاہوں کو خیرہ کرنا ہو تو حافظ ملت کے سلسلہ میں جہان اغیار کے نقوش فکر وقلم کا مطالعہ کیجئے۔

مولوی عبد الباری ابو علی اعظمی دار المصنفین اعظم گڈھ

"جامعہ اشرفیہ کو زندگی نو بخشنے والے مولانا عبد العزیز صاحب مرادآبادی مرحوم اگرچہ صاحب بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی کے شاگرد تھے، لیکن اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا کے بہت ہی معتقد تھے، انھوں نے مبارکپور میں دینی تعلیم کے فروغ اور جامعہ اشرفیہ کی ترقی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس کی بنا پر ان کو محسن ملت، عزیز ملت، حافظ ملت، قائد ملت، امین ملت، ناصر ملت، حامی ملت، آبروئے ملت جس لفظ سے بھی یاد کیا جائے وہ ان کے لئے موزوں ہے۔"

مولانا عبد السلام قدوائی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ ایڈیٹر معارف

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے سربراہ اعلیٰ، مولانا عبد العزیز کی وفات کی اطلاع ملی، انکی عمر ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔ مگر ابھی یہ خیال نہ تھا کہ وقت موعود اتنا قریب آچکا ہے۔ وہ فقہ حنفی کے بریلوی مدرسہ

فکر سے تعلق رکھتے تھے، مگر مزاج میں اتنا اعتدال اور توازن تھا۔ کہ دوسرے حلقہ کے لوگوں سے بھی خندہ پیشانی اور فراخدلی سے ملتے تھے۔ علمی و تدریسی مشاغل کے ساتھ عبادت و ریاضت سے بھی شغف تھا۔ راقم الحروف نے مکہ معظمہ میں ۱۹۶۰ء کے حج کے زمانہ میں ہندوستانی سفارت خانہ کی ایک تقریب میں پہلی بار انھیں دیکھا تھا۔ اور انکی سادگی، احتیاط، زاہدانہ و مرتاضانہ زندگی سے متاثر تھا"[3]

قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

حافظ ملت نے جب عربی یونیورسٹی کا عظیم الشان پروگرام بنایا تو لوگوں نے قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم سے بطور استہزا، حافظ ملت کے اس پروگرام کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنے محدود ترین وسائل کے باوجود اتنا اونچا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان کا تبصرہ سن کر قاری طیب صاحب نے کہا۔

"میں حافظ عبدالعزیز صاحب کی شخصیت سے واقف ہوں ان کے غیر معمولی تدبر و تفکر اور جوش عمل سے آگاہ ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہو جائیں گے"[4]

نذرانہ اہل دانش

نئے دانشوروں اور عصری تعلیم یافتہ حضرات کا طبقہ عموماً علما سے دور رہتا ہے اور ان میں سے بیشتر دینی علما کو جاہل و فرسودہ سمجھتے ہیں لیکن یہ طبقہ بھی حافظ ملت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا درویش صفت بزرگ اور قدیم روایتوں کے حامل ہونے کے باوجود انکی حساس فکریں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تھیں۔ انھوں نے قدیم روایتوں اور جدید تقاضوں کے مابین بڑی حیرت انگیز سمجھوتے کی راہیں نکالی تھیں۔ اس لئے نئے اہل دانش کا ایک عظیم طبقہ انکی مدح سرائی میں رطب اللسان ہے۔ دوسری طرف وہ علما اور جلیل القدر شخصیات جنھیں حافظ ملت سے ارادت و تلمذ کا کوئی رشتہ نہیں وہ بھی آپ کی دلآویز شخصیت اور عظیم خدمات کو نذرانۂ مدح و ستائش پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ڈاکٹر نسیم قریشی شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

حضرت حافظ ملت ایک زبردست معلم تھے، بڑا منصوبہ بنانے والا ذہن رکھتے تھے، عزم کار سے بہرہ مند تھے، اور توت و صلاحیت کے آخری ذرے کو بھی داؤں پر لگانے کا حوصلہ رکھتے تھے، انھوں نے لاکھوں انسانوں کے تصور کو پیکر حقیقت بخش دیا۔ اور اتنے بڑے کام کا سلسلہ ڈال دیا کہ نسلیں اس سے لگی لپٹی رہیں گی اور خیر جاریہ کا اجر جنت الفردوس کی نورانی دنیا میں انھیں برابر ملتا رہے گا۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں[1]

ڈاکٹر محمد عرفان صدر شعبہ اردو شبلی کالج اعظم گڈھ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حافظ ملت کی ذات با صفات ایسے ہی دیدہ ور کی مثال تھی جو ہزاروں سال بعد اس دنیا میں آتی ہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی، ایک بڑے نصب العین کے لئے وقف کر دی، ان کا سونا اور جاگنا، جینا اور مرنا سب اسی نصب العین کے لئے تھا۔ انھوں نے سوز یقین سے لوگوں کے دلوں میں ایک نیا عزم پیدا کیا۔ انھوں نے اپنی سعی و کوشش سے مبارکپور جیسے معمولی قصبہ کو ایک علمی مرکز بنا دیا۔ واقعی اہل مبارکپور ان کو جتنا یاد کریں ان کی جتنی عزت و توقیر کریں کم ہے۔

مولانا کی تعلیم و تربیت پرانے طریقوں پرانے استادوں اور بزرگوں کے سایہ شفقت اور پرانی فضاؤں میں ہوئی تھی۔ جدید علوم و فنون میں براہ راست انھوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا، مگر کہیں وہ اجنبی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ چاہے وہ اہل علم کا حلقہ ہو چاہے ارباب سیاست کی مجلس خواہ طالب علموں کی جماعت ہو خواہ عامۃ الناس کا اجتماع جدید افکار اور رجحانات سے کوئی کتنا آشنا کیوں نہ ہوتا۔ مولانا سے تبادلہ خیال کرنے میں اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے۔

جس کی معلومات روایتی ہیں۔ یا جس کا ذہن بند ہے گھسے پٹے خانوں میں اسیر ہے یا جس کے فکر و نظر کا دائرہ تنگ ہے۔ شکل و صورت وضع قطع چال ڈھال بات چیت ہر اعتبار سے مولانا کی شخصیت بڑی دل آویز اور قابل احترام تھی"۔

مکہ میں ہندوستانی سفیر

حضور حافظ ملت کے سفر حجاز میں مکہ مکرمہ کے ہندوستانی سفارت خانہ میں آپ کو مدعو کیا گیا۔ استقبالیہ میں سفیر نے تمام حاضرین و مدعوین کے سامنے یہ بیان دیا۔

"حضرات آج ہمارا سر فخر سے بلند ہے اس لئے کہ آج ہمارے ملک کو جو مذہبی برتری حاصل ہوئی ہے۔ وہ اس حیثیت سے شاید دنیا کے کسی ملک کو نہیں حاصل ہے۔ اس لئے کہ مذہب بیزاری کے دور میں جبکہ تصویر کھنچوانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ ایک ایسا خدا ترس اور دیندار بزرگ بھی موجود ہے جس نے پاس شرع کو اس احتیاط کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھا کہ حج کے لئے بھی تصویر نہیں کھنچوائی اور جس کے لئے بین الاقوامی بندھن کو بھی ڈھیلا ہونا پڑا۔ وہ ہیں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب جو آپ کے درمیان ہیں اور خوش بختی سے ہمارے ہی ملک کے باشندہ"

مولانا طہیر الدین زیدی مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ

صاحب صدق و صفا حامل مجد و حامی دین مصطفےٰ علیہ التحیۃ و الثناء حافظ ملت حضرت مولانا الحاج حافظ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ یوپی۔ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو صاحب فضل و کمال بنایا تھا۔ آپ نہایت درجہ متبع شریعت تھے۔ اخلاص و احسان اور تقوی آپ کا شعار تھا۔ عزم و استقلال اور توکل و قناعت کی عظیم دولت سے آپ سرفراز کئے گئے، جس مشکل حالات میں آپ نے دین حق کی خدمت انجام دی وہ ہم سب کے لئے نمونہ تقلید ہے۔

پروفیسر سید محمد طلحہ رضوی برق

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد العزیز بانی الجامعۃ الاشرفیہ

اپنے وقت کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ رجسٹرڈ لاہور

آپ کا (حافظ ملت) وصال جہاں جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہاں سے اہلسنت و جماعت کے لئے بھی ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس دور میں آپ برصغیر پاک و ہند میں ممتاز شخصیت تھے جو حضرت شیخ الحدیث ابو الفضل مولانا سردار صاحب محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے بعد صدر الشریعہ کی عظیم یادگار تھے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری صدر مرکزی مجلس رضا لاہور

استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ عبد العزیز صاحب قبلہ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعہ، اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ حضرت والا کی موت ایک عالم کی موت ہے۔ ایسے عالم ربانی و حقانی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ انکی جدائی سے دنیائے سنیت میں جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر اس کا پر ہونا مشکل ہے۔

ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن یو کے

استاذ العلماء جلالۃ العلم رئیس المحدثین تاجدار کشور علم و فضل پیکر ہدایت و ولایت حضور حافظ ملت نے علماء کو کردار و عمل کا ایک ٹھوس پیغام دیا ہے۔ وہ ظلم و ستم کو سہہ کر مسکرانے کا ہنر جانتے تھے، آلام و مصائب کی شدتوں کو سہہ لینا ان کا مزاج تھا۔

مولانا محمد منشا تابش قصوری پاکستان

المصباح الجدید" ایسی بلند تصنیف نے مجھے حافظ الملت کا گرویدہ بنایا۔ اسی کتاب سے عقائد میں پختگی ہوئی، مناظرانہ انداز اور مضبوط گرفت۔ اللہ اکبر! فاضل بریلوی بارگاہ رسالت میں حافظ الملت کا گرانقدر مختصر مگر جامع مقالہ "مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ" پڑھا تو دل کی دنیا بدل گئی اس عدیم المثال واقعہ کا تعارف بھی حافظ الملت کا ہی کارنامہ ہے جس نے آج اعلیٰ حضرت پر لکھے جانے والے بیسوں مضامین اور متعدد کتب میں جگہ بنالی ہے۔

ان دونوں باتوں کے علاوہ حافظ الملت کے سنی رسائل وجرائد میں مطبوعہ رشحات قلم "معارف القرآن معارف الحدیث وغیرہ عنوانے بھی میرے قلب سیاہ کو جلا بخشی اور آپ کی غائبانہ محبت بڑھتی چلی گئی۔

جب آپ جیسے بلند کردار کے حامل علماء کے کارنامے، مضامین مسلک کے تحفظ وترقی کے لئے مفید تجاویز باصرہ افروز ہوتی ہیں تو دل چاہتا ہے کاش کہ سرحدیں ختم ہوں دائرہ وسیع ہو اور بغیر روک ٹوک ان اکابر کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو۔ ؎

شاہ اسرار الحق صاحب سابق ایم پی

حافظ ملت اپنے عدیم المثال زہد وتقویٰ عبادت ریاضت ایثار وقربانی اخلاص ودیانت کے سبب وہاں ہیں۔ جہاں عقل وشعور کا گزر نہیں۔ ہاں عقیدت ومحبت اس راہ سے روشناس ہے۔ حافظ ملت اسی باکمال انمول ولی کامل کا نام ہے جسکے لئے اقبال نے کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا ؎

مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی سابق ایم پی

جہاں تک قوم کے اندر نئی زندگی، نئی روح پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ وہ تو انھوں نے کر دکھایا۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس زندگی کو باقی رکھیں ان کی یادگاروں کو پروان چڑھائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیائے سنیت کے جتنے قلعے انھوں نے تعمیر کئے شاید اتنے قلعے کسی نے نہیں تعمیر کئے ؎

علامہ عبد الحکیم شرف قادری لاہور

حضرت حافظ ملت قدس سرہ دنیائے سنیت میں ایک انجمن تھے۔ ایک تحریک تھے جنھوں نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں علماء میں سنیت کا وہ درد اور سوز پھونک دیا کہ ان میں سے ہر ایک مسلک حق کا ترجمان اور مبلغ بن گیا ؎

علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد

حافظ ملت جسم ضعیف وناتواں مگر عزم واستقلال کا کوہِ گراں یہی وہ قدسی نفوس ہیں جن کے نقش پا آنیوالی نسل کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ سچ ہے یہ اپنے لئے نہیں بلکہ دنیا کی ہدایت کے لئے جیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکے متعلق میں اکثر یہ کہتا ہوں کہ یہ دیندار ہی نہیں بلکہ چلتا پھرتا دین ہیں۔ جنھیں دیکھ کر اور ان کی اتباع کرکے لوگ دیندار بنتے ہیں۔

ایک ایسا عابد شب زندہ دار کہ زہد وتقویٰ وپارسائی جس کے دامن کی حسین جھالریں زمیں پہ آنکھیں بچھائے اس طرح گذر جائیں کہ عرش وفرش کی کائنات انھیں دیکھے لیکن ان کی خدا شناس نگاہوں کو کوئی کچھ نہ کہہ سکے۔ لباس میں ایسی سادگی جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برستا ہو گفتار میں ایسی نرمی اور مٹھاس گویا ہونٹوں سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ ایسے کریم وشفیق کہ بچے انھیں پاکر ماں کی گود بھول جائیں ؎

پروفیسر مسعود احمد پی ایچ ڈی

علامۂ جلیل حضرت حافظ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ العزیز، روحانی علمی اور اخلاقی کمالات کے حامل تھے۔ کیوں نہ ہوتے کہ ان کے استاد، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا امجد علی اعظمی اور ان کے شیخ شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی رحمہما اللہ تعالیٰ! حضرت حافظ ملت کی بے مثال سیرت کا جوہر استغناء قلب تھا۔ انھوں نے غیر کی بندگی قبول نہ کی کہ وہ ذلیل بندگی ہے۔ اور مولیٰ کی بندگی، وقار بندگی۔ غربت وافلاس میں مولیٰ کی رزاقیت پر اعتماد کامل کوئی معمولی بات نہیں۔ بہت بڑی بات ہے۔ اور بہت بڑی کرامت۔ بندوں پر بھروسہ کیا جائے تو انسان نامراد ہو سکتا ہے۔ مگر جو مولیٰ پہ بھروسہ کرتا ہے۔ نامراد نہیں رہ سکتا۔ جب مولیٰ کفالت فرماتا ہے۔ تو بندے کی اٹھان دیدنی ہوتی ہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اسی اٹھان کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔

وہ مدرسہ اشرفیہ آئے اور فیضان تربیت سے اس مدرسہ کو جامعہ بنادیا۔ گویا ذرے کو آفتاب بنادیا۔ مردہ لوگ اپنے لئے

کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے نہیں، مگر زندہ لوگ سب کے لئے کرتے ہیں، اپنے لئے نہیں۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

وہ شیرازہ بند حیات تھے۔ وہ آفتاب و ماہتاب کی چمک تھے، وہ ستاروں کی دمک تھے، وہ پھولوں کی نکہت تھے۔ وہ روح بنکر جسموں میں دوڑ گئے اور ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

ہاں وہ آفتاب غروب ہوگیا مگر شب فراق تاروں بھری رات ہے۔ اندھیری رات نہیں۔ ہزاروں تلامذہ۔ آسمان علم کے درخشندہ ستارے ہے۔ کوئی ان میں آفتاب و ماہتاب بھی ہوگا۔ ہمیں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی موت سے جو موت نہیں تمہید زندگی تھی۔ زندگی حاصل کرنی چاہئے۔

ڈاکٹر اختر بستوی ریڈر گورکھپور یونیورسٹی | حافظ ملت کی ذات ایک انجمن تھی اور انجمن بھی ایسی جس میں علم و یقین کے چراغ بھی روشن تھے۔ اور سعی و عمل کی شمعیں بھی فروزاں تھیں اس انجمن کا اجالا سرزمین ہند کے ہر گوشے میں پہنچا اور وطن عزیز کے لا تعداد افراد کے ذہنوں اور دلوں کو عرفان و آگہی کی تابانیاں بخشیں۔ موصوف کی زندگی زاہدانہ طرز بود و باش اور مجاہدانہ عمل پسندی سے مرکب تھی۔

ایڈوکیٹ مظفر حسین صدیقی ایم اے ایل ایل بی

تقسیم ملک کے بعد ملک کے معاشی، سماجی اور سیاسی حالات یکسر بدل چکے تھے۔ اور آزادی اپنی عمر کے پچیس سال پورے کر لینے کے بعد کڑیل جوان ہو چکی تھی۔ اس وقت اس کے تیور کچھ اور ہو چکے تھے۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہونے لگا تھا۔ کہ اس بدلے ہوئے حالات میں مسلم دانشگاہوں، اداروں اور مدارس سے متوقع امیدیں اب پوری نہیں ہو سکتی۔ سب سے بروقت اس کا احساس جس شخص نے کیا وہ ایک مسلم رہنما دیندار بزرگ، صوفی منش دینی درسگاہ کا معلم تھا۔ یعنی حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ۔

سابق وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی | ان (حافظ ملت) جیسی شخصیت کا ملک میں ہونا ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

مولانا سید مثنیٰ انور کچھوچھوی | حافظ ملت ایک عظیم عالم ایک پاک طینت شخص اور دینی تعلیم کے روح رواں اور بے غرض مصلح تھے۔ آپ جماعت کے لئے روشنی کے مینارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا کوثر ندوی بنارسی | مولانا (حافظ ملت) کی عملیت، اخلاص، جوش عمل اور استقامت وعزیمت بے نظیر تھی۔ عربی یونی ورسٹی مولانا کے عزم کامل اور اخلاص عمل کا زندہ ثبوت ہے۔

پدم شری بیکل اتساہی ایم پی راجیہ سبھا | آمائی دلجائی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ذات محبت و اخوت، امن و شانتی کی علامت اور کاروان قوم و ملت کا نشان منزل تھی۔ انکی رحلت نے جہاں پوری قوم و ملت کو سوگوار کیا وہاں اس ناتواں کو ایک ناقابل برداشت غم سے زیر بار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی میں نے ان کے لئے کچھ کہنے کی کوشش کی صرف دل مسوس کر رہ گیا۔

کاروان صحافت کی سوغاتیں

پندرہ روزہ حنفی سرینگر کشمیر | بقلم سید قاسم شاہ بخاری مدیر اعلیٰ۔

الجامعۃ الاشرفیہ۔ (عربی یونی ورسٹی) مبارکپور یوپی آج کسی تعارف کی محتاج نہیں حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی کی زبردست کوششوں نے اسے اس مقام سے نکال لیا جہاں سے یہ ایک عام درسگاہ سمجھی جاتی تھی۔"

ماہنامہ المیزان بمبئی اداریہ | بقلم ایڈیٹر سید محمد جیلانی جولائی، ستمبر ۱۹۷۶ء جلد ۶ شمارہ ۱۰

ہمالہ صفت لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں جو ہوتے ہیں وہ ہزاروں پر بھاری ہوتے ہیں۔ حافظ ملت بھی انھیں ہمالہ صفت لوگوں میں سے تھے۔ ایسے ہی بھاری بھرکم وجود کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی

بقلم مدیر معاون محمد نور الدین نظامی جولائی ۱۹۷۶ء

لوگ کہنا جانتے ہیں مگر کرنا نہیں جانتے لیکن حافظ ملت کی ایسی مسلم الثبوت شخصیت تھی۔ کہ انکے قول وفعل میں یکسانیت تھی۔ زبان کے دھنی اور ارادے کے پکے بہت لوگ ہوتے ہیں. حافظ ملت اپنے عزائم میں ایسے مستحکم دیکھے گئے ہیں کہ پہاڑوں کا استحکام بھی انکے سامنے ہیچ تھا۔

ماہنامہ نمائندہ الہ آباد

ایسے لوگ دنیا میں بہت کم جنم لیتے ہیں جو مرجانے کے بعد بھی زندہ ہی رہتے ہیں۔ زندگی کے ایک ایک لمحہ کے ساتھ انصاف پوری کا ثبوت پیش کرنے والا وہ تاریخ ساز مجاہد اسلام عالم و استاذ خطیب ومناظر اور محسن انسانیت جسکی پیشانی کی شکنوں میں فکر ونظر کی ایک دنیا آباد تھی۔ اس جمیع الصفات مذہبی پیشوا کے اٹھ جانے سے آج فضائے علم ودانش پر جو ہیبت رہی ہے اس کے اظہار کے لئے قوت گویائی ہے نہ طاقت خامہ فرسائی۔

مبارکپور کی سرزمیں کا ایک مختصر سا گوشہ جہاں کل ویرانوں کے سائے رینگا کرتے تھے۔ جذبہ حافظی کی بنیاد پر آج درسگاہ عالم بن کر رہ گیا ہے جسکی آغوش میں پناہ لینے والے فرزندوں کا نام شمار کرنا مشکل ہے۔ مجاہدانہ کردار کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ بقلم سید شمیم گوہر جولائی ۱۹۷۶ء۔

ترجمان اہلسنت کراچی

بقلم مولانا مصطفےٰ انور امجدی نمائندہ برطانیہ اکتوبر ۱۹۷۶ء

موت العالم موت العالم صد حیف کہ ۳۱ مئی ۱۹۷۶ء مطابق یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ کا دن گزار کر پونے بارہ بجے شب میں علم وفضل عشق وعرفان کا وہ آفتاب جہانتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا جو نصف صدی تک ذہن وفکر اور قلب وروح کی دنیا پر چمکتا رہا۔ اور جسکے علمی فیضان کا اجالا۔ عرب وعجم ایشیا و افریقہ اور یورپ وامریکہ کے در ودیوار تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جسکی پوری زندگی صلاح وفلاح اور ملت کی حیات کے لئے وقف تھی۔

ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف

بقلم ایڈیٹر نسیم بستوی

حضور حافظ ملت اخلاق وکردار اور علم وفضل کے جس عظیم وبلند منصب پر فائز تھے وہ آپکی رحلت کے ساتھ ختم ہوگیا۔ آپکی ہمہ گیر و جامع شخصیت کے پردہ فرمالینے سے اخلاص وروحانیت کی جو آراستہ محفل ویران ہوچکی ہے۔ اب اسکی آرائش ورونق اپنے حال پر واپس نہیں آسکتی۔

؎ اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

ہفت روزہ تاجور گورکھپور

بقلم ایڈیٹر عاصم گونڈوی ۸ جون ۱۹۷۶ء جلد ۲ شمارہ ۲

حضرت حافظ ملت اسلامیات کے زبردست عالم ہی نہیں بلکہ عالم گر بھی تھے آپکے ہونہار اور لائق شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے جو دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں آپ کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی تھی۔ آپ کی زندگی کے بیشتر دن درس قرآن وحدیث میں اور راتیں آپ کی خالق ومالک کی عبادت وریاضت میں گزریں۔ تقویٰ، طہارت، سادگی، کسر نفسی، خوش خلقی، مہمان نوازی۔ حافظ ملت کا طرۂ امتیاز تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل میں ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

روزنامہ سیاست جدید کانپور

۳ جون ۱۹۷۶ء ص ۱

حضرت حافظ ملت مرحوم کی ذات گرامی بلا مبالغہ علم ودانش عرفان وآگہی، تقویٰ وطہارت اور خوش خلقی وخدا ترسی کے آسمان کے ایک آفتاب کی حیثیت رکھتی تھی۔

حوالے

نوازشات اکابر

۱۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت اگست ۱۹۷۶ء
۲۔ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور بابت جون ۱۹۷۸ء
۳۔ ص ۱۳ المصباح میگزین
۴۔ ص ۴۲ اشرفیہ کا ماضی اور حال
۵۔ ص ۶۹ 〃
۶۔ ص ۲۲۳ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ
۷۔ ص ۲۳۱ 〃

معاصرین کا خراج تحسین

۱۔ ص ی حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ ۱۹۷۶ء
۲۔ ص م 〃 〃
۳۔ ص ل 〃 〃
۴۔ ص ن 〃 〃
۵۔ ص ۶۳ 〃 〃
۶۔ ص ۳۸ 〃 〃
۷۔ ص ۹۰ 〃

جہان اغیار کے اعترافات

۱۔ اشرفیہ جنوری ۱۹۸۹ء
۲۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ جولائی ۱۹۷۶ء
۳۔ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ ص ۲۰۸

نذرانۂ اہل دانش

۱۔ ص ۸۸ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ
۲۔ ص ۱۰۰ 〃 〃
۳۔ ص ۲۹۵ 〃 〃
۴۔ ص ۱۲ 〃 〃
۵۔ ص ۴۸ ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۱۹۷۶ء
۶۔ ص ۴۷ 〃 〃
۷۔ ص ۴۱ ماہنامہ جولائی ۱۹۷۶ء
۸۔ ص ۳۸ ماہنامہ اشرفیہ اگست ۱۹۷۶
۹۔ ص ۳۴ ماہنامہ اشرفیہ اگست ۱۹۷۶ء
۱۰۔ ص ۱۶۷ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ
۱۱۔ ص ۴۶۴ 〃 〃 〃 〃
۱۲۔ ص ۱۶ حافظ ملت نمبر
۱۳۔ ص ۱۳۳ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ
۱۴۔ ص ۵۲ ماہنامہ اشرفیہ مئی و جون ۷۷ء
۱۵۔ ص ۴۹۲ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ
۱۶۔ ص ۳۹۱ 〃 〃 〃 〃 〃
۱۷۔ ص ۴۸۸ 〃 〃 〃 〃 〃
۱۸۔ ص ۴۸۹ 〃 〃 〃 〃 〃
۱۹۔ ص ۴۸۸ 〃 〃 〃 〃 〃
۲۰۔ ص ۵ اوراق گل

حافظ ملت کی بارگاہ میں عقیدتوں کے پھول

محترمہ ارم عزیزی

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ میرے حقیقی دادا تھے۔ وہ میرے والدین سے زیادہ مجھ پر شفقت ومحبت فرماتے تھے۔ ان کا عہد اگرچہ میری لاشعوری کا زمانہ تھا۔ مگر ان کے رحم وکرم اور نوازش وشفقت کے کتنے ہی واقعات آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہیں۔ ان کی رحلت پر صرف خانوادہ عزیزی ہی سے بے سایگی کا احساس نہیں ابھرا تھا۔ بلکہ پوری سنی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ اور ہزاروں اہل شعر وسخن نے اپنی یتیمی کے مرثیے اور منقبتوں کی شکل میں عقیدتوں کے گلدستے پیش کئے تھے۔ اسی گلشن عقیدت سے کچھ شاداب پھول میں نے چنے ہیں اور انہیں لیکر بارگاہ عزیزی میں حاضر ہوں۔

کاش وہ کرلیں قبول اس تحفۂ ناچیز کو
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

ارم عزیزی

ہر قدم پاسبان شریعت تھا وہ
ہر نفس نگہبان طریقت تھا وہ
سب سے بڑھ کر مخالف بدعت تھا وہ
حق تو یہ ہے کہ حافظ ملت تھا وہ

انجم عرفانی گورکھپوری

نازش دہر تھے باعث فخر تھے، حافظ دین وملت خدا کی قسم
وہ چلے تو گئے سوئے جنت مگر مشعل راہ ہے ان کا نقش قدم
جب بھی چھپتا ہے خورشید زیر زمیں چاند تاروں میں آجاتی ہے روشنی
ہم ستاروں میں مایوس کیوں رہیں ہم کو اب بھی ہے ان سے امید کرم

اسلم بستوی

کیا خبر تھی موت کا یوں حادثہ ہو جائے گا
یعنی آغوش زمیں میں آسماں سو جائے گا
جانشیں بوحنیفہ قبر میں خاموش ہے
قسمت تربت تو دیکھو خاک بھی گلپوش ہے

کامل سہسرامی

دھرتی پہ یوں تو بستے ہیں انساں بہت مگر
انسانیت کو درد ہے انسان چلا گیا،
پھولوں کا رنگ زرد ہے، خاموش عندلیب
حسن چمن جمال گلستان چلا گیا،

سید اصغر امام

علم وفضل وزہد وتقوی جس کے پیکر کا خمیر
بزم اہل عشق کا روح رواں جاتا رہا
سہمی سہمی سی فضا ہے تھرتھراتا ہے جگر
رہنمائے ملت اسلامیاں جاتا رہا

یسین اختر مصباحی

حافظ ملت حقیقت میں تمہاری ذات تھی
دین پاک مصطفے کی شرح تھی جو بات تھی

حکیم نذیر الاکرم مرادآبادی

چومتا ہے فخر سے خورشید بھی تیری جبیں
محو حیرت لامکاں ہے، ناز کرتے ہیں مکیں
جسد خاکی گرچہ ہے پوشیدہ اب زیر زمیں
آسماں تیری بلندی پھر بھی چھو سکتا نہیں

ڈاکٹر سید محی الدین

حکمت و دانش کے رنگ و نور میں ڈوبا کلام
جلوۂ علم و ہنر ہے حافظ ملت کی بات

نسیم بستوی

وہ علم وفضل کا مخزن وہ رہبر کامل سے
ہر ایک قلب کو کر کے وہ سوگوار گیا
پس وصال بھی جاری رہے گا فیض ان کا
وہ اپنے بعد بھی ایک چھوڑ کر بہار گیا

قیصر وارثی

پامال ہو گیا ہے امیدوں کا اب چمن
غنچے اداس اداس ہیں گل مائل محن
انسانیت کے کون سکھائے بھلا چلن
سویا ہے مرد حق تو یہاں اوڑھ کر کفن

بدر القادری

ہند ہی کیا عالم اسلام تک پہونچی نگاہ
شخصیت کوئی نظر آئی نہ ثانی آپ کی
ساری دنیا جس سے ہوگی تاقیامت فیض یاب
جامعہ ہے زندہ وتاباں نشانی آپ کی

شمامہ اعظمی

ملت کا پاسباں شریعت کا اک امیں
لرزاں تھی جس کے خوف سے کفار کی زمیں
جو دین کی پناہ تھا حاصل تھا عزم کا
بیشک وہ نگہباں تھا ملت کی بزم کا

نازاں کلکتوی

اہل دانش کی بصیرت، اہل دل کے سر کا تاج
آشنائے رمز قرآں بزم ملت کا سراج
سوز و ساز عشق کے دربار کا روشن چراغ
سادہ دل، صالح نظر، ثابت قدم، حاضر دماغ

فراز مبارکپوری

اہل دنیا کے لئے بھاری ہے خود اپنا وجود
جو فنائے حق ہوا اس پر مسخر کائنات
حیف دنیا سے گیا وہ حافظ دیں متیں
حفظ آداب شریعت میں کٹی جسکی حیات

محمد احمد مصباحی

تفسیر شرع خلوت و جلوت کا ہر عمل
جسکی حیات دیں کی مکمل تھی ایک کتاب
دست اجل نے توڑ لیا شاخ زیست سے
گلزار قادری کا مہکتا ہوا گلاب

علی احمد اعظمی

حق شناسا، حق نگر، حق گو، حقیقت آشنا
حامل صبر و رضا، فقر و قناعت آشنا
لازوالی علم جس کا لاثانی جس کی ذات
لائق صدجاہ، کردار و لیاقت آشنا

بیکل اتساہی

نقش رسول پاک پہ جنکی کٹی حیات
وہ حق پرست حامئی سنت چلے گئے
باطل پرست قوتیں تھیں جس سے تار تار
اس دور کے وہ غازی ملت چلے گئے

واصف بھوجپوری

فضل صدر الافاضل بھی رخصت ہوا
بدر صدر شریعت کو نیند آگئی
نیچے آنکھوں سے جو محو عقبیٰ رہا
آج اس کوہ رفعت کو نیند آگئی

خوشتر صدیقی

روح انساں زخم کھا کھا کر یہی کہتی ہے آج
چارہ ساز غم، انیس بیکساں جاتا رہا
شدت غم سے ہزاروں کی ہیں آنکھیں اشکبار
مظہر احمد رضا فخر جہاں جاتا رہا

پرنس رضا چشتی

شہریار کشور ذوق و یقین و معرفت
تاجدار علم و حکمت حافظ ملت کی ذات
ہے امین علم و دانش، راز دار معرفت
واقف سر محبت حافظ ملت ذات

راجا رشید محمود

حافظ ملت کی رحلت سے ہوا گل وہ چراغ
پا رہے تھے جس سے نور علم حق صدہا دماغ
اٹھ گیا وہ شخص جس کے قلب روشن کا نکھار
کر رہا تھا جہل کی ظلمت کا دامن تار تار

اختر بستوی

بقیہ ص ۱۲۵ کا

ہوتے ہیں۔[۱]

(۶۳) بے قرار تمنا

مسلمانو! جاگو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ تمہاری صلاح و فلاح اسی میں مضمر ہے کہ سچے اور پکے مسلمان بن جاؤ۔ تمہاری کامیابی اسی پر موقوف ہے، تمہاری زندگی اسلامی زندگی اور موت اسلامی موت ہو، تمہاری صورت اسلامی صورت اور سیرت اسلامی سیرت ہو۔ تمہارا ظاہر بھی اسلامی ہو اور باطن بھی اسلامی، تمہارے عقائد بھی اسلامی عقائد ہوں اور اعمال اسلامی اعمال، تمہارے جذبات اسلامی جذبات ہوں، تمہارے خیالات اسلامی خیالات، تمہارا سینہ اسلامی ایمانی انوار سے منور ہو اور تمہارے جسم اعمال صالحہ سے مزین، مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر تمہاری عادت ہو، اللہ عزوجل پر توکل و اعتماد تمہاری سرشت ہو، قرآنی تعلیمات پر عمل تمہاری طبیعت ثانیہ بن جائے۔[۲]

بقیہ ص ۱۰۷ کا

معذرت چاہی میں نے کہا میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا ابھی چلئے۔ میں گیا تب حضرت نے پیسہ جمع کیا۔ حضرت چندہ کے معاملہ میں اتنی احتیاط فرماتے تھے۔

۷۔ ایک بچی نے حضرت سے دعا کی درخواست کی کہ میں امتحان میں پاس ہو جاؤں حضرت نے دعا کی اور بچی امتحان میں پاس ہو گئی۔ بچی خوشی میں پانچ سو روپیہ حضرت کو نذر کرنے کے لئے لائی۔ حضرت نے فرمایا مجھے نہیں مدرسہ کو ضرورت ہے۔ لڑکی حضرت ہی کو دینے کے لئے بضد تھی مگر حضرت نے رسید کاٹ کر دے ہی دی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اخلاص نیت کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

ارباب قلم اور اہل دین و دانش سے

ادارہ تحقیقات حافظ ملت عرس عزیزی کے موقع پر ۱۸ دسمبر ۹۰ء کی شام کو حافظ ملت سیمینار منعقد کر رہا ہے۔ تمام اہل دین و دانش اور ارباب تحریر و قلم سے خصوصی طور پر حضرت کے تلامذہ، ابنائے اشرفیہ، اہل عقیدت اور واقف کاروں سے پرخلوص گذارش ہے کہ حسب ذیل اشارات یا اپنے کسی منتخب عنوان پر نگارشات کو لیکر سیمینار میں شرکت سے نوازیں۔ اور اگر کسی وجہ سے سیمینار میں شرکت نہ ہو سکے تو بعد میں اپنے پرمغز مقالات ارسال فرمائیں تاکہ آئندہ سال ۱۹۹۱ء میں مقالات سیمینار کے ساتھ شامل اشاعت ہو سکیں۔

اشارات: ۱۔ حافظ ملت کی علمی، اخلاقی، تبلیغی، تعمیری، تعلیمی، تربیتی زندگی کے کسی گوشہ پر بھرپور روشنی ڈالیں۔ اور ایسے واقعات اور شواہد کا انتخاب کریں جو ابھی تشنہ اشاعت ہیں۔

۲۔ حافظ ملت کی حیات اور کارناموں سے متعلق نامور شخصیات اور حضرت کے معاصر یا متقدم بزرگوں کے تاثرات جو معتبر روایت سے یا براہ راست آپ نے سنے ہوں یا ماہنامہ اشرفیہ کے علاوہ کہیں چھپے ہوں۔ ۳۔ حافظ ملت کے وصال پر اخبارات و رسائل میں ان سے متعلق شائع ہونے والے مواد مکمل حوالوں کے ساتھ۔ ۴۔ حافظ ملت کی زندگی سے متعلق کوئی بھی واقعہ جس سے انکی عظمت کا تعارف ہو یا جس سے ہمیں کوئی علمی، عملی، اخلاقی درس و عبرت حاصل ہو۔

۵۔ حافظ ملت کے تلامذہ میں سے کسی شخصیت کے حالات و سوانح اور اہم کارناموں کی تفصیل ضروری حوالوں کے التزام کیساتھ

[۱] ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۶ء ص [۲] ایضاً ص ۴۵۔ ۴۶۔ بحوالہ ارشاد القرآن۔

پنہاں ہے خموشی میں تکلم کی حلاوت
گفتار کے ہر بول میں حکمت کا جہاں ہے

تعلیماتُ وارشاداتُ

چراغ راہ
۱۰ ھ ۱۴

تعلیماتِ حافظِ ملت

سید شاہد علی رضوی رام پوری شیخ الحدیث و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ رام پور

(۱) نیت

تمام افعال واعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ جیسی نیت ویسا ہی عمل، نیک نیتی سے عمل مقبول ہے، باعثِ اجر و ثواب ہے۔ بدنیتی سے عمل مردود ہے۔ موجبِ عذاب و عتاب ہے۔

قول ہو یا فعل، اخذ ہو یا ترک، از قبیل عبادات ہو یامعاملات، کسی عمل پر بھی اجر و ثواب کا حصول حسن نیت پر موقوف ہے۔ اصول دین میں یہ اصل عظیم اصل الاصول ہے۔ [1]

(۲) نورایمان

نور ایمان سے جب مومن کا دل جگمگا اٹھتا ہے تو اس کا پاکیزہ اثر روحانیت پر اس درجہ پڑتا ہے کہ روح مرتبۂ کمال پر پہنچتی ہے، حیوانیت ودرندگی دور اور لوازم بہیمیت کافور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت انسان اخلاق حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر انسان کامل ہو جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کو خوب پہچانتا ہے۔ اس کی طاعت و عبادت میں خوب لذت پاتا ہے پیکرِ اخلاص بن جاتا ہے۔ جو کام کرتا ہے رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ خداوندی ہی مقصود ہوتی ہے۔ زبان اور ہاتھ ہی کیا جسم کے تمام اعضا حکم الٰہی کے ماتحت ہی کار فرما رہتے ہیں۔ ہر حرکت و سکون خوشنودی معبود ہی کیلئے ہوتا ہے۔ [2]

(۳) انسان کا مقصود

انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس کا مقصود بھی ہر شئی سے اشرف و اعلیٰ و برتر و بالا ہونا چاہئے۔ اسلام کا بڑا احسان ہے کہ انسان کا مقصد سمجھا دیا اور بتادیا کہ انسان کا مقصود صرف ذات الٰہی اور خوشنودیٔ ربانی ہے۔ انسانی زندگی اور زندگی کے تمام مراحل ومنازل اسی لئے ہیں کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ تعالیٰ کی طلب میں کوشاں اور اس کی مرضی کا جویاں رہے۔ انسان غریب ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا فقیر، تخت نشین ہو یا فرشِ خاک پر بیٹھنے والا، اگر خداوند قدوس کی یاد میں ہے، کامیاب ہے۔ اگر اس کی یاد سے غافل ہے، ناکام ہے۔

اس غفلت کو دور کرنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور مخلوق کی رہنمائی فرمائی خصوصاً سید الانبیاء سرور عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب عجیب حکیمانہ انداز اور نرالے نرالے عنوان بیان سے ہدایت فرمائی۔ فرمایا دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرو۔ [3]

(۴) بارامانت

اے مسلمان تیرے دوش ہمت پر بار امانت ہے، تجھے یاد رکھنا چاہیے کہ تیرا ہی قول ہے ؎

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

تو اس بار امانت کا حامل ہے جس کو آسمان و زمین اور پہاڑ بھی نہ اٹھا سکے تو نے اپنے دوش ہمت پر لیا، اس امانت

---

[1] معارف حدیث۔ ص ۵، اشاعت بزم عزیزیہ امجدیہ۔ نزد سرائے گیٹ بلرام پور، ضلع گونڈہ۔ یوپی۔
[2] ایضاً ص ۸۔
[3] ایضاً ۵۳۔

کی کما حقہ حفاظت تیرے ذمہ ہے اس کی پوری حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے [۱]

(۵) خوف خدا

مسلمان خدا سے ڈریں، صرف خدا سے ڈریں، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ غیرتِ الٰہی کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کا بندہ ہوکر اس کا پرستار ہوکر اس کے سوا کسی سے ڈرے۔ [۲]

جب سے لوگوں نے خدا سے ڈرنا چھوڑ دیا ساری دنیا سے خوف زدہ ہیں۔ [۳]

(۶) قناعت

حضور نے قناعت کی تعلیم دی کہ تقسیم الٰہی پر راضی ہو تو سب سے بڑا غنی ہو۔ کیونکہ کتنا ہی بڑے سے بڑا مالدار کیوں نہ ہو اگر اس کو قناعت نہیں تو اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا اور غنا و مالداری سے مقصود اطمینان قلب ہی ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ تقسیم الٰہی پر راضی ہو تو بڑا غنی ہو جائیگا۔ [۴]

(۷) توکل

بندہ جب اپنے رب پر ایمان لایا ہے اور مسلمان ہے تو اس کو اپنے رب پر توکل کرنا لازمی و ضروری ہے۔ اگر بندہ کو اپنے رب پر بھروسہ نہیں تو اس کا ایمان ہی کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکل کرو۔ کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کرو وہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اپنے کاموں میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہو یا اس کے غیر پر۔ اگر تم نے اپنے ہر کام میں اپنے رب ہی پر بھروسہ کیا تو واقعی تم اپنے رب کے فرمانبردار بندے ہو اور اس کے انعام واکرام کے مستحق ہو۔ اگر تم نے اپنے کسی کام میں بھی اپنے رب کے غیر پر بھروسہ کیا تو تم مجرم ہو — اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد غیر پر بھروسہ کرنا بڑا جرم ہے [۵]

حضرت حافظ ملت قدس سرہ کبھی۔ توکل۔ پر خاص طور سے زور دیتے تو یوں فرماتے۔

"توکل ہی توکل ہے"

آپ اس باب میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

سب کام اپنے کرنا تقدیر کے حوالے
نزدیک عاقلوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے [۶]

(۸) صبر وضبط

صبر کا اجر بے شمار ہے، بے حساب ہے، صبر کامیابی اور نصرت الٰہی کا سبب ہے اسی لئے بہت مرتبہ صابرین کی تھوڑی تعداد بھی غالب ہوئی اور صابرین کو سرداری و پیشوائی ملی —— غور تو کرو صبر پر بے حساب اجر کا وعدہ ہے۔ صبر پر نصرتِ الٰہی اور امداد غیبی کا وعدہ ہے، صبر پر فتح دینے کا وعدہ ہے۔ [۷]

سید صاحب! (سید رکن الدین صاحب اصدق) روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جہاں آدمی کے مزاج وطبیعت کے خلاف باتیں نہ ہوں —— کیا مبارکپور میں میری مرضی کے خلاف باتیں نہیں ہوتیں؟ —— مگر دین کے خادموں کو ہمیشہ صبر وضبط سے کام لینا چاہئے۔ [۸]

(۹) مشیت ایزدی

مشیتِ ایزدی و قضائے الٰہی میں چارہ نہیں، مشیتِ ایزدی

---

۱ معارف حدیث۔ ص ۵۴۔ اشاعت بزم عزیزیہ امجدیہ۔ نزد سرائے گیٹ بڑاپور، ضلع گونڈہ۔ یوپی۔
۲ ارشاد القرآن ص ۱۱، اشاعت المجمع الاسلامی۔ مبارکپور۔ اعظم گڈھ۔ یوپی۔
۳ ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۸ء ص ۲۰۲
۴ معارف حدیث ص ۶۷ ۵ ارشاد القرآن ص ۱۵
۶ ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۸ء ص ۶
۷ ارشاد القرآن ص ۲۱، ۲۲
۸ ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور (حافظ ملت نمبر) ص ۲۹۸

پر صبر ہی شانِ بندگی ہے۔ [1]

کائنات عالم کے تمام تصرفات اسی مالک حقیقی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، وہی خالق اور وہی مالک ہے، وہی زندہ کرنے والا اور وہی مارنے والا ہے۔ جس کو وہ مارے کوئی جِلا نہیں سکتا۔ جس کو وہ زندہ رکھے کوئی مار نہیں سکتا، جس کو وہ عزت دے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ذلیل کرے اس کی کہیں عزت نہیں۔ مسلمان کا ایمان تو یہی ہے۔ [2]

(۱۰) شافیٔ مطلق سے لو لگانا چاہیے

جب اطبار اور ڈاکٹر جواب دے چکیں تو علاج ختم کر دینا چاہیے اور شافیٔ مطلق سے لو لگانا چاہیے وہ حی و قیوم اور قادر مطلق ہے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ [3]

(۱۱) حبِ خدا و رسول

محبت و مودت، الفت و عقیدت ایک قلبی کیفیت ہے جو حیاتِ انسانی کا محور اور زندگانی کا مرکز ہے۔ میلانِ قلب ہی انسانی حرکات و سکنات کا مدار ہے دل کا جھکاؤ جس طرف ہوتا ہے، سر سے پیر تک تمام اعضا اسی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کی ہر ادا اچھی، ہر بات پیاری معلوم ہوتی ہے، اس کے ہر قول و فعل کو اپنانا دلی خواہش اور قلبی تمنا ہوتی ہے۔ صرف یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی کیا ہے، محبوب کیا چاہتا ہے، محبوب جو کہے وہی کیا جائے۔ جس طرف لے جائے، اسی طرف جائے۔ اس کے اشارۂ ابرو اور جنبشِ لب پر مرنا اور جینا معراجِ تمنا ہے۔ کرشمۂ محبت کا جب کہ اتنا بلند مقام ہے تو اگر قلب مومن میں کسی غیر کی محبت بھی اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ ہو بلکہ برابر بھی ہو تو مومن کو رضائے الٰہی و خوشنودیٔ رسول حاصل کرنا محال ہو جائے حالانکہ یہی مقتضائے ایمان ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ایمانی قلب میں سب سے زیادہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو ـــــ عزیزوں اور دوستوں کی الفت ہو یا جان و مال کی محبت اگر ان سب پر حبِ رسول غالب ہے تو یہی واقعی ایمان ہے، قابل مبارکباد ہے اور یہی اللہ عزوجل کی سچی محبت ہے۔ محبت رسول ہی محبت خدا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ میں اسی کی تعلیم ہے۔ [4]

(۱۲) معیارِ ایمان

ہر چھوٹے بڑے، اپنے پرائے، حتیٰ کہ اپنی جان و مال، عزت و آبرو ہر شئی سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تکمیلِ ایمان کے لیے ضروری ہے۔ یہ دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر

ع دعویٰ بلا دلیل قبولِ خرد نہیں

دلیل اس دعویٰ کی یہی ہے کہ ادائے حقوقِ مصطفیٰ میں جب کوئی طاقت کوئی قوت بھی مقابل آئے تو اس کو پاش پاش کر دیا جائے، دھجیاں اڑا دی جائیں۔ جان و مال عزت و آبرو کسی کا پاس نہ ہو، اپنے آرام و راحت، تکلیف و مصیبت تک کا خیال نہ ہو، حکم الٰہی و فرمانِ رسول کے مقابلے میں کسی کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

شانِ رسالت میں گستاخی و بے ادبی کرنے والا خواہ اپنا باپ، استاد اور پیر ہی کیوں نہ ہو، بڑے سے بڑا عالم و فاضل ہی

---

[1] ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۸ء ص ۲۰۷۔

[2] ارشاد القرآن ص ۵۔ اشاعت المجمع الاسلامی۔ مبارکپور۔ اعظم گڑھ۔ یوپی۔

[3] ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۸ء ص ۲۰۷

[4] معارف حدیث ملخصًا ص ۲۴ ۔ ۲۵ ۔ اشاعت بزم عزیزیہ امجدیہ۔ نزد سرائے گیٹ بلرامپور۔ ضلع گونڈہ۔

کیوں نہ ہو قلب مومن میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں، باپ کا ادب، استاذ کا احترام، پیر کی تعظیم و توقیر، عالم دین کا اعزاز و وقار صرف رضائے الٰہی و خوشنودی رسول کے لئے کیا جاتا ہے اور جب وہ گستاخ اللہ و رسول کا باغی ہو گیا تو پھر اس (گستاخ خدا اور رسول) سے کیا علاقہ ایمان والوں کا اس سے کیا تعلق! [1]

(۱۳) رحمت عالم کی آخری وصیت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو آخری وصیت فرمائی تھی ترکتُ فیکم الثقلین ماان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللّٰہ وعترتی [2] میں نے تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے ہرگز نہ بھٹکو گے۔ وہ وزنی چیزیں قرآن مجید اور میرے اہلبیت ہیں، قرآن مجید ایک متن ہے اور اہلبیت اطہار اس کی عملی تفسیر، قرآن مجید ایک مکمل قانون ہے اور اہلبیت کرام کما حقہٗ اس کے عامل اور حافظ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وہ نسخۂ کیمیا عطا فرمایا تھا جو مسلمانوں کی فلاح دارین وعزت کونین کے لئے اکسیر اعظم تھا۔ اگرچہ اللہ و رسول کے فرمان کے بعد کسی تجربہ کی ضرورت نہیں، کسی آزمائش کی حاجت نہیں، مگر تجربات اور واقعات بھی شاہد ہیں کہ واقعی جب تک اس پر کاربند رہے سربلند رہے۔ [3]

(۱۴) علم مصطفےٰ

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ سید المرسلین محبوب رب العلمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے سارے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ عرش سے فرش تک، شرق سے غرب تک ساری کائنات حضور کے پیش نظر کر دی، ملکوت السمٰوات والارض کا ذرہ ذرہ حضور پر روشن کر دیا۔ روز ازل سے یوم آخر تک سب ماکان و مایکون کا علم عطا فرما دیا۔ عالم کا ایک ذرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ رہا بلکہ یہ ساری کائنات حضور کے علم عظیم کا ایک ادنیٰ حصہ ہے۔ آپ کا علم دیگر انبیاء سے ہزاروں درجے زیادہ ہے۔ یہ عقیدہ بہت سی آیات قرآنیہ و کثیر احادیث نبویہ و اقوال ائمہ سے ثابت ہے۔ [4]

(۱۵) علم مصطفےٰ کی وسعت

علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت ادراک انسانی اور طاقت بشری سے خارج ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا احاطہ کر سکے۔ رب السمٰوات والارض نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر چیز روشن کر دی۔ کھلی، چھپی، ظاہر و باطن ہر شئی پیش نظر فرما دی، گذشتہ، آئندہ اور موجودہ کل حالات اور تمام واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن کر دیئے۔ [5]

(۱۶) دین حق

دین حق صراط مستقیم، مذہب اہلسنت و جماعت ہے۔ اس کے علاوہ تمام مذاہب باطل ہیں۔ نجات اخروی کا مدار صرف مذہب اہلسنت ہے لہٰذا ہر فرض سے اہم فرض مذہب اہلسنت پر استقامت ہے۔ لہٰذا زمانہ کروٹیں بدلا کرے، فتنے پیدا ہوا کریں، حوادث روزگار نیرنگیاں دکھایا کریں، مصائب و آلام بجلیاں گرایا کریں، طالب حق کو ہر حال صراط مستقیم پر قائم رہنا ہے۔ فتنے ضرور پیدا ہوں گے، مکار و کینہ ور ضرور آئیں گے دجال و کذاب ضرور رونما ہوں گے، ان سب کا مقصد مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر اپنے دام میں لینا، جال میں پھنسانا ہے۔ مخبر صادق سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور ان دجالوں اور کذابوں کی پہچان بتائی ہے اور ان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ [6]

(۱۷) عبادت الٰہی

عبادت الٰہی، طاعت ربانی رضائے الٰہی

---

[1] ایضاً ص ۲۶۔ ۲۷ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۷۹ اصح المطابع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹ رشیدیہ
[3] ارشاد القرآن ص ۶۔ ۷ [4] معارف حدیث ص ۳۳
[5] ایضاً ص ۴۵ [6] ایضاً ص ۶۲

کا سبب ہے۔ بالخصوص نماز دنیا وآخرت کی نعمتوں اور برکتوں کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ ادائے فرض کے بعد نوافل کی مداومت بارگاہ خداوندی میں بڑی مقبولیت رکھتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز نفل کے پابند تھے۔ اذان کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے، جب بے وضو ہوتے وضو کرتے اور دو رکعت نماز نفل تحیۃ الوضو پڑھا کرتے تھے۔ اس نماز کی پابندی نے ان کو زندگی میں جنت میں پہنچا دیا۔ [1]

(۱۸) اجتناب عن المعصیۃ

عبادتِ الٰہی بڑی چیز ہے۔ فلاح دارین وعزت کونین کا باعث ہے۔ خوشنودیٔ خداوندی ورضائے مولیٰ کا سبب ہے۔ بڑی نعمت بڑی دولت ہے، اس کے فوائد گنتی وشمار سے باہر ہیں، لیکن عبادت سے بھی اہم فرض اجتناب عن المعصیۃ ہے۔ خداوند قدوس کی نافرمانی سے بچنا عبادت پر مقدم ہے۔ کتنا ہی بڑا عابد ہو جب تک وہ اللہ عزوجل کے محارم سے نہ بچے عبادت کے ثمرات وبرکات سے کماحقہ مستفیض نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے محارم سے بچے تو لوگوں میں سب سے بڑا عابد ہو۔ [2]

(۱۹) اجتناب عن المعصیۃ کا فائدہ

خداوند تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام فرما دیا ان کا ارتکاب نہ کرے۔ جن چیزوں سے باز رہنے کا حکم فرمایا، ان کے قریب نہ جائے کیونکہ معصیۃ خداوند کریم کی ناراضی کا سبب ہے۔ خداوند کریم کی جب تک نافرمانی کرتا رہے گا اسکی رضا تجھے حاصل نہ ہوگی اور رضائے الٰہی جب تک حاصل نہ ہوگی عبادت کا مقصود ہی حاصل نہ ہوگا۔ اسلئے کہ مقصود عبادت رضائے الٰہی وخوشنودی خداوندی ہے۔ لہٰذا خواہ کتنی ہی عبادت کرے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن اگر معصیت میں مبتلا ہے تو مقصود عبادت فوت ہے۔ ثمرہ عبادت سے بے بہرہ ہے۔ اسلئے تمام معاصی سے تائب ہو اور جملہ نافرمانیوں کو ترک کر ـــــــ تب تیری عبادت بارگاہ الٰہی میں درجہ کمال پر پہنچے گی اور پورا پورا فائدہ حاصل ہوگا۔ اس لئے فرمایا اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ اللہ کے محارم سے بچ تب لوگوں میں بڑا عابد ہوگا۔ [3]

(۲۰) تزکیۂ نفس

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنا، معصیت سے گریز، پرہیز تزکیہ ہے، اس کے بغیر نور عبادت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ [4]

(۲۱) سرمایۂ عبودیت

الٰہی عظمتوں اور رفعتوں کے سامنے سر نیاز جھکانا ہی شان بندگی ہے، اس مالک ومولیٰ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نیاز مندی اور قربانی پیش کرنا ہی سرمایۂ عبودیت ہے، عبد ومعبود کا رشتہ وعلاقہ وہ ہے کہ جان ومال، عزت وآبرو ہر چیز قربان کیجا سکتی ہے، معبود حقیقی کی رضا وخوشنودی کے لئے قربانی بندہ کی سرفرازی وسربلندی ہے۔ [5]

(۲۲) قلب کی زندگی

قلب کی زندگی ذکر وفکر ہے، یاد الٰہی ہے۔ مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کا تقرب ونزدیکی حاصل کرنا ہے۔ [6]

(۲۳) قلب کی موت

خوفِ الٰہی وخشیتِ ربانی سے قلب آراستہ ہوتا ہے زیادہ ہنسنا، قہقہہ لگانا یہ مومن کی شان نہیں کیونکہ اس سے دل سخت ہوتا ہے، قلب کو یاد خدا سے غفلت ہوتی ہے جو قلب کی موت ہے۔ [7]

(۲۴) دنیا وآخرت

عزیزو! دنیا فانی ہے، ناپائیدار ہے۔ آخرت باقی ہے،

---

[1] ایضاً ص ۸۶ [2] معارف حدیث ص ۹۰ [3] ایضاً ص ۹۱ [4] ایضاً ص ۶۵ [5] ایضاً ص ۱۱۵ [6] ایضاً ص ۶۷
[7] ایضاً ص ۶۷

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ دنیا کی زندگی بے ثبات ہے، ختم ہونے والی ہے، آخرت کی زندگی جاودانی ہے۔ دنیا میں انسان آخرت کے لئے آیا ہے۔ اس جاودانی زندگی کا سامنا کرنا ہے۔ اسی لئے سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں کی نیکی وہاں کام آئے گی۔ آخرت کی منزل کٹھن ہے۔[1]

(۲۵) مسلمان کا مقصد

مسلمان کا مقصد آخرت ہے، دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے دوزخ سے نجات پائے، جنت میں داخل ہو، انعامات واکرامات کا مستحق ہو، یہی اس کا مطمح نظر ہو اگرچہ جنت کی تمام نعمتیں، ساری خصوصیتیں محض فضل ربانی وعطائے الٰہی ہے۔ لیکن اکمولائے نعیم وغافر نے اس کے حصول کے لئے اسباب مقرر فرمائے ہیں۔ جنت کے ان خصوصی انعامات واکرامات کا ذریعہ تقویٰ اور حسن خلق ہے ۔۔۔ یوں تو ہر نافرمانی اور معصیت دوزخ کا سبب ہے مگر دو چیزیں خاص طور پر انسان کو دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ انسان کا منہ۔ اور۔ اس کی شرمگاہ۔[2]

(۲۶) سچا دوست

دوست آں دانم کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

بلاشبہ دوست وہی ہے، جو پریشانی، عاجزی، ناداری اور محتاجی کے وقت کام آئے، ضرورت پر امداد کرے جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے۔ ع

اپنا وہی ہے وقت پر جو کام آگیا۔

وہی اپنا خیرخواہ اور سچا ہمدرد ہے، جو کس مپرسی کے وقت اپنا ساتھ دے، جب کوئی پرسان حال نہ ہو، یہ مونس وغمخوار ہے وہی دوست ہے، وہی اپنا ہے، سچے دوست کا یہی معیار ہے، یہی کسوٹی ہے۔

دنیوی زندگی بہت ہی قلیل اور جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس کی ضرورتیں بھی قلیل اور ختم ہونے والی ہیں۔ حیات اخری ابدی ہے۔ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ لہذا اس کی ضرورت بھی شدید ہے، وہاں جو کام آئے وہ بڑا ہی خیرخواہ اور بہت ہی قابل قدر ہے۔ یاد رکھو ۔۔۔ وہاں کام آنے والا تمہارا نیک عمل ہے وہی ساتھ جانے والا اور ساتھ دینے والا ہے۔[3]

(۲۷) خیرخواہ اور مونس وغمخوار

اے غافل انسان اچھے اپنا کردار درست کرنا چاہیئے۔ نیک عمل ہی تیرے ساتھ جائے گا، تیرا ساتھ دے گا، تیرے کام آئے گا، تو اپنے عزیزوں، قریبی رشتہ داروں، دوستوں کی خوشنودی، رضاجوئی میں منہمک ہے۔ مال و دولت کی تحصیل میں سرگرداں ہے، ان کو اپنا مونس وغمخوار اور خیرخواہ سمجھتا ہے یہ تیری نادانی ہے، غفلت ہے ۔۔۔ تیرا خیرخواہ اور مونس وغمخوار تیرا نیک عمل ہے ۔۔۔ یہ وہاں کام آئے گا جہاں تیرا کوئی نہ ہوگا۔ تو قبر میں اکیلا ہوگا۔ تنہا ہوگا۔ بڑے بڑے گہرے دوست اور مخلص خیرخواہ، قریبی رشتہ دار سب علیحدہ ہو جائیں گے اور اپنے ہاتھوں سے تجھے ہزاروں من مٹی کے اندر دفن کر کے چلے آئیں گے ۔۔۔ تیری اس تاریک قبر میں اگر روشنی ہے تو تیرا نیک عمل۔ لہذا تو اپنے مخلص دوستوں کو پہچان اور اس کی قدر کر، زندگی غنیمت جان، تمام بدکرداریوں سے توبہ کر اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو، توشۂ آخرت جمع کر یہی تیرے کام آئے گا۔[1]

(۲۸) ذلت وہلاکت کا سبب

بداعمالی بلاشبہ سبب ذلت اور باعث ہلاکت ہے، مسلمان اگر اپنی عزت چاہتے ہیں

---

[1] معارف حدیث ص ۵۶ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] ایضاً ص ۱۰۹

[1] معارف حدیث ص ۱۱۱۔

اور دونوں جہان کی سربلندی و سرفرازی مقصود ہے — تو جلد از جلد تمام گناہوں سے سچی توبہ کرکے نہایت مضبوطی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر قائم ہوجائیں۔ حضرت شاہ آسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار امروز بفردا مگزار اے آسی
آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں [1]

(۲۹) انسان

انسان کو اس لازم ہے، وہ کیا انسان ہے جسکے دل میں دوسروں کی ہمدردی نہ ہو۔ صرف اپنی ضرورتیں پوری کرلینا انسانیت نہیں — انسان وہی ہے جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی اور غم خواری ہو — اس لئے اسلام کا زریں اصول مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق ہے، آپس میں ایک دوسرے کی غمخواری و ہمدردی ہے، امیر کو غریب کی، مالدار کو نادار کی ہمدردی، امداد و اعانت نہایت ہی مستحکم اور بڑا ہی زریں اصول ہے۔ جب کبھی غرباء و مساکین کو حاجت پیش آئے تو فوراً مسلمان اس کو سہارا دیں اور اپنی طاقت بھر ان کو قوت پہنچا کر ان کی ضرورت کو پورا کریں۔ ایسا نہیں کہ بڑے بڑے روسا، امراء اور بڑے بڑے دولت مندوں ہی کو یہ حکم ہے بلکہ ہر مسلمان کے لئے دوسروں کی غم خواری اور اپنے مقدور بھر ہمدردی لازم ہے۔ [2]

(۳۰) حقیقی مساوات

آئی ہے میرے ساتھ مساوات کی شعاع
یہ آفتاب وقت کی پہلی کرن نہیں

مذہب اسلام کی خشت اول لے کر اس کی تعمیر ثریا تک مساوات کی تعلیم ہے۔ حقیقی مساوات صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ [3]

بلاشبہ اسلامی تعلیم یہی سبق دیتی ہے کہ بھائی کو کم از کم اپنے برابر اپنی بلند سطح پر ضرور رکھنا چاہئے، اپنے آرام کی فکر ہو تو اپنے بھائی کے آرام و راحت کو بھی ضرور یاد رکھے۔ خود تکلیف سے بچے تو اپنے بھائی کو بھی تکلیف سے بچالے۔ نوکروں، ملازموں اور مزدوروں کے ساتھ بھی نرمی و خوش اخلاقی سے پیش آئے انکے راحت و آرام کا بھی ضرور خیال رکھے۔ [4]

(۳۱) معاشرہ کی شیرازہ بندی

اسلامی اصولوں کے ماتحت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلمان کو دوسرے مسلمان سے دلی ہمدردی، امداد و اعانت اور اس کی پردہ پوشی مسلمان کا ملی فریضہ ہے۔ اگر مسلمان اس کے عامل ہوجائیں تو اس کی ساری مصیبتیں ختم ہوجائیں۔ تمام پراگندگی و تشتت کا خاتمہ ہوجائے اور اتحاد و اتفاق سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہوکر وہ طاقت پیدا ہوجائے کہ قوم مسلم کی عظمت رفتہ واپس آجائے۔ [5]

(۳۲) اصول معاشرہ

اصلاح و معاشرت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

بغض و عناد کو محبت و مودت سے تبدیل کرنا جنگ و جدل کو صلح و آشتی سے بدل دینا اصلاح ذات البین ہے [6]

(۳۳) مستحکم وقار

آدمی کو ہمیشہ باوقار رہنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ وقار وضع اور رکھ رکھاؤ سے نہیں بلکہ مستحکم وقار عمدہ اخلاق سے قائم ہوتا ہے۔ [7]

(۳۴) اپنی قدر پہلے خود پہچانو

اپنی قدر پہلے خود پہچانو۔ دنیا میں باعزت بنوگے۔ جس نے اپنا وقار خود خراب کرلیا دنیا کی نظر میں بھی ذلیل و خوار ہوا۔ [8]

---

[1] معارف حدیث ص ۱۲۰ [2] ایضاً ص ۱۱۲ [3] ایضاً ص ۸۳ [4] ایضاً ص ۸۵ [5] معارف حدیث ملخصاً ص ۶۸-۶۹
[6] ایضاً ص ۱۰۷ [7] ماہنامہ، اشرفیہ، مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۶ء ص ۲۶۵م [8] ایضاً ص ۵۰۹

جس سے اخلاق میں گراوٹ پیدا ہو اس صحبت کو جلد از جلد چھوڑ دینا چاہیئے۔ [1]

(۳۵) مسلمان کی شان مسلمان کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی زبان سے نہ جھوٹ بولے، نہ غیبت کرے، نہ چغلی کھائے، نہ گالی بکے، نہ کسی مسلمان کو برا کہے، نہ ہاتھ سے مارے، نہ ستائے، نہ تکلیف پہنچائے۔ [2]

(۳۶) پہلے کام پھر آرام زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔ [3]

(۳۷) صحت کام دنیا کا ہو یا دین کا صحت پر موقوف ہے۔ [4]

(۳۸) ورزش اور تہجد جسم کی قوت کے لئے ورزش اور روح کی قوت کیلئے تہجد ضروری ہے۔ [5]

(۳۹) زندگی و موت زندگی کام کا نام ہے اور بیکاری موت کا ــــ اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ــــ زندگی وہ ہے جو کسی دوسرے کے کام آسکے۔ [6]

(۴۰) کام کے آدمی بنو آدمی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو شخص بیکار ہے وہ مُردوں سے بدتر ہے۔ کام کے آدمی بنو، کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔ [7]

(۴۱) کامیاب انسانوں کی زندگی اپنانا چاہیئے۔

کامیاب انسانوں کی زندگی اپنانا چاہیئے۔ میں نے حضرت صدر الشریعہ کو ان کے تمام معاصرین میں کامیاب مؤثر پایا اس لئے خود کو انھیں کے سانچے میں ڈھالنے میں کی کوشش کی۔ [8]

(۴۲) عقلمند آدمی عقلمند آدمی وہی ہے جو دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے خود تجربہ کرنا عمر ضائع کرنا ہے۔ [9]

(۴۳) ذمہ داری کا احساس احساس ذمہ داری سب سے قیمتی سرمایہ ہے ــــ ہر ذمہ دار کو اپنا کام ٹھوس کرنا چاہیئے۔ ٹھوس کام ہی پائیداری کی ضمانت ہوتے ہیں ــــ سب سے بڑی بنیادی چیز احساس ذمہ داری ہے، جس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا وہ ہمیشہ کامیاب رہے گا۔ [10]

(۴۴) تکمیل مقصد کی فکر انسان کو دوسروں کی ذمہ داریوں کے بجائے اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے۔ [11]

تمہارا کیا خیال ہے ایسے انسان کے بارے میں جو اپنے اردگرد کاموں کا انبار دیکھ رہا ہے اور یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ سورج بس غروب ہی ہونے والا ہے کیا وہ کاموں کی کثرت اور وقت کی قلت دیکھ کر مضطرب نہ ہوگا اور اس کا اضطراب بجا نہ کہلائے گا۔ [12]

(۴۵) تضیع اوقات تضیع اوقات سب سے بڑی محرومی ہے [13]

(۴۶) ہر مخالفت کا جواب میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے ــــ میں نے مخالف کو کبھی مخالفت کا جواب نہیں دیا بلکہ اپنے کام کی رفتار اور تیز کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام مکمل ہوا اور میرے مخالفین کام کی وجہ سے میرے موافق بن گئے [14] جس سے کام لیا جاتا ہے اسے خوش نہیں کیا جاتا [15]

---

[1] ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور (حافظ ملت نمبر) بجریہ اگست ۱۹۷۶ء ص ۵۱۴ [2] معارف حدیث ص ۹۰۸ [3] ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور (حافظ ملت نمبر) بجریہ اگست ۱۹۷۶ء ص ۴۴۴ [4] ایضاً ص ۵۳۱ [5] ایضاً ص ۵۳ [6] ایضاً ص ۲۳۵ [7] ایضاً ص ۳۰۷ - ۵۳۱ [8] ایضاً ص ۲۲۴ [9] ایضاً ص ۲۲۴ [10] ایضاً ص ۱۰۹ [11] ایضاً ص ۵۰۹ [12] ایضاً ص ۴۴۴ [13] ایضاً ص ۵۳۱ [14] ایضاً ص ۳۰۷ [15] ایضاً ۵۳۱

(۴۷) کامیاب انسان

انسان کو مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ کامیاب وہ ہے جو مصیبتیں جھیل کر کامیابی حاصل کرے ــ مصیبتوں سے گھبراکر مقصد کو چھوڑ دینا بزدلی ہے۔ [1]

(۴۸) شہرت وناموری، منصب اور عہدے

آدمی کو کام کرنا چاہیے ــ شہرت اور ناموری کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے ــ کام کرو خود ہی اس کے صدقے میں نام اور شہرت حاصل ہوجائے گی اور جو شہرت کی فکر میں پڑتا ہے وہ اصل میں کام نہیں کرتا نام کرتا ہے ــ اسی طرح آدمی کو منصب اور عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے بلکہ کام کرتے رہنا چاہیے، منصب اور عہدے خود ہی اس کا قدم چومیں گے۔ [2]

(۴۹) سب سے مشکل کام

تقریر سب سے آسان کام ہے۔ تدریس اس سے مشکل۔ اور سب سے مشکل تصنیف وتالیف۔ [3]

(۵۰) علم

علم کی اہمیت کا مسئلہ اب متفق علیہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جاہل سے جاہل بھی علم کو بڑی اہم اور عظیم دولت سمجھتا ہے۔ دنیا کا علم بھی عزت واقتدار کا ضامن ہے چہ جائیکہ علم دین۔ علم دین وہ دولت عظمیٰ اور عظمت کبریٰ ہے کہ وہ انسان کو اشرف المخلوقات اور ممتاز کائنات بناتی ہے مگر علم پر عامل ہونا شرط ہے۔ [4]

(۵۱) بے تربیت تعلیم

بلاشبہ ایسی تعلیم جس میں تربیت نہ ہو ــ آزادی وخودسری ہی کی فضا ہو ــ بے سود ہی نہیں بلکہ نتیجتاً مضر ہے۔ [5]

(۵۲) ہوشیار طلبہ

ہوشیار طلبہ وہ ہیں جو اساتذہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل سیکھتے ہیں۔ [6]

(۵۳) استاد سے استفادہ

آدمی اپنے استاذ سے استفادہ کا محتاج رہتا ہے، جس طرح سے مرید اپنے پیر کا۔ [7]

(۵۴) استاد کا کمال

نیکوکار، اصلاح پذیر اور اچھے طلبہ کو چاہنا استاد کا کمال نہیں بلکہ شاگرد کا کمال ہے کہ اس نے اپنے آپ کو چاہے جانے کے قابل بنایا۔ استاد کا کمال تو یہ ہے کہ جو چاہے جانے کے قابل نہ ہو اس کو اصلاح کرکے اسے چاہے جانے کے قابل بنا دے۔ [8]

(۵۵) مدرسے سے طلبہ کا اخراج

مدرسے سے طلبہ کا اخراج بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو عاق کر دے ــ یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے۔

انتظامی مصالح کے پیش نظر اگرچہ یہ شرعاً مباح ہے۔ لیکن میں اسے بھی ابغض مباحات کے قبیل سے سمجھتا ہوں۔ [9]

(۵۶) مدرس اور مدرسہ کی تبدیلی

میں مدرس کا تقرر کرتا ہوں ہٹاتا نہیں ہوں ــ مدرس اپنی خوشی سے خود چھوڑ دے اسے اختیار ہے۔ [10]

بار بار مدرس اور مدرسہ کی تبدیلی مضر ہے۔ وثوق واعتماد جاتا رہتا ہے اور کام بھی نہیں ہوتا ــ بزرگوں نے بتایا ہے۔ "یک در گیر محکم گیر"۔ [11]

(۵۷) منشا، مقصد اور نظریہ

میرا منشا صرف خدمت دین ہے ــ میرا نظریہ۔

---

[1] ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۶ء ص ۵۰۹ [2] ایضاً ص ۴۱۰-۴۱۱ [3] ایضاً ص ۴۱۱-۵۲۱ [4] ایضاً ص ۷۷ [5] ایضاً ص ۳۰۷ [6] ایضاً ص ۵۳۱ [7] ایضاً ص ۳۰۷ [8] ایضاً ص ۱۲۴ [9] ایضاً ص ۱۲۴ [10] ایضاً ص ۱۹۲ [11] ایضاً ص ۱۹۲-۱۹۳

مدرسہ ہے۔ میرا مقصد۔ یہ ہے کہ سنی علماء زیادہ سے زیادہ اور قابل سے قابل تیار ہوں جو دین متین کی نمایاں اور زریں خدمات انجام دیں اسی کے لئے میری تمام تر سعی اور کوشش ہوتی ہے۔ [۱]

(۵۸) مسجد، سرائے، یتیم خانہ اور مدرسہ

مسجد بنانا ثواب۔ سرائے بنانا ثواب۔ یتیم خانہ بنانا ثواب۔ مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر علماء نہ پیدا ہوں گے تو ان سب کو کون آباد کرے گا۔ کون حفاظت کرے گا۔ میں نے مدرسہ کو بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ [۲]

(۵۹) الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام کا مقصد

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی ان پانچ زبانوں میں یہاں کے فضلاء ماہر و عالم بن کر نکلیں اور جہاں بھی رہیں اسلام و سنیت کی خدمات پوری جامعیت و کمال کے ساتھ انجام دیں۔ [۳]

(۶۰) الجامعۃ الاشرفیہ کیلئے حافظ ملت کے احسانات

میں نے اشرفیہ کو خون جگر پلایا ہے — میں اشرفیہ کیلئے اپنی جان کھپا سکتا ہوں، مگر اس کی پستی اور ذلت نہیں برداشت کر سکتا — میں نے اشرفیہ کو اپنا پسینہ نہیں خون پلایا ہے۔ [۴]

یہاں اونچ نیچ ہوش و حواس والے کو سمجھایا جاتا ہے۔ اور میں تو الجامعۃ الاشرفیہ کے لئے عقل و ہوش کی دنیا سے نکل کر جنون کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ [۵]

اب میرا مطمح نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل ہے۔ [۶]

(۶۱) روشن ماضی کی یاد

نصرت الٰہی تمہارے بازو تھامتی تھی، حمایت غیبی تمہاری پشت پناہی کرتی تھی، غیرت الٰہی کو تمہاری ناکامی گوارا نہ تھی اسی لئے تمہاری تعداد کم سے کم اور تھوڑی سے تھوڑی بھی کامیاب ہوتی تھی — بدر و احد کے واقعات تو تمہیں ضرور یاد ہوں گے، خیبر و حنین کو بھی تم نہ بھولے ہوگے، معرکہ موتہ و یرموک جیسے ہزاروں شاندار کارناموں سے تمہاری روشن تاریخ جگمگا رہی ہے تمہاری قلت تمہاری عسرت تمہاری ناداری اور تہی دستی نے کبھی بھی تمہیں ناکام نہ کیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے کبھی بھی تمہارے قدم کو لغزش نہ دی۔ [۷]

(۶۲) ملت کا درد و غم، جماعت کا حال زار

دینی خدمات کا مخلصانہ جذبہ ہم سے رخصت ہو گیا اور برنصیب دشمناں ہو گیا۔ ۲۰ - ۲۵ پر کافی تعداد میں مل جاتے ہیں۔ نہ معلوم کیسے گذر کرتے ہیں۔ خداوند کریم ہم کو توفیق خیر بخشے جوہر اخلاق عطا فرمائے۔

فی زمانہ اخلاص و ایثار تو کیا دیانتداری بھی ختم ہو رہی ہے۔ ہماری تمام خصوصیات ہم سے رخصت ہو گئیں۔ مولیٰ تعالیٰ رحم فرمائے۔

افسوس ہے کہ لوگوں میں اخلاص و استقلال نہیں، کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں، وعدہ کا بھی خیال نہیں کرتے۔

عجیب قحط الرجال ہے کام کے آدمی دستیاب ہی نہیں ہوتے۔ سینوں میں آرام طلبی زر پرستی کا مرض بھی ہے۔

عجیب قحط الرجال ہے کام کے آدمی دستیاب ہی نہیں ہوتے۔ جن کو کام کا سمجھا جاتا ہے وہ بھی نکما ناکارہ ہی ثابت

بقیہ صفحہ ۱۳۳ پر

۱؎ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور (حافظ ملت نمبر) مجریہ اگست ۱۹۷۷ء ص ۲۰۷ ۲؎ ایضاً ص ۲۲۵ ۳؎ ایضاً ص ۲۰۴ ۴؎ ایضاً ص ۲۰۲ - ۲۰۹ - ۲۱۰ ۵؎ ایضاً ص ۲۰۹ ۶؎ ایضاً ص ۲۱۲ ۷؎ ارشاد القرآن ص ۲۲ - ۲۳ -

حیات حافظ ملت ایک نظر میں

محمد نعیم الدین عزیزی

واقعات / تفصیلات	ہجری	عیسوی
ولادت	۱۳۱۴ھ	
تکمیل حفظ در مدرسہ حفظ القرآن (بھوجپور) مرادآباد	۱۳۳۴ھ	
عربی تعلیم کا آغاز بخدمت مولانا حکیم محمد شریف مرادآبادی	۱۳۳۹ھ	
حصول تعلیم کے لئے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں	۱۳۳۹ھ	
دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں حضرت صدرالشریعہ سے اکتساب علوم کے لئے	۱۳۵۱ھ	
شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت وارادت		
فراغت ودستار بندی	۱۳۵۱ھ	
تدریس کے لئے مبارک پور میں تشریف آوری	۱۳۵۲ھ	
دارالعلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد	۱۳۵۳ھ	
درس بخاری کی ابتداء	۱۳۵۷ھ	
مبارکپور کے ناسازگار حالات کے باعث جامعہ عربیہ ناگپور تدریس کے لئے روانگی	۱۳۶۱ھ	۱۹۴۲ء
دوبارہ مبارکپور میں آمد	۱۳۶۲ھ	۱۹۴۳ء
عمارت دارالعلوم اشرفیہ کی تکمیل	۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء
بعض شرپسند عناصر کی وجہ سے نظربندی	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
سنی دارالاشاعت مبارک پور کا قیام	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء
اشرفیہ نسواں اسکول کی ابتداء	۱۳۸۵ھ	۱۹۶۵ء
سفر حج بیت اللہ (بلا فوٹو)	۱۳۸۶ھ	۱۹۶۶ء
اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب	۱۳۹۱ھ	۱۹۷۱ء
کل ہند تعلیمی کانفرنس مبارکپور کا انعقاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ عربک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ (عربک یونیورسٹی) کا افتتاح	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
سنگ بنیاد (دارالاقامہ) ہوسٹل عربک یونیورسٹی	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
آخری درس بخاری شریف	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء
وصال پر ملال	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

الجامعۃ الاشرفیہ • مبارک پور کا علمی دینی اصلاحی ترجمان ہے۔ جو ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ • آپ کی دینی معلومات میں اضافہ کا باعث ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ • آپ کو ہر ماہ بین الاقوامی تبلیغی سرگرمیوں سے آگاہ کرتا ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ • شرعی مسائل اور جماعتی مشکلات کا صحیح ترین حل پیش کرتا ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ • اولیاء اللہ، بزرگان دین اور باعظمت علمائے اسلام کی سوانح حیات اور کارنامے پیش کرتا ہے۔

خود اس کی خریداری قبول کریں اور لائبریریوں، انجمنوں، ائمہ مساجد اور مدارس کے نام جاری کرا کر اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں اور احباب میں اس کا تعارف کرائیں۔

سالانہ چندہ تیس ۳۰ روپے   ششماہی پندرہ ۱۵ روپے

رابطہ کا پتہ: منیجر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۴ یوپی